قرآن میں اللہ نے ہر انسان کو حکم دیا

سیر کرو زمین کی

حسب تعمیل ارشاد ربانی نواب لیاقت جنگ بہادر کا

سفرنامہ یورپ اور امریکہ

جو حیدرآباد دکن کے سابق وزیر خزانہ اور وزیر
و حرفت نواب لیاقت جنگ بہادر نے
۔ میں لکھا تھا۔ اور سنہ ۱۹۴۷ء میں
تھا۔ اب مئی سنہ ۱۹۴۹ء میں
خواجہ حسن نظامی دہلوی نے

بمقام حیدرآباد دکن سرورق کی تبدیلی کے بعد دوبارہ شائع کیا

قیمت [illegible]

دیباچہ از شمس العلماء خواجہ حسن نظامی

سفرنامہ یورپ وامریکہ

نواب لیاقت جنگ بہادر حیدرآباد کے وزیر خزانہ بھی تھے۔ اور وزیر صنعت و حرفت بھی تھے اور انھوں نے یورپ اور امریکہ کا سفر اپنی وزارت کے زمانے میں کیا تھا پہلے زمانے میں جو مسلمان سیاح سفر کرتے تھے۔ ان کے سفرناموں میں معلومات بہت زیادہ ہوتی تھیں۔ آجکل کے زمانے میں جو سیاح یورپ وامریکہ جاتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے خاص ذوق کی چیزیں لکھ دیتے ہیں۔ مگر نواب لیاقت جنگ بہادر نے یہ سفرنامہ لکھتے وقت اپنے ملک حیدرآباد اور اپنے ملک کی سب قوموں کی اصلاح وترقی کو سامنے رکھ کر یہ سفرنامہ لکھا ہے۔ خاص کر یورپ اور امریکہ کی صنعت گری اور تجارت کی اتنی زیادہ معلومات اس کتاب میں ہے۔ جو حیدرآباد کے ملک کو بھی اور ہندوستان اور پاکستان کو بھی بہت فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

حیدرآباد میں کتابیں خریدنے کا کچھ زیادہ شوق نہیں ہے خصوصاً جو کتابیں امیر لوگ یا بڑے عہدے دار تصنیف کریں۔ ان کو لوگ مفت پڑھنا چاہتے ہیں۔ اور بعض لوگ یہ کہہ کر تحقیر کرتے ہیں۔ کہ فلاں امیر یا فلاں عہدے دار کو تصنیف وتالیف سے کیا تعلق۔ مگر جب میں نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں یہ سفرنامہ دیکھا تو مجھ پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ اس میں کئی کمالات ہیں۔ ایک کمال یہ ہے۔ کہ کارخانوں اور صنعت گھروں کا تذکرہ بہت وضاحت اور تفصیل سے لکھا ہے دوسرا کمال یہ ہے کہ جن چیزوں سے ان کی ذات کو اختلاف تھا۔ ان کو اس طرح بیان کیا ہے کہ کوئی شخص یہ محسوس نہیں کرسکتا کہ نواب صاحب فلاں چیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روزنامہ

سفر یورپ و امریکہ

من ابتدائے ۶۔ امرداد ۱۳۵۵ف مطابق ۱۱ جون ۱۹۴۶ء ... شنبہ

اپریل ۱۹۴۶ء میں باب حکومت سرکار عالی نے بمنظوری ... یہ تصفیہ کیا کہ حکومت کی طرف سے ایک صنعتی و تجارتی وفد کو انگلستان اور امریکہ روانہ کرنا چاہیئے جو دو سرکاری ارکان اور دو غیر سرکاری ارکان پر مشتمل ہو تاکہ یہ وفد وہاں جا کر حیدرآباد کی صنعتی اور تجارتی ضروریات مابعد جنگ سے متعلق ربط قائم کرے اور دیکھے کہ حیدرآباد کو جن بڑے بڑے مشنریوں کی ضرورت ہے وہ کس طرح دستیاب ہو سکیں گی۔ اس وفد کے بھیجنے کا ایک منشاء یہ بھی تھا کہ وہ ان ممالک کو حیدرآباد کی صنعتی ترقی سے روشناس کرائے اور ہماری صنعتوں کا فروغ ان ممالک میں بھی ہو سکے اس وفد میں مجھے بھی بہ حیثیت صدر المہام صنعت و حرفت شریک کیا گیا۔ اس کے دوسرے ارکان حسب تفصیل حاشیہ مقرر کئے گئے اور وفد کی معتمدی کے لئے نواب مہدی نواز جنگ بہادر معتمد فینانس کا انتخاب عمل میں آیا۔

۱۔ نواب زین یار جنگ بہادر صدر المہام تعمیرات
۲۔ راجہ پنا لعل پتی صاحب
۳۔ مولوی میر لایق علی صاحب

حکومت ہند کے موجودہ احکام کے تحت اس سفر کے لیئے حکومت ہند سے ترجیحی اجازت یعنے پرایوریٹی کا حاصل کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ ہوائی جہاز سے روانگی کا انتظام کرنے کے لیئے حکومت سرکار عالی نے حکومت ہند کو لکھا۔ ہوائی جہازوں میں جگہ کی قلت کے مدنظر پانچوں اشخاص کو ایک ہی جہاز سے اجازت روانگی دینے کے بجائے حکومت ہند نے مولوی میر لائق علی صاحب اور نواب میر نواز جنگ بہادر کی روانگی ۱۰۔جون کو اور نواب زین یار جنگ بہادر۔ راجہ پنا لعل جی اور میری روانگی کی تاریخ ۱۴۔جون مقرر کرکے اطلاع دی چنانچہ اول الذکر دو اصحاب ۱۰۔جون کو کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز لندن روانہ ہو گئے۔ راجہ پنا لعل جی کچھ روز پہلے بمبئی چلے گئے تاکہ وہاں سے ہمارے ساتھ ہو جائیں نواب زین یار جنگ بہادر سہ شنبہ ۱۱۔جون کی صبح کی گاڑی سے بمبئی روانہ ہونے والے تھے اور میں بھی اُسی روز یعنی ۱۱۔جون کی شام کی ریل سے بمبئی جانے والا تھا اور یہ طے ہوا تھا کہ ہم تینوں ۱۳۔جون کی صبح کو ٹاٹا کمپنی کے ہوائی جہاز سے کراچی پہونچیں گے۔ اور وہاں سے ۱۴۔جون کی صبح کو طیارہ کے ذریعہ لندن روانہ ہو جائیں گے۔

عین جبکہ ہمارے یہ انتظامات مکمل ہو چکے دوشنبہ ۱۰۔جون کو شام کے (۳) بجے حکومت ہند نے ذریعہ تار برقی اطلاع دی کہ کراچی سے روانگی کی تاریخوں میں ترمیم کر دی گئی ہے اور یہ کہ مجھے اور راجہ پنا لعل جی کو بجائے ۱۴۔جون کے ۱۲۔جون کو کراچی سے جانا ہوگا اور نواب زین یار جنگ بہادر بجائے ۱۴۔جون کے ۲۴۔جون کو کراچی سے روانہ ہونگے۔ اس اطلاع کی بناء پر نواب زین یار جنگ بہادر نے اپنا ۱۱۔جون کا سفر ملتوی کر دیا اور یہ طے پایا کہ ۱۱۔جون کی صبح کی گاڑی سے مجھے روانہ ہو جانا چاہیئے تاکہ ۱۲۔جون کی صبح کو میں بمبئی سے بذریعہ طیارہ کراچی پہنچ سکوں

راجہ پنا لعل کو اس تبدیلی تاریخ کی اطلاع ٹیلیفون سے دیکر یہ خواہش کی گئی کہ وہ ٹاٹا کمپنی کے ہوائی جہاز کا ٹکٹ ۱۲۔جون کے لیئے خرید کر دادر اسٹیشن پر مجھ سے ملیں تاکہ ہم وہاں سے راست بمبئی کے ہوائی اڈے پر پہونچ کر (۸) بجے روانہ ہونے والے ہوائی جہاز سے کراچی جاسکیں۔

سہ شنبہ ۱۱۔جون

چنانچہ میں ۱۱۔جون سہ شنبہ کی صبح کی گاڑی سے بمبئی روانہ ہوگیا۔ دادر کے اسٹیشن پر راجہ پنا لعل جی کا آدمی ملا اور کہا کہ باوجود کوشش کے ٹاٹا کمپنی کے ہوائی جہاز پر جگہ نہ مل سکی اس لیئے ٹکٹ نہیں لیا گیا۔ پس مجبوراً میں بمبئی کے وکٹوریہ ٹرمینس اسٹیشن پر اتر کر نظام پیالیس گیا۔ اور ۹½ بجے جب راجہ پنا لعل جی ملنے

چہارشنبہ ۱۲۔جون

آئے تو ان سے کہا کہ وہ آمادہ ہوں تو ایک خاص ہوائی جہاز لیکر ہم دونوں سہ پہر میں کراچی پہنچ جائیں گے تاکہ ۱۳۔جون کو کراچی سے صبح نکلنے والے ہوائی جہاز سے لندن روانہ ہوسکیں۔ راجہ صاحب نے کہا کہ انھوں نے اپنا پروگرام بدل دیا ہے۔ اور وہ ۲۴۔جون کو نواب زین یار جنگ بہادر کے ساتھ روانہ ہوں گے۔ میں نے انھیں سمجھایا کہ نواب زین یار جنگ بہادر کے ساتھ ہمارے جانے کا انتظام حکومت ہند بوجہ قلت گنجایش نہ کر سکے گی اس لیئے ۱۳ جون ہی کو کراچی سے جانے کا جو موقع ہے اس سے استفادہ کرنا چاہیئے ورنہ ممکن ہیکہ ہمیں کئی ہفتوں انتظار کرنا پڑے۔ راجہ صاحب اپنے اعزہ سے مشورہ کرکے جواب دینے کا وعدہ کرکے اپنی قیامگاہ چلے گئے اور کچھ دیر بعد ذریعہ ٹیلیفون کہا کہ ۱۳ تاریخ کو ان کے اعزہ منحوس خیال کرتے ہیں اس لیئے انھیں معذور رکھا جائے۔ ان حالات میں میں نے دہلی کے متعدد عہدہ داران سے ٹیلیفون پر گفتگو کی اور بمبئی کے

ٹرانسپورٹ بورڈ کو بھی متوجہ کیا اور بالآخر حکومت ہند کے چیف ٹرانسپورٹ افسر سے ٹیلیفون پر کہا کہ مجھے ۱۴۔ جون کو کراچی سے جانے کا جو پروانہ ابتداءً دیا گیا تھا اوس کو برقرار رکھا جائے کیوں کہ میری درخواست کے بغیر حکومت ہند نے از خود ایک دن پہلے کی جو تاریخ مقرر کی ہے وہ عملاً قابل عمل نہیں ہے۔ میرے ۱۲۔ جون کو بمبئی پہنچنے کے باوجود ٹاٹا کمپنی کے جہاز پر مجھے جگہ نہ مل سکی جس کی وجہ سے میں بمبئی میں رک گیا ہوں۔ افسر مذکور نے میرے عذرات کی معقولیت کو تسلیم کرکے وعدہ کیا کہ وہ ۱۴۔ جون کو کراچی سے میرے جانے کی نسبت ضروری انتظام بذریعہ تار برقی کردیں گے۔

جمعرات ۱۴۔ جون

اس جواب کے مدنظر میں ۱۴۔ جون کو صبح کے (۸) بجے ٹاٹا کمپنی کے ہوائی جہاز سے کراچی روانہ ہوا۔

اس سے پہلے کبھی ہوائی جہاز میں نہیں بیٹھا تھا۔ اور یورپ اور امریکہ کا طویل ہوائی سفر ہونے والا تھا اس لیئے میں نے حیدرآباد سے روانہ ہونے سے پہلے اپنے جملہ خانگی کاروبار ختم کردیئے تھے اور جمعہ ۷۔ جون کو اپنے ورثاء کیلئے وصیت نامہ کی تکمیل بھی ہوا جہ خان بہادر مولوی عبدالسلام سعید صاحب کمشنر محصول زاید منافع اور مولوی محمد جواہر خاں صاحب نائب صدر ناظم حسابات و تنقیح کردی تھی اس لیئے ایک گونہ اطمینان کے ساتھ میں بمبئی سے روانہ ہوا۔ میرا ایمان راسخ اسلامی تعلیم پر تھا کہ سب دن اور تاریخ اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہیں اور وہ اپنے بندوں کے ساتھ ہمیشہ موجود ہے۔ اوسی کی مدد پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اس موقع پر مذہب اسلام کی تعلیم بہت کام آئی۔ مجھے خدا حافظ کہنے کے لیئے میرا لڑکا عزیز آصف سلمٗہ میرے داماد سید صلاح الدین سلمٗہ مددگار معتمد فینانس میرے

بہنوئی مولوی محمد جواہر خاں صاحب اور میرے پرسنل مددگار کیپٹن محمد محی الدین صاحب بمبئی تک آئے تھے۔ اور ہوائی اڈہ پر بھی موجود تھے۔ زمین پر کچھ دور دوڑنے کے بعد ہوائی جہاز کے انجن کو اسقدر زیادہ تیز کر دیا جاتا ہے کہ مہیب آواز آنے لگتی ہے اور ساتھ ہی بے انتہا تیزی کے ساتھ جہاز دوڑتا ہے تاآنکہ زمین سے اٹھ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ ہوا میں اٹھ جانے کے بعد وہ آسانی کے ساتھ بتدریج بلند ہوتا جاتا ہے۔ زمین سے چار پانچ ہزار فٹ بلند ہو کر یکساں رفتار کے ساتھ راستہ طے کرنے لگتا ہے۔ ٹاٹا کمپنی کے جہاز کی اوسط رفتار غالباً (۱۵۰) میل فی گھنٹہ تھی مگر یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ جہاز حرکت بھی کر رہا ہے۔ البتہ انجن کی آواز نہایت زور سے کانوں میں آتی ہے جہاز میں سوار ہوتے ہی ہر مسافر کو کانوں میں رکھنے کے لئے روئی اور چبانے کیلئے قرص دیئے گئے۔ میں نے روئی کانوں میں ٹھوس لی اور قرص چبانے لگا۔ دوران پرواز میں ہوا کا کوئی خلاء ملے تو ہوائی جہاز یکایک نیچے کی طرف گرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی پھر اوپر کو آجاتا ہے۔ اوس وقت معدہ میں ایک خاص کیفیت محسوس ہو کر کچھ گھبراہٹ ہوتی ہے مگر دو چار دفعہ کے تجربہ کے بعد یہ اثر محسوس نہیں ہوتا۔

ہوائی جہاز سے زمین کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاغذ پر نالے۔ ندی۔ پہاڑ۔ راستے وغیرہ بنے ہوئے ہیں آدمی یا جانور نظر نہیں آتے زمین پر ابر کے ٹکڑے بنتے ہوئے اور پھر اوپر کو اٹھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں بعض دفعہ ابر کے چھوٹے اور بڑے ٹکڑے بڑی تیزی سے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں جن کی رفتار فی گھنٹہ (۵۰) میل ہوتی ہوگی۔ چونکہ موسم باراں میں سفر کا یہ حصہ طے کیا گیا اس لئے ابر کے بڑے اور چھوٹے ٹکڑے تیزی سے کیے بعد دیگرے

جاتے ہوئے دکھائی دئے۔ اور قطار در قطار ایک فوج کی طرح ساری فضاء میں جم گئے جہاں تک نظر جاتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اوپر آسمان ہے اور نیچے سفید پہاڑ ہی پہاڑ ہیں۔ ان کے سواء اور کوئی کائنات موجود نہیں ہے۔ بعض دفعہ جب ہوائی جہاز بہت زیادہ بلندی پر جاتا ہے تو زمین بالکل آسمان کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اوپر نیچے اور اطراف آسمان ہی آسمان ہے۔ جس وقت سندھ کے ریگستان پر سے ہم گزرے تو جہاں تک نظر کام کرتی تھی صرف ریت ہی ریت نظر آتی تھی۔ کوئی سڑک۔ پہاڑ۔ ندی نالے یا درخت یا سبزہ نام کو نہ تھا۔ یہ منظر تقریباً ایک گھنٹہ سے زیادہ نظر آیا۔ قدرت کے یہ مختلف نظارے انسان کو محو حیرت کر دیتے ہیں اور اللہ کی عظمت کا اثر دل پر بیٹھ جاتا ہے یہ سفر تقریباً ۴½ گھنٹہ کا تھا۔ درمیان میں نصف گھنٹے کے لئے احمد آباد پر جہاز اترا۔ ہوا میں سے یہ شہر کافی وسیع نظر آیا۔ دن کے ایک بجے ہم کراچی پر اُترے۔ جہاز کو اتارتے وقت بہت زیادہ احتیاط کی جاتی ہے تقریباً بیس منٹ پہلے ہی سے طیارہ بتدریج نیچے آنا شروع کرتا ہے۔ رفتار دھیمی ہوتی جاتی ہے۔ اور بالآخر ربڑ کے پہیئے زمین سے لگ جاتے ہیں۔ جس کے بعد کئی فرلانگ تک وہ زمین پر دوڑ کر رُک جاتا ہے۔

ابتداء میں جس وقت طیارہ زمین سے اوپر اُٹھنے لگتا ہے تو ربڑ کے پہیئے تو د بخود بازوؤں کے اندر چلے جاتے ہیں۔ اور جس وقت زمین پر اُترنے لگتا ہے تو بازوؤں کے اندر سے باہر نکل آتے ہیں۔

ہوائی جہاز سے اُترتے ہی میں اُس دفتر کو گیا جہاں کراچی سے لندن کے ٹکٹ اجراء ہوتے ہیں۔ وہاں معلوم ہوا کہ حکومت ہند نے مجھے رائل ایر فورس

شاہی ہوائی فوج کے فوجی ہوائی جہاز یارک نامی سے جانے کی اجازت دی ہے۔ اور یہ کہ مجھے (۳۶) گھنٹوں کے اندر معلوم کرایا جائیگا کہ طیارہ کراچی سے کب نکلے گا۔ فوجی عہدہ داران نے کارلٹن ہوٹل میں مجھے ٹھیرایا۔ اس ہوٹل میں ایک ایک کمرے میں چار چار مسافروں کو ٹھیرایا جاتا ہے۔ بالکل فوجی قسم کے مس ہوز کے طور پر اس کو چلایا جاتا ہے وہ آسانیاں اور سہولتیں یہاں نہیں ملتیں جو سیول ہوٹل میں مل سکتی ہیں۔ مجھے فکر دامن گیر ہوئی کہ اس ہوٹل میں میں (۳۶) گھنٹہ کس طرح گزار سکوں گا۔ میں نے دل میں یہ طے کیا کہ اگر دوسرے دن صبح کو طیارہ روانہ نہ ہوا اور مجھے کراچی میں ٹھیرنا پڑا تو کسی سیول ہوٹل میں منتقل ہو جاؤں گا۔ میں اسی ادھیڑ بُن میں تھا کہ شام کے (۴) بجے ٹیلیفون سے اطلاع ملی کہ مجھے ہوائی دفتر پر فوراً اپنا سفری سامان وزن کرانا چاہیئے۔ چنانچہ میں وہاں پہنچا۔ کہا گیا کہ رایل ایرفورس شاہی ہوائی فوج کا جہاز رات کے ½ ۸ بجے کراچی سے روانہ ہوگا۔ اور یہ کہ مجھے (۷) بجے ماری پور کے ہوائی اڈہ پر جو شہر سے (۱۲) میل کے فاصلہ پر ہے موجود رہنا چاہیئے۔ میں مقررہ وقت پر پہنچا۔ شام کے کھانے کا انتظام بھی اسی اڈہ پر موجود تھا۔ ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے پہلے بہت سارے کاغذات کی تکمیل کرنی پڑتی ہے۔ پاسپورٹ اور ٹیکوں کے سرٹیفکیٹ دیکھے جاتے ہیں۔ سامان کو اور خود مسافر کو تولا جاتا ہے۔ اور ایک فارم کی تکمیل کرائی جاتی ہے جس میں اُس وارث کا نام درج کرنا پڑتا ہے جسے کسی مفاجاتی حادثہ کی صورت میں اطلاع دی جائے گی۔ ان سب امور کی تکمیل کے بعد جہاز کا ٹکٹ دیا گیا۔ اور ۱۳۔ جون ہی کو رات کے ½ ۸ بجے پرواز عمل میں آئی۔ اس طیارہ میں کل (۱۲) مسافر

تھے جو سب انگریز تھے۔ مسلسل سات گھنٹوں کی پرواز کے بعد ہم صبح کے (۴) بجے بصرہ کے ہوائی اڈہ شاہیبہ پر اُترے۔ سب سے پہلے ہمیں اپنی گھڑیوں کا وقت درست کرنا پڑا کیونکہ مقامی وقت کے لحاظ سے رات کے (۲) بجے تھے۔ فوجی کینٹین میں ناشتہ کا انتظام تھا عرب ملازم لانبے کرتوں میں ننگے سر پیر میں پائتابے اور شوز پہنے ہوئے ویٹر کا کام انجام دیرہے تھے۔ کام کرتے وقت یہ ملازم سگریٹ بھی پیتے رہتے ہیں اور جس وقت اون کا جی چاہے کرسیوں پر بھی بیٹھ جاتے ہیں۔

جمعہ ۱۴۔جون

رات کے (۳) بجے ہمارا طیارہ بصرہ سے روانہ ہوا۔ اور جمعہ ۱۴۔جون کو صبح کے (۸) بجے قاہرہ کے ہوائی اڈہ پر اترا۔ اس سفر میں سوئز کنال پر سے گذر ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک سرے سے دوسرے تک دو گز چوڑا نالہ بہہ رہا ہے۔ عین اسوقت نہر میں سے تین جہاز ایک کے پیچھے ایک گزر رہے تھے اور بہت چھوٹی کشتیوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ قاہرہ پہونچتے ہی ہم نے پھر اپنی گھڑیوں کو درست کیا کیونکہ وقت میں پھر فرق آگیا تھا۔ یہاں سب سے پہلے جو چیز نظر کے سامنے آتی ہے وہ مصری ٹوپی ہے۔ ہر شخص مصری ٹوپی پہنتا ہے۔ البتہ افسر کوٹ اور پتلون پر یہ ٹوپی پہنتے ہیں۔ اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ مصری ٹوپی کے ساتھ لانبا کرتا پائتابے اور شوز پہنتے ہیں۔ یہاں سب عربی میں گفتگو کرتے ہیں۔ انگریزی کے ساتھ ساتھ تمام عمارتوں، موٹر کاروں، اور تختیوں وغیرہ پر عربی لکھی جاتی ہے۔ افسر مغرور معلوم ہوتے ہیں۔ خدمتگار ہر شخص سے بے تکلفی کا اظہار کرتے ہیں۔ کام کرتے ہوئے سگریٹ پیتے رہتے ہیں۔ انگریزوں کے ساتھ بھی اون کا یہی برتاؤ دیکھا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصری ایجپٹ کے نام کو

پسند نہیں کرتے۔ ہر جگہ انگریزی میں لفظ مصر استعمال کرتے ہیں چنانچہ کرایہ کی موٹر کاروں ہوٹل کے کمروں اور دفتر کے دروازوں وغیرہ پر بھی یہی لفظ دیکھا گیا۔

قاہرہ کا ہوائی اڈہ بہت بڑا ہے بیسیوں ہوائی جہاز یہاں ہر وقت پرواز کرتے رہتے ہیں ہوا میں سے دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ قاہرہ کا شہر بہت وسیع ہے۔ اور جدید طرز کی عمارتیں اس میں کثرت سے ہیں۔

دن کے ایک بجے ہمارا طیارہ قاہرہ سے روانہ ہوا۔ راستہ میں کئی گھنٹوں تک بحرۂ روم (میڈیٹرینین) اور بحر لبنان پر سے گزرتا رہا۔ اوس وقت دل میں ایک قسم کا خوف معلوم ہوا کیونکہ اس موقع پر اگر ہوائی جہاز میں کسی قسم کی خرابی پیدا ہو جائے تو سوائے اس کے کہ جہاز اور مسافر سمندر میں غرق ہو جائیں کوئی اور صورت نہیں ہے بحر میڈیٹرینین پر سے گزرتے وقت کچھ عرصہ کیلئے ہمارے جہاز کی حالت غیر متوازن رہی۔ اور دونوں بازؤں پر وہ جھکتا رہا مگر بفضل خدا ان دونوں سمندروں پر سے ہم بخیر و خوبی گزر گئے۔ اس موقع پر میرے پڑوس میں بیٹھے ہوئے انگریز کی طبیعت کچھ خراب ہوگئی اور مجھ سے اس نے چبانے کے لئے قرص طلب کئے میں نے حیدرآباد سے اس قرص کے دو پوڑے ساتھ رکھے تھے۔ ایک پوڑا میں نے اوس کے حوالہ کیا۔ الحمدللہ میری طبیعت بہت صاف رہی۔ اس سفر میں ہم صحرا کے ایک حصہ پر سے بھی گزرے۔ یہ صحرا مختلف رنگ بدلتے ہوئے دکھائی دیا۔ کبھی زرد کبھی نیلا، کبھی اودا اور کبھی بالکل آسمان کی شکل کا دکھائی دیتا رہا۔ شام کے (۵) بجے طرابلس الغرب (ٹریپولی) کے ہوائی اڈہ کاسٹل بینیٹو پر اترے یہاں پہنچتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ ہم یکایک گرم ملک سے سرد ملک میں آگئے ہیں۔ یہاں بھی

گھڑیوں کو درست کرنا پڑا کیوں کہ نصف گھنٹہ کا فرق تھا۔ طعام خانہ فوجی میں جہاں ہم نے شب کا کھانا کھایا۔ اٹالین نوکر کام کر رہے تھے۔ رات کے (۹) بجے مارسیلز کی جانب روانگی عمل میں آئی۔ راستہ میں دوبارہ بحر روم (میڈیٹرینین) پر سے گزرنا تھا۔ روانہ ہونے سے پہلے کپتان نے مسافروں کو مخاطب کر کے ہدایات دیں کہ حادثہ کے وقت مسافروں کو کس طرح سیڑھی کے ذریعہ جو جہاز کی چھت کے اندر پوشیدہ ہے چھت کے اوپر چلے جانا چاہیئے اور تمام مسافروں کی کرسیوں پر جو حفاظتی جاکٹ لگے ہوئے تھے ان کے استعمال سے واقف کرایا۔ چونکہ رات کے وقت سمندر پر سے جہاز گزر رہا تھا اس لیئے جہاز کا کپتان اور دوسرے عہدہ دار سروں پر ربڑ کی ٹوپیاں پہنے ہوئے مختلف آلات کان میں لگائے طیارہ میں گشت لگاتے رہے۔ خدا کے فضل سے سفر کا یہ حصہ بھی بلا کسی حادثہ کے طے ہوا اور ہمارا ہوائی جہاز رات کے دو بجے مارسیلز کے ہوائی اڈہ پر اترا۔ راستہ میں دور سے شہر ٹیونس کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ مارسیلز کا نظارہ شب کے دو بجے ہوائی جہاز سے ایسا دلکش تھا کہ کبھی فراموش نہیں ہو سکتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آسمان کا ایک تاروں بھرا ٹکڑا زمین کے اس حصہ پر رکھدیا گیا ہے۔ علی الصبح مارسیلز کے ہوائی اڈہ کو میں نے پھر کر دیکھا تقریباً سب عمارات بم باری کی زد میں آئی ہیں۔ بعض کو دوبارہ تعمیر کر لیا گیا ہے۔ اور اکثر اب بھی شکستہ اور گری ہوئی حالت میں ہیں۔ یہاں سردی کی شدت محسوس ہوئی۔ فوجی کینٹن میں جہاں مسافروں نے صبح کا ناشتہ کیا کھانا کھلانے اور فرش فرنیچر صاف کرنے کے لیئے فرنچ لڑکیاں اور عورتیں مامور ہیں۔ یہ کام کرتے وقت گاتی اور شور مچاتی رہتی ہیں۔ اور کرسیوں اور میزوں کو ٹھکتی رہتی ہیں۔

شنبہ ۱۵۔جون صبح کے (۸) بجے مارسیلز سے ہمارے طیارہ نے پرواز کی۔ فرانس کے ملک پر سے گذرتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک خوشنما قالین بچھا ہوا ہے۔ایک انچ زمین بھی بے کار نہیں چھوڑی گئی ہے۔یہ ملک پہاڑی معلوم ہوتا ہے۔جا بجا بستیاں نظر آتی ہیں۔ان بستیوں کے مکانات سب پختہ معلوم ہوتے ہیں۔اس حصہ سفر میں باد و باراں کے طوفان سے دوچار ہونا پڑا۔ جہاز کے باہر کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔اوس وقت خوف ہوا کہ اگر ہوائی جہاز طوفان کا مقابلہ نہ کر سکے تو پاش پاش ہو جائے گا۔طوفانی کیفیت تقریباً نصف گھنٹہ رہی۔اور اوس کے بعد مطلع صاف ہو گیا۔اس کل (۷۰۰) میل کے ہوائی سفر میں یہ معلوم ہوا کہ خدا کی مدد کے بغیر انسان بے بس ہے۔ایک دفعہ زمین پر سے اُٹھ جانا آسان ہے مگر اس کے بعد باد و باراں۔ریگستان۔سمندر اور پہاڑوں پر سے ' صحیح و سلامت گزر جانا انسان کے بس کی بات نہیں۔کیوں کہ عناصر قدرت اس قدر طاقتور اور عظیم ہیں کہ اون کے آگے ہوائی جہاز ایک تنکے سے بڑھ کر حیثیت نہیں رکھتا۔ انسان کو اس لئے ہر وقت خدا کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کرنا چاہیئے کہ وہ ہر آفت سے اسے محفوظ رکھتا ہے۔اور سلامتی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ یہی جذبات تشکر میرے دل میں موجزن تھے۔جب ہمارا طیارہ سلامتی کے ساتھ شنبہ ۱۵۔جون کو برسٹل کے ہوائی اڈہ پر دن کے بارہ بجے اترا۔یہ مقام لندن سے (۸۰) میل کے فاصلہ پر ہے۔اُترتے ہی نواب میر نواز جنگ بہادر کا ٹیلیفون ملا کہ میرے قیام کا انتظام سیوائے ہوٹل طعام خانہ سیوائے میں کیا گیا ہے۔اور یہ کہ تھامس کک اینڈ سنس کا آدمی مجھے لندن میں اس مقام سے

جہاں فوجی بس کے ذریعہ مسافروں کو لیجایا جائے گا ہوٹل پہنچائے گا جب کہ تقریباً (۵) گھنٹہ کے بعد ہم وہاں پہونچیں گے۔ پاسپورٹ کی تنقیح اور کسٹم کے مراحل طے کرنے میں برسٹل کے ہوائی اڈہ پر ایک گھنٹہ لگا اس کے بعد مسافروں کو ایک اعلیٰ درجہ کی فوجی بس میں سوار کرا کے لندن روانہ کیا گیا۔ اس (۸۰) میل سڑک کے سفر میں لندن کے مضافات کو دیکھنے کا موقع ملا۔ مسلسل (۸۰) میل تک بہترین ڈانبر کی سڑک اس کے دونوں جانب پیدل چلنے کے راستے ان کے متصل جنگلی جھاڑوں کی ترشی ہوئی باڑا ور اس کے پیچھے پختہ خوبصورت مکانات اور ہر مکان کے سامنے پھولوں کی کیاریاں سلیقے سے کٹی ہوئی تھیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے بازار، مدرسے کی عمارتیں وغیرہ اس کا پتہ دے رہی تھیں کہ دیہاتی زندگی کی طرف حکومت نے بہت خاص توجہ کی ہے۔ اس طویل سڑک کے سفر میں کہیں بھی کوڑا کرکٹ نظر نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے لوگوں میں صفائی کے ساتھ رہنے کی عادت ہے۔ جا بجا راستوں کے دونوں جانب وسیع چراگاہیں چھوڑی گئی ہیں۔ جن میں انگریزی نسل کے گھوڑے گائے اور بکریاں چرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ یہاں کے گھوڑے چوڑے اور مضبوط ہوتے ہیں۔ ان کے پیروں کے بال تراشے نہیں جاتے بہت گھنے اور لمبے ہوتے ہیں۔ غالباً یہ اس لیئے نہیں تراشے جاتے کہ سردی سے ان کے پیروں کو محفوظ رکھا جائے۔ گائیں چھوٹی سینگ کی (جو بکریوں کی سینگ سے کچھ ہی بڑی ہوتی ہیں۔) نہایت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ مویشی بھی فربہ اور چھوٹے کان کے زیادہ تر سفید ہوتے ہیں۔ لندن اور مضافات میں پھولوں کی داشت بہت کیجاتی ہے۔

رنگ برنگ کے پھولوں کے گملے سلیقہ سے مکانات کی کھڑکیوں میں ایسے سجائے جاتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر دل پر خاص فرحت ہوتی ہے۔ بازاروں میں جا بجا پھولوں کے خوبصورت گلدستے ٹھلیہ میں رکھ کر لوگ فروخت کرتے پھرتے ہیں اور ان کی خاص دکانیں بھی ہیں۔ شام کے ۵ بجے کے بعد فوجی بس نے ہم کو لندن کے وکٹوریہ اسٹیشن کی سڑک پر اتار دیا جہاں سے ہر شخص علحدہ علحدہ اپنے قیام کی جگہ پر چلا گیا۔ مجھے لینے کے لئے مولوی میر لائق علی صاحب نواب میر نواز جنگ بہادر اور خان بہادر عبد الکریم بابو خاں صاحب وکٹوریہ اسٹیشن کے اندر (۴) بجے سے منتظر تھے چونکہ میں اسٹیشن کی دوسری طرف اتار اگیا تھا اس لئے ان سے ملاقات نہ ہو سکی اور میں سیدھے ٹکسی کار لے کر سیوائے ہوٹل پہونچا۔ ریسپشن آفس کے رجسٹر میں دستخط کر رہا تھا کہ یہ اصحاب وہاں آئے اور کہا کہ (۶) بجے تک اسٹیشن پر میرا انتظار رہا۔

سیوائے ہوٹل میں مجھے (۸۵۴) نمبر کا کمرہ ملا ہے جس میں ہر قسم کی ضرورت کا سامان موجود ہے۔ اور کمرہ سے متصل ایک علحدہ غسل خانہ بھی لگا ہوا ہے۔ اس کمرہ کی کھڑکی سے تھیمس ندی کا ایک کونہ نظر آتا تھا۔ لندن میں اور بالخصوص ہوٹل میں قدم قدم پر اور ہر گھڑی انعام دینے کا طریقہ ہے کم و بیش ہوٹل کے اخراجات کا بیس فیصد انعامات میں جاتا ہے۔ چنانچہ مولوی میر لائق علی صاحب اور نواب میر نواز جنگ کے بہادر کے مشورے سے دوسرے روز جب میں پہلی دفعہ ہوٹل کے کھانے کے کمرہ میں گیا تو سب سے پہلے وہاں کے ہیڈ ویٹر کو ایک پونڈ انعام دیا۔ اور کمرہ سے متعلق جو ویٹر، میڈ اور بائے ہیں

انہیں اور لفٹ چلانے والے کو فی کس دس شلنگ اور پانچ شلنگ انعامات دیئے
یہ انعامات صرف ایک ہی وقت نہیں دیئے جاتے بلکہ ان کا اعادہ تھوڑے دن کے
وقفہ سے کم از کم ہفتہ میں ایک مرتبہ کرنا ضروری ہے یہاں یہ رواج ہے کہ ٹکسی کار
والے کو علاوہ اوس کرایہ کے جو واجب الادا ہے ایک شلنگ یا چھ پنس زاید دیتے
ہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے آپ کا کوٹ تھوڑی دیر کیلئے سنبھالا یا لفٹ میں لے گیا
یا غسل خانہ سے باہر آتے وقت آپ کے کوٹ پر برش پھیر دیا تو اوس کو انعام دینا
ضروری ہو گیا۔ ہوٹلوں میں کھانے کے بل کا دس سے پندرہ فیصد حصہ بطور انعام
کے دینا لازم ہے لندن میں جس پیمانہ پر انعام دیئے جاتے ہیں اور جن مواقع
پر دیئے جاتے ہیں اسے میں نہایت مذموم خیال کرتا ہوں کہا جاتا ہے کہ ہوٹلوں
میں جو لوگ ملازم ہوتے ہیں اون کی تنخواہ برائے نام ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ
انعاموں کے ذریعہ تنخواہ سے کئی گنا زیادہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ملازم خالی جگہ کیلئے
روپیہ کا پیش کش بھی کرتے ہیں۔ اور سب سے زائد جو رقم دے اسی کا تقرر
کیا جاتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ یہاں بہت کم بھیک منگے نظر آتے ہیں۔ مگر یہ انعام
حاصل کرنے والے اون سے بدتر ہیں۔ اس انعام کے لالچ میں میں نے دیکھا کہ
ادنیٰ طبقہ کے لوگوں نے اور ان سے بالاتر طبقہ نے بھی جس کو انعام دینا ضروری
ہے اپنی عزت نفس کو بالکل کھو دیا ہے۔ اور ہر وقت جناب عالی (یعنے سر)
کہتے ہوئے کچھ نہ کچھ خدمت بلا وجہ انجام دے کر انعام لینا چاہتے ہیں۔ مجھے
اندیشہ ہے کہ اس بارے میں حکومت یا خود پبلک اس کو بند کرنے کی جانب جلد
رجوع نہ ہو تو قدم قدم پر یہ بھیک دینے کا طریقہ شدت پکڑے گا۔ اور

یہاں کے لوگ اپنی قومی عادتوں کو بگاڑیں گے۔ میں نے اپنا یہ خیال دوران گفتگو میں ایک انگریز سے ظاہر کیا ان کو میری اس رائے سے بالکل اتفاق تھا۔

شام کے (۸) بجے مولوی میر لائق علی صاحب، نواب میر نواز جنگ بہادر اور خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب کے ساتھ شفیع انڈیا رسٹورنٹ گیا۔ یہاں دیسی مذاق کا کھانا تیار ہوتا ہے اس ہوٹل کو پہلے شفیع نامی ایک پنجابی صاحب نے قائم کیا تھا۔ جنکے انتقال کے بعد انکی بیوی سے لعل صاحب نامی ایک پنجابی نے عقد کرلیا۔ اس ہوٹل کو اب وہ چلا رہے ہیں۔ یہ ہوٹل ہندوستانیوں اور ایسے انگریزوں میں بہت مقبول ہے جو ہندوستان میں رہ کر آئے ہیں جس وقت ہم وہاں پہنچے ہوٹل کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور بہت سارے لوگ یا تو واپس ہو رہے تھے یا انتظار میں کھڑے تھے ہوٹل کے مالک نے ہمارے لیئے جگہ نکال دی۔

یکشنبہ ۱۶۔جون

صبح دس بجے نواب میر نواز جنگ بہادر کے ساتھ شہر لندن کے بعض مقامات دیکھنے گیا۔ لندن اسکول آف اکنامکس۔ ہائی کمشنر آف انڈیا کا آفس۔ ٹرفلگر اسکوئر۔ چیرنگ کراس اور ہائیڈ پارک کو دیکھا ہائیڈ پارک میں دو تین مقررین اپنے اپنے مسلک کے مطابق تقریریں کر رہے تھے یہاں ہر شخص کو تقریر کرنے کی آزادی ہے اور بالعموم ہائیڈ پارک میں اس قسم کی تقریریں ہوتی ہیں مجمع میں سے بعض سوالات بھی کرتے ہیں اور مقرر ان کا جواب دیتا ہے۔ جو تقریر میں نے سنی اس میں مقرر حکومت کو الزام دے رہا تھا کہ وہ سلطنت برطانیہ کے مقبوضات کو فروخت کر رہی ہے مثالاً مصر اور ہندوستان کو بیان کیا گیا۔ تقریریں سن کر ہم ہائیڈ پارک میں سے گزر رہے تھے کہ دو انگریز لڑکے جن کی عمریں ۱۲، ۱۴ سال کی ہوں گی میرے پاس آئے اور اپنے

نوٹ بک پیش کر کے دستخط کرنے کی خواہش کی۔ میں نے کہا کہ ان کی خواہش کی تکمیل کرنے سے پہلے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا میری مصری ٹوپی نے ان کو میری طرف متوجہ کیا انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ میرا دوسرا سوال یہ تھا کہ آیا وہ واقف ہیں کہ مسلمان کسے کہتے ہیں اس کا جواب انھوں نے نفی میں دیا میں نے انھیں سمجھایا کہ جس طرح حضرت کرائسٹ کے پیرووں کو کرسچین کہتے ہیں اسی طرح حضرت محمد صلعم کے پیروں کو محمڈن یا مسلم کہتے ہیں۔ مسلمان اکثر اس قسم کی مصری یا ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ میں نے جیب سے بدری سگریٹ کیس نکال کر دکھلایا اور کہا کہ یہ خاص صنعت حیدرآباد دکن کی ہے جو ہندوستان میں حضور نظام کا علاقہ ہے۔ اسے دیکھ کر لڑکے بہت محظوظ ہوئے۔ اوس کے بعد میں نے ان کے نوٹ بک میں دستخط کر دیئے۔ اس ضمن میں یہ چیز لایق ذکر ہے کہ کراچی سے لے کر لندن پہنچنے تک مصری ٹوپی کی وجہ سے میں جہاں کہیں گیا خواہ وہ بازار ہو یا ہوٹل لوگوں کو اپنی طرف بطور خاص متوجہ پایا۔

شام کے ۵ ۱/۲ بجے کرنل سلاٹر ملنے آئے ان کے ساتھ سیوائے ہوٹل میں چائے پی کر لندن کے بعض مقامات دیکھنے گیا۔ پارلیمنٹ کے مکانات اور بگ بن کا گھڑیال گھر دیکھتے ہوئے کرنل سلاٹر کی خواہش پر ان کے مکان پر گیا جہاں مجھے مسز سلاٹر نے رات کے کھانے پر روک لیا۔ پارلیمان کے مکانات کی عمارتیں قدیم طرز کی اور بہت خوشنما وضع ہیں۔ بگ بن کا گھنٹہ گھر ان عمارات سے ملا ہوا ہے۔ کسی روز اندر جا کر مباحث سننے کا ارادہ ہے، اس کیلئے اجازت نامہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

دو شنبہ ۱۷ جون ۱۹۴۶ء | صبح گیارہ بجے تک کمرہ میں کام کرتا رہا ایک بجے مولوی میر لایق علی صاحب اور نواب میر نواز جنگ بہادر کے ساتھ سیوائے ہوٹل میں

لنچ کھایا جس کے بعد ہم سب ڈارچیسٹر ہوٹل گئے تا کہ مسٹر بکلس کے ساتھ جو مولوی لایق علی صاحب کی کمپنی کے انجینئر ہیں راشننگ آفس جا کر شناختی کارڈ یعنے آئڈنٹٹی کارڈ اور راشننگ کارڈ حاصل کروں کیوں کہ لندن میں صرف (۵) یوم تک راشننگ کارڈ کے بغیر ہوٹل میں کھانا دیا جاتا ہے۔ جس کے بعد بلا راشننگ کارڈ کے کہیں کھانا نہیں ملتا۔ مسٹر بکلس نہ مل سکے۔ اس لیئے خان بہادر عبد الکریم بابو خاں صاحب کے ساتھ دفتر ندکور کو گیا۔ وہاں تقریباً دو سو اشخاص پہلے سے سلسلہ باندھے ہوئے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ میں بھی جیسا کہ لندن میں طریقہ ہے، اس سلسلہ کے آخر میں شریک ہونا چاہتا تھا کہ وہاں کے ایک انگریز افسر نے یہ دریافت کر کے کہ آیا میں پہلی دفعہ لندن آیا ہوں مجھے قطاروں سے نکال کر اندر لے گیا اور ایک کرسی پر پہلی صف میں بٹھا دیا۔ بیس منٹ کے اندر وہاں کی لیڈی کلرک نے میرا شناختی اور راشننگ کارڈ مرتب کر کے مجھے دیدیا۔ خان بہادر شیخ عبد الکریم بابو خاں صاحب متعجب تھے کہ جہاں ان کو اور نواب میر نواز جنگ بہادر اور سیٹھ یوسف ہارون صاحب کراچی والے کو سوا دو گھنٹہ کارڈ حاصل کرنے میں لگ گئے تھے، اور وہ بھی مسٹر بکلس کی ہمراہی کے باوجود، وہاں میرا کام اس قدر جلد کیوں کر ہو گیا اور لیڈی کلرک مجھ سے نہایت خندہ پیشانی سے کیوں پیش آئی حالانکہ وہ میرے عہدہ وغیرہ سے واقف نہ تھی۔ میں نے اُن سے

کہا کہ اگر ہم اپنے قومی لباس اور اسلامی طرز کو اختیار کریں تو لوگ اس کی وقعت کرتے ہیں شاید میری داڑھی اور مصری ٹوپی اس بہتر برتاؤ کا باعث ہوئی ہو۔ اس کے بعد ہم ہائڈ پارک میں سے ہوتے ہوئے ڈارچیسٹر ہوٹل آئے جہاں خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب، مولوی میر لایق علی صاحب اور نواب میر نواز جنگ بہادر ٹھیرے ہوئے ہیں۔ ہائڈ پارک کے متعلق جو افسانے سنے تھے آج اس کی جھلک خود آنکھوں سے دیکھی۔ شام کے چھ (۶) بجے دو مقامات پر مرد اور عورت ہریالی پر بے تکلفی سے پڑے ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ مغربی تہذیب میں یہ معیوب نہ سمجھا جائے۔ مگر اب جب کہ لندن ایک بین الاقوامی شہر ہو گیا ہے اس کی روک تھام مناسب ہو گی۔ شام میں ہم نے ٹیمس ندی میں کشتی کے ذریعہ سیر کی اور پرویز ہوٹل میں شب کا کھانا کھایا جو لندن میں سب سے اچھا فرنچ ہوٹل سمجھا جاتا ہے۔ یہاں کے کھانوں کی تعریف بہت سنی تھی مگر اس روز کا کھانا مجھے پسند نہیں آیا۔

ہائڈ پارک میں دو مسلمانوں سے ملاقات ہوئی ایک عباس علی خاں صاحب جو لندن کی مسلم لیگ کے صدر ہیں دوسرے قادیانی مشن کے ایک مبلغ جو یہاں تبلیغ کا کام کرتے ہیں اور اب ہالینڈ میں اسی کام کے لیئے جانیوالے ہیں۔

آج لندن کے شہر میں پہلی دفعہ ایک شخص کو بھیک مانگتے دیکھا۔ یہ شخص پیدل راستہ پر ایک گوشہ میں کھڑا منہہ کا راگ باجا بجا رہا تھا۔

پچھلے تین دنوں میں لندن کو جس حد تک دیکھنے کا موقع ملا اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ شہر ٹیمس ندی کے دونوں کناروں پر بسایا گیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ جہاں جہاں پہاڑ یا اونچی زمین تھی اس پر مکانات اور سڑکیں بنائی گئیں ہیں۔ کیوں کہ اکثر سڑکوں کے بازو ڈھلوان راستے ہیں کسی خاص پلان پر شہر کی داغ بیل نہیں ڈالی گئی ہے بلکہ بتدریج جیسے جیسے شہر بڑھتا گیا عمارتیں اور سڑکیں بنتی گئی ہیں۔ عمارات پتھر کی یا اینٹ سیمنٹ کی ہیں اور بہت مضبوط ہیں۔ اکثر عمارتیں دو سے لے کر چار اور پانچ منزل کی ہیں۔ ان عمارتوں کو باہر سے آہک پاشی یا رنگ سازی نہیں کی جاتی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں کا موسم ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عمارت کسی قابل لحاظ مدت کے لیئے سفید نہیں رہ سکتی۔ کیوں کہ ہمیشہ بارش ہوتی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کھانا پکانے اور کمروں کو گرم رکھنے کے لیئے چولہے اور گیاس کا استعمال بکثرت ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ ہر مکان سے دھواں نکل کر عمارات کی دیواروں کو سیاہ کرتا رہتا ہے۔ اکثر عمارتوں پر مجسمے بنے ہوئے ہیں اور راستوں پر بھی جا بجا مجسمے نصب ہیں۔ ہر سڑک کے دونوں جانب چوڑے پیدل راستے بنے ہوئے ہیں۔ موٹر گاڑیوں اور سواریوں کی رہبری کے لیئے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر اور سڑکوں کی موڑ پر بجلی کی روشنی کے کھم نصب ہیں۔ جب زرد یا سبز روشنی ان کھمبوں پر نمودار ہوتی ہے تو سواریاں آگے جاتی ہیں اور جس وقت سُرخ روشنی رونما ہوتی ہے۔ تو انہیں رُک جانا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے کوئی حادثہ پیش نہیں آتا۔ موٹر کاریں موٹر بس اور ٹرام ہر وقت ہر سڑک پر مسلسل دوڑتی رہتی ہیں۔ اور بڑی تیز رفتاری سے چلائی جاتی ہیں۔ چونکہ وقفہ وقفہ سے سُرخ روشنی کے نمودار ہونے پر رکنا پڑتا ہے۔ اس لیئے ہر موٹر ران چاہتا ہے کہ

سبز روشنی کے نمودار ہوتے ہی تیزی کے ساتھ نکل جائے تاکہ اس کو دوسرے مرحلہ پر سرخ روشنی آنے سے پہلے آگے نکل جانے کا موقع مل جائے۔
پیدل چلنے والوں کی حفاظت کے لیئے سڑک کی سطح پر جا بجا لوہے کے حروف میں ہدایات پیوست ہیں کہ راہ رو کو سڑک پار کرنے سے پہلے کس طرف پہلے دیکھ لینا چاہیئے۔ سڑکوں کے وسط میں چبوترے بنے ہوئے ہیں تاکہ سڑک کو دو اوقات میں عبور کیا جا سکے۔ جہاں سڑکوں پر بہت زیادہ عبور و مرور رہتا ہے وہاں ایک طرف سے دوسرے طرف جانے کے لیئے زمین دوز راستے بنائے گئے ہیں۔ جس میں مردوں اور عورتوں کے لیئے علٰحدہ علٰحدہ طہارت خانے موجود ہیں جو بہت صاف اور ستھرے ہیں۔ لندن میں ایک غیر معمولی سہولت یہ ہے کہ شہر لندن کے نیچے زمین دوز ریلیں بنائی گئی ہیں جس کو انگریزی میں ٹیوب ریلوے کہتے ہیں۔ ایسی ریلوں تک پہنچنے کے لیئے بعض جگہ بجلی کی متحرک سیڑھیاں ہیں جن کو انگریزی میں اسکا لیٹر کہتے ہیں ان سیڑھیوں پر لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ خود بخود نیچے یا اوپر جانے لگتی ہیں بجلی کے آلوں کے ذریعہ ٹکٹ کا انتظام ہے۔ ان آلوں میں پیسے ڈال دیں تو مطلوبہ مقام کا ٹکٹ اور بقیہ چلر خود بہ خود اوپر آجاتا ہے۔ کسی اسٹیشن پر اتر جانے کے بعد مسافر اوپر آتے ہیں تو وہاں ٹکٹوں کی تنقیح کے لیئے آدمی مقرر ہیں تاکہ بلا ٹکٹ کوئی شخص سفر نہ کر سکے۔
یہ ریلیں بجلی کی قوت سے چلتی ہیں۔ ہر اسٹیشن پر مقررہ وقت کے لیئے رُک جاتی ہیں۔ کمروں کا دروازہ خود بخود کھل جاتا ہے اور خود بہ خود بند بھی ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس ریل کو چلانے کے اخراجات میں بہت

کفایت کی گئی ہے۔

شہر کے مختلف حصوں میں کارنر کے نام سے کھانے کے مقامات ہیں ان میں کئی سو اشخاص وقت واحد میں کھانا کھاتے ہیں۔ اور کئی سو اشخاص جگہ خالی ہونے کے انتظار میں کھڑے بھی رہتے ہیں۔ قطار بندی کا طریقہ ہوٹلوں بس اسٹیشن، سینماؤں اور دکانوں پر رائج ہے۔ قطار بندی آنے کے وقت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اس میں کسی کو رتبہ یا رنگ کی بناء پر ترجیح نہیں ہے۔

یہاں کی بعض دکانیں مثلاً سلفرج اور وولورتھ اس قدر وسیع ہیں کہ ان کے جملہ شعبوں کو پھر کر دیکھنے کے لیئے کئی کئی گھنٹے درکار ہوتے ہیں ان میں کھانے کے رسٹوران بھی موجود ہیں۔

ویسٹ اینڈ میں میں نے اس وقت تک پیدل راستے پر نہ کسی پھیری والے کو بیٹھے دیکھا اور نہ کسی دکان کا کوئی سامان پیدل راستے پر رکھا ہوا پایا۔ اس کی وجہ سے پیدل چلنے والوں کو بڑا آرام ہے۔ کوئی شخص پیدل راستہ چھوڑ کر بڑی سڑک پر نہیں چلتا۔ موٹر کار چلانے والے سڑک کے جس حصے کو ایک دفعہ اختیار کر لیتے ہیں آخر تک اسی سیدھ میں موٹر چلاتے ہیں۔ اس سے ہٹ کر سیدھے بائیں جانب نہیں جاتے اسی طرح سڑک کے بقیہ حصہ کو دوسرے موٹر ران استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سمت میں سیکڑوں سواریاں تیز رفتاری کے ساتھ دوڑنے کے باوجود کوئی حادثات پیش نہیں آتے۔ اور نہ راستوں پر انتظام کے لیئے پولس کے رہنے کی ضرورت ہے۔ یہاں کے لوگوں میں راستہ کا احساس جسے انگریزی میں "روڈ سنس"

کہتے ہیں بہت زیادہ ہے۔

سہ شنبہ ۱۸۔جولائی ۱۹۳۹ء

صبح سے (۱۱) بجے تک کرہ میں کام کرتا رہا اور اس ٹیلیفون کا انتظار کرتا رہا جو میں نے بمبئی سے نواب زین یار جنگ بہادر سے گفتگو کرنے کے لیئے مانگا تھا۔ ٹیلیفون والوں نے کہا تھا کہ گیارہ بجے تک ٹیلیفون ملایا جاسکیگا۔ ۱۱½ بجے معلوم ہوا کہ ٹیلیفون کے ملانے میں دشواری ہے اور وہ آج ممکن نہیں ہے۔ (۱۲) بجے نواب میر نواز جنگ بہادر نے مسٹر ایلین نتھنب مینجنگ ڈائرکٹر حیدرآباد اسٹیٹ بنک سے سیوائے ہوٹل میں ملاقات کا وقت مقرر کیا تھا۔ ٹھیک (۱۲) بجے وہ آئے ان سے گفتگو کرنے کے بعد سیوائے ہوٹل میں نواب میر نواز جنگ بہادر اور مولوی میر لایق علی صاحب کے ساتھ کھانا کھایا۔ اس کے بعد ہم سب ہائی کمشنر فار انڈیا سے ملنے گئے جن سے دفتر میں ملاقات کا وقت مقرر تھا۔ انھوں نے صنعتی وفد کو یہاں متعارف کرانے اور ہر قسم کی سہولت مہیا کرنے کا وعدہ کیا۔ یہاں سے نواب میر نواز جنگ بہادر کے ساتھ سلفرج کمپنی کی دکان پر گیا۔ جو آکسفورڈ اسٹریٹ میں واقع ہے۔ یہ اسٹور یہاں کا وسیع ترین اسٹور ہے جس کی کئی منزلیں ہیں ہر منزل میں متعدد شعبے ہیں۔ کئی لفٹ گاہکوں کو ایک منزل سے دوسری منزل پر لے جانے کے لیئے مسلسل چلتے رہتے ہیں۔ روزمرہ ضرورت کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو یہاں نہ ملتی ہو۔ اس کے کل شعبوں کو دیکھنے کے لیئے کئی گھنٹے درکار ہوتے ہیں۔ میں نے چند شعبے دیکھے۔ ان بڑی دکانوں کے اندر رسٹورنٹ بھی ہیں جس میں لوگ کھانا کھاتے ہیں۔

اور اگر چلنے سے تھک جائیں تو ستا بھی لیتے ہیں۔

آج دوپہر میں سیوائے ہوٹل میں سر خضر حیات خاں صاحب وزیراعظم پنجاب سے ملاقات ہوئی جو اسی وقت ریل سے آئے تھے۔

شب میں نواب علی یاور جنگ بہادر کا حیدرآباد سے بھیجا ہوا تار برقی ملا۔ جو ہائی کمشنر فار انڈیا کے توسط سے روانہ کیا گیا تھا۔ نواب علی یاور جنگ بہادر نے خیریت سے لندن پہنچنے کی اطلاع چاہی تھی۔ جس وقت میں بمبئی سے روانہ ہو رہا تھا نواب علی یاور جنگ بہادر نظام پیالس میں مقیم تھے۔ اور میں وہیں ان سے رخصت ہوا تھا۔ چونکہ تنہا طویل سفر پر نکلا تھا اس لیئے انھوں نے ازراہ کرم میرے خیریت سے پہنچنے کی نسبت ذریعہ تار برقی دریافت فرمایا۔ اس کا جواب میں نے اسی وقت بذریعہ تار برقی روانہ کر دیا۔

رات میں سر فرانک براؤن انرری سکریٹری ایسٹ انڈیا اسوسیشن کا خط ملا۔ جس میں انھوں نے ہندوستان کی کرکٹ ٹیم کے رسپشن کی دعوت کل ۱۹۔ جون کے لیئے بھیجی ہے۔ اور ساتھ ہی ایک اور دعوت رائٹ آنریبل ایل ایس امیری کی تقریر سے متعلق بھی بھیجی ہے جو اس اسوسی ایشن میں ۲۴۔ جون کو زیر صدارت میجر جنرل رائٹ آنریبل سر فریڈرک سائکس ہونے والی ہے۔ میرا ارادہ ان تقاریب میں جانے کا ہے۔

چہارشنبہ ۱۹۔ جون سنہ ۱۹۴۶ء

صبح دس بجے تک کمرہ میں کام کرتا رہا اس کے بعد (۱۱) بجے دو لورتھ اسٹور دیکھنے گیا۔ لندن میں دو لورتھ کمپنی کے اسٹور جا بجا ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر قسم کا کم قیمت کا سامان فروخت

کرتے ہیں پہلے ہر چیز چھ پنس میں یہاں ملتی تھی اب اس میں ایک پنس سے لے کر پانچ سات شلنگ تک قیمت کی چیزیں دستیاب ہو جاتی ہیں۔

آج کا موسم غیر معمولی طور پر خراب ہے مسلسل بارش ہو رہی ہے۔ جس تاریخ سے (۱۵۔جون) میں لندن آیا ہوں لوگوں سے یہی سن رہا ہوں کہ اس سال موسم گرما اعتدال پر نہیں ہے۔ بے موسم بارش ہو رہی ہے۔ اور دھوپ کم نکل رہی ہے۔ روزانہ کچھ عرصہ کے لیئے دھوپ نکل آتی ہے مگر یکا یک بادل جمع ہو کر بارش بھی ہونے لگتی ہے۔ انگلستان کے موسم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کبھی اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس ملک میں چار موسم ہوتے ہیں وسط فبروری سے اپریل تک موسم بہار رہتا ہے۔ مئی سے لے کر ستمبر تک موسم گرما۔ اکٹوبر خزاں کا زمانہ ہے نومبر سے وسط فبروری تک موسم سرما رہتا ہے۔ گرم ممالک کے رہنے والوں کے لیئے یہاں کے موسم گرما کا زمانہ بہت موزوں ہے کیوں کہ یہ یہاں کے جاڑوں کی تاب نہیں لا سکتے۔ اس موسم میں سخت برف باری ہوتی ہے۔ اور ہر طرف برف جم جاتی ہے۔ موسم بہار اور خزاں میں بھی کافی سردی پڑتی ہے یوں تو سال بھر یہاں بارش ہوتی رہتی ہے۔ مجھ سے ایک انگریز نے موسم کی شکایت کرتے ہوئے دریافت کیا' میں اس کو کیسا پاتا ہوں جواب میں میں نے کہا کہ میں پہلی دفعہ آیا ہوں اس لیئے میرے لیئے کوئی وجہ شکایت نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ پچھلے سالوں کے اچھے موسم سے میں نے استفادہ نہیں کیا ہے۔ یہ جواب سن کر وہ بہت محظوظ ہوئے۔

شام کے ساڑھے چار بجے ایسٹ انڈیا اسوسی ایشن کی اس تقریب

میں شریک ہوا جو ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے اعزاز میں کی گئی تھی ۔ رائٹ آنریبل سر فریڈرک سائیکس سابق گورنر بمبئی سے مہمانوں کا تعارف رسمی طریقہ پر کرایا گیا جس کے بعد انہوں نے خیر مقدمی تقریر کی جس کا جواب ہز ہائی نس نواب صاحب پٹاودی نے جو ٹیم کے کپتان ہیں دیا ۔ اس موقع پر ہز ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال اور لیڈی ولنگڈن بھی موجود تھے ۔ یہاں سر ولیم بارٹن اور سر کلاڈ گڈنی سابق ریذیڈنٹ صاحبان حیدرآباد سر تھیوڈ ورٹاسکر ، سر فرانک براؤن چودھری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب اور سر خضر حیات خاں صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ شام میں چاء خوری کے بعد مہمان واپس ہوئے ۔ واپسی پر سر فرانک براؤن کے ساتھ زمین دوز ریل میں سفر ہوا ، ٹمپل نامی اسٹیشن پر میں اتر گیا اور وہاں سے واٹرلو برج پر سے ہوتے ہوئے سیوائے ہوٹل واپس آیا ۔ واٹرلو برج نہایت وسیع ہے ، جو تھیمس ندی پر بنایا گیا ہے ۔ اس پل پر سے شہر کا اچھا نظارہ دکھائی دیتا ہے ۔

تھیمس ندی شہر لندن کے وسط میں سے گزرتی ہے جس پر عبور و مرور کے لیئے متعدد پل تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے بنائے گئے ہیں ۔ اس کا پانی نہایت میلا رہتا ہے ۔ سیر کرنے کی کشتیاں اور مال لانے کے چھوٹے اور بڑے اسٹیمر اس میں چلتے رہتے ہیں دونوں بازو کئی کمپنیوں کے گھاٹ جسے انگریزی میں وہارف کہتے ہیں بنے ہوئے ہیں ۔ جہاں بڑے بڑے کرینوں کے ذریعہ سامان بستی کی طرف سے کشتیوں اور اسٹیمر میں لادا جاتا ہے ایک کشتی میں شہر کا کچرا لدا ہوا دیکھا گیا غالباً کچرے کو کشتی کے ذریعہ کہیں دور

بسا دیا جاتا ہے۔ ٹیمس ندی کے غرب میں لندن شہر کا جو حصہ ہے اسکو ویسٹ اینڈ اور شرق کی جانب کے حصہ کو ایسٹ اینڈ کہتے ہیں۔ اول الذکر حصہ میں امیر طبقہ کے لوگ رہتے ہیں۔ بڑی بڑی شاندار عمارتیں اور دکانیں اس میں واقع ہیں۔ آخر الذکر حصہ میں غریب طبقہ کے لوگ رہتے ہیں۔ ابھی میں نے اس حصہ کو نہیں دیکھا۔

ایسٹ انڈیا اسوسی ایشن کی جانب سے ہندوستانی کرکٹ ٹیم کو ریسپشن یعنے خیر مقدمی دعوت دیئے جانے کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے اس ضمن میں یہ امر ذکر طلب ہے کہ یہ تقریب امپائر انسٹیٹوٹ میں کی گئی تھی۔ اس انسٹیٹوٹ میں سلطنت برطانیہ کے جملہ مقبوضات کے لیئے ایک ایک حصہ مختص ہے جس میں ہر ملک کے خصوصی امور مثلاً وہاں کی صنعتوں اور دیگر ترقیات کو دکھلایا گیا ہے۔ بعض ممالک کے حالات مثلاً کسی ملک میں بکروں کو پال کر ان کا اُون کس طرح استعمال کیا جاتا ہے یا یہ کہ چائے کے پودوں سے چائے کی پتی کس طرح نکالی جاتی ہے وغیرہ پلاسٹر میں اس خوبی سے دکھلائے گئے ہیں کہ خواہ مخواہ دیکھنے والے کا دل اس طرف کھچتا ہے۔ حیدرآباد کے لیئے جو حصہ مختص ہے اس میں اس طرح کسی چیز کو نہیں دکھلایا گیا ہے۔ بلکہ چند تصویریں ایلوراء اور اجنٹہ کے غاروں اور چار مینار کی اور ایک آدہ بازار کی آویزاں ہیں۔ اور نگ آباد کے ہمرو۔ ورنگل کے قالین اور تیلیا رومال کے نمونے بھی رکھے ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں حیدرآباد کے حصہ میں نظام ساگر پراجکٹ اور دوسرے مشہور کاموں کو اسی طرح دل آویز طریقہ پر پلاسٹر میں

دکھلانا چاہیئے۔ جیسا کہ دوسرے ممالک نے کیا ہے ہمارے صنعتی وفد کی دوسری کارروائیوں کے ساتھ اس کو بھی آگے بڑھانے کی میں کارروائی کروں گا۔

اس تقریب میں چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے مجھ سے مولوی جلال الدین صاحب شمس کو ملایا جو قادیانی مسجد لندن کے امام ہیں چودھری صاحب نے کہا کہ یہ مشن اپنے مقدور بھر تبلیغ کا کام یورپ میں کر رہا ہے مگر تا وقتیکہ عام مسلمان اس کی مالی امداد نہ کریں کوئی نمایاں کامیابی ممکن نہیں ہے۔ نیز یہ کہ پائی پائی کا حساب موجود ہے اور ایک روپیہ سے دس روپیہ کی قیمت کا کام انجام دیا جا رہا ہے۔ اگر مسلمانوں کو قادیانیوں کے بعض مسائل سے اختلاف ہے تو اس کا انتظام ہو سکتا ہے کہ جو تبلیغ یہ مشن کرے گا اس میں سے ایسے امور کو تبلیغ سے خارج کر دے گا جن کی نسبت مسلمانوں کو کوئی بنیادی اختلاف ہے۔ چودھری صاحب نے مجھے آئندہ یکشنبہ کو مشن کے مستقر پر آنے کی دعوت دی جو بمقام ملینی (جو لندن سے (۱۰) میل پر واقع ہے) قایم کیا گیا ہے۔ میں نے اس دعوت کو قبول کیا اور کہا کہ تبلیغ کا جو کام ان کا مشن کر رہا ہے اس سے مجھے ہمدردی ہے۔

اسی تقریب میں سر ولیم بارٹن سابق رزیڈنٹ نے بالاصرار مجھ سے کل دوپہر کا لنچ ان کے ساتھ ایسٹ انڈیا اسپورٹ کلب میں کھانے کا وعدہ لیا جو سنٹ جیمس اسکوائر میں واقع ہے۔ سر تھوڈور ٹاسکر نے بھی وعدہ لیا کہ دوران قیام میں ان کے مضافاتی مکان میں آکر کسی وقت کا کھانا کھاؤں میں نے

ان سے بھی وعدہ کر لیا۔

پنجشنبہ ۲۰۔جون ۱۹۴۶ء (۱۱) بجے تک کمرہ میں کام کرتا رہا۔ نواب میر نواز جنگ بہادر بعض کاغذات دستخط کے لیئے لائے ان پر دستخط کر دیئے

(۱۱) بجے فلیٹ اسٹریٹ گیا جو اخبارات کی اشاعت کا مرکز ہے۔ یہاں ایک پانچ منزل مکان دیکھنے میں آیا جو نیچے سے لے کر اوپر تک سیاہ آئینہ کا ہے نہ صرف اس کے دروازے کھڑکیاں آئینہ کی ہیں بلکہ سامنے کا پورا حصہ اسی آئینہ کا ہے غالباً لوہے کے چوکھٹوں میں آئینہ کو نصب کر کے دیوار سے چسپاں کیا گیا ہے۔

فلیٹ اسٹریٹ سے ذرا آگے بڑھ کر گیا تو سینٹ پال کتھیڈرل کی عمارت سامنے نظر آئی جس کی سیڑھیوں پر بیانڈ بجایا جا رہا تھا۔ سیکڑوں اشخاص سننے کے لیئے جمع تھے۔ میں بھی کچھ دیر ٹھیرا رہا چونکہ کوئی علامت اس کو بم سے ضرر پہنچنے کی نظر نہیں آئی اس لیئے لوگوں سے دریافت کیا تو کہا گیا کہ پیچھے کی جانب کچھ حصہ کو صدمہ پہنچا ہے۔ یہ گرجا بہت بڑا اور شاندار ہے جس کی تعمیر (۳۰۰) سال پہلے ہوئی تھی۔ انگریزوں کے پاس اس عمارت کی بڑی قدر ہے۔ میں نے اس کے اطراف چکر لگا کر بہت غور سے دیکھا کہ کہاں کہاں اس کو صدمہ پہنچا ہے۔ سامنے کی طرف دو اونچے مینار ہیں جن میں سے ایک پر گھنٹہ گھر ہے ان سے پیچھے ایک نہایت بڑا اور بلند گنبد ہے جس پر صلیب ہے جو غالباً سونے کا ہوگا۔ کیوں کہ وہ بہت چمک رہا تھا۔ یہ عمارت صدیوں کے موسم کے اثرات کی وجہ سے کالی پڑ گئی ہے

مگر بہت مضبوط ہے۔ سامنے اور دونوں بازوؤں میں کسی قسم کے صدمے کے نشان نہیں ہیں البتہ کھڑکیوں کے آئینے شاید دھماکہ سے ضائع ہوئے ہیں کیوں کہ ان پر کپڑا لگا ہوا معلوم ہوا۔ پیچھے کی طرف جاکر دیکھا تو صرف اتنا نظر آیا کہ بم کے کچھ ٹکڑے لگنے سے جا بجا پتھر کی دیوار کے چھلکے نکل گئے ہیں جو زیر مرمت ہیں کچھ مزدور اس وقت بھی کام کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ غنیم نے اس عمارت کو ضرر پہنچانے کی پوری کوشش کی مگر نشانہ ٹھیک نہ بیٹھ سکا۔ کیوں کہ اس کے اطراف کی عمارتیں تقریباً ایک ایک دو دو فرلانگ تک بم کی زد میں آکر تباہ ہو گئی ہیں۔

دن کے ایک بجے سینٹ جیمس اسکوئر میں ایسٹ انڈیا اسپورٹ کلب پہنچا۔ جہاں سر ولیم بارٹن میرا انتظار کر رہے تھے وہاں سر کلاڈ گڈ نی سابق رزیڈنٹ بھی ملے۔ جو کھانے کیلئے جا رہے تھے۔

میں نے سر ولیم بارٹن اور ان کے بھائی کے ساتھ کھانا کھایا جو پہلے فوج میں ملازم تھے اور ایک عرصہ تک کشمیر میں بھی رہ چکے ہیں۔

(۳) بجے سر ولیم بارٹن سے رخصت ہو کر واپس ہوا۔ راستہ میں نیشنل پورٹریٹ گیالری یعنے تصاویر وں کی قومی نمائش گاہ ملی جسے تفصیل سے دیکھا۔ یہاں انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کے نامور اشخاص کی تصویریں آویزاں ہیں جن کو بہت مشہور مصوروں نے کھینچا ہے۔ بادشاہوں شاہی خاندان کے ارکان، مشہور وزراء اور بڑے بڑے صاحب کمال لوگوں کی تصویریں اور مجسمے بھی ہیں۔ ڈارون اور کپلنگ کی تصویریں بھی دیکھنے میں آئیں۔

واپسی پر شام کی چائے کا وقت ہو گیا تھا۔ اس لیئے سیلفرز رسٹورا ن جو اسٹرانڈ اسٹریٹ میں واقع ہے گیا اس وقت ساری جگہ ماموُر تھی ایک میز پر کرسی خالی دیکھ کر بیٹھ گیا میرے سامنے ایک نوجوان انگریز چائے پیتے بیٹھا تھا اس کی آنکھوں میں ہنسی بھری ہوئی تھی دوسرے تمام لوگوں کی نظریں بھی میری طرف تھیں کیوں کہ میں مصری ٹوپی میں تھا۔ میں نے اس انگریز سے پوچھا کہ آیا میری ٹوپی کی وجہ سے ان کو دلچسپی پیدا ہوئی ہے" انھوں نے کہا یہ صحیح ہے پھر میں نے پوچھا کہ آپ مجھے کس قوم کا خیال کرتے ہیں۔ کہا کہ وہ مجھے مصری اس لیئے خیال نہیں کرتے کہ میرا رنگ زیادہ سفید نہیں ہے غالباً میں ہندوستانی ہوں۔ پھر انھوں نے کہا کہ میں نے بڑی ہمت سے کام لیا کہ لندن آکر اسی ٹوپی میں پھر رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ جو قوم اپنے لباس کو دوسروں کے آگے اس خیال سے نہ پہنے کہ لوگ اس کا مضحکہ اڑائیں گے وہ کس طرح زندہ رہ سکتی ہے۔ اب جب کہ دنیا کے مختلف اقوام آپس میں یگانگت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو ایک دوسرے کے احساسات کا احترام کرنا چاہیئے۔ ان صاحب نے دوران گفتگو میں کہا کہ وہ مجھے تعجب میں ڈالنا چاہتے ہیں اور فوراً قراءت کے ساتھ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا۔ میں محو حیرت ہو گیا اور پوچھا آیا وہ کسی اسلامی ملک میں رہے ہیں معلوم ہوا کہ ان کا نام کلیمنٹ لنٹ ہے ان کے والد رچرڈ لنٹ مصر میں بریگیڈر جنرل تھے ان کی تعلیم مصر میں ہوئی ہے اس لیئے وہ عربی بھی بول سکتے ہیں۔

آج صبح سے آفتاب نکلا ہوا ہے۔ اور ہر شخص خوش معلوم ہوتا ہے۔

موسم کے ضمن میں ایک چیز وضاحت طلب ہے وہ یہ کہ موسم گرما میں (جون سے لے کر اگسٹ تک) آفتاب شب کے ساڑھے نو (۹½) بجے غروب ہوتا ہے۔ اور صبح کے (۴) بجے طلوع ہو جاتا ہے یعنے رات صرف (۶½) گھنٹہ کی ہوتی ہے۔ لوگ عموماً (۷½) بجے سے (۹) بجے تک رات کا کھانا کھا لیتے ہیں جاڑوں کے موسم میں کہا جاتا ہے کہ آفتاب شام کے (۴½) بجے غروب ہو جاتا ہے اور صبح کے (۸) بجے طلوع ہوتا ہے یعنے رات تقریباً (۱۶) گھنٹوں کی ہو جاتی ہے جس روز میں یہاں پہنچا (۹½) بجے رات تک آفتاب کو دیکھ کر فکر میں پڑ گیا کہ مغرب کی نماز کب ہو گی اور فجر کی نماز کے لیئے کس طرح اُٹھنا ہو سکیگا۔ مولوی میر لایق علی صاحب اور خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب کی یہ رائے تھی کہ حیدرآباد کے وقت کے لحاظ سے شام کے (۷) بجے مغرب کی نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ اور فجر کی نماز صبح کے (۶) بجے البتہ چونکہ مکۂ معظمہ یہاں سے مشرق کی طرف ہے اس لیئے مشرق کی جانب رُخ کرنا چاہیئے چنانچہ دو روز تک میں نے یہی عمل کیا مگر بعد میں میں نے غور کیا کہ مغرب کی نماز غروب آفتاب پر پڑھنے اور فجر کی نماز طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنے کے احکام ہیں۔ گھڑیال کے لحاظ سے رات اور دن کی جو تقسیم کی گئی ہے اس سے احکام شرعی کسی طرح متاثر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ دو روز سے میں یہ کر رہا ہوں کہ مغرب کی نماز رات کے نو بجکر بیس منٹ پر جب کہ آفتاب حقیقتاً غروب ہوتا ہے پڑھتا ہوں اور صبح کی نماز اگر بیدار ہو جاؤں تو (۴) بجے ورنہ قضا پڑھ لیتا ہوں۔

آج مجھے فرصت ہے اس لیئے یہاں کے عام حالات پر تبصرہ کرتا ہوں۔

سنتا تھا کہ ہندوستانیوں کو حقارت سے دیکھا جاتا ہے اور بعض ہوٹلوں اور مقامات میں آنے نہیں دیا جاتا ہندوستان سے نکلنے کے بعد سے اس وقت تک میں مصری ٹوپی پہن رہا ہوں۔ اگرچہ کہ انگریزی ٹوپی بھی ساتھ ہے۔ سوائے اس کے کہ میں جہاں جاتا ہوں لوگ میری طرف دیکھنے لگتے ہیں اور آپس میں کچھ آہستہ گفتگو کرتے ہیں۔ کوئی اور بات میں نہیں پاتا اس کے برعکس جب میں کراچی کے ہوائی دفتر میں گیا تو وہاں کے انگریز افسر نے مجھے ہمیشہ سر یعنے جناب کہہ کر مخاطبت کی۔

جب میں کراچی سے ہوائی جہاز میں بیٹھا اور ترکی ٹوپی پہنا ہوا تھا تو میرے ایک بازو لمیک فرانسیسی تھا اور دوسرے بازو انگریز۔ جہاز کی ہدایات کے مطابق پرواز کرتے وقت اور پھر زمین پر اُترتے وقت ہر مسافر کو اس تسمہ سے کر باندلینا ہوتا ہے جو کرسی میں لگا ہوتا ہے۔ میں نے تسمہ باندھنے کی کوشش کی چونکہ اس کے طریقہ سے پورا واقف نہ تھا اس لئے کچھ کشمکش کر رہا تھا۔ یہ دیکھتے ہی ان دونوں نے تسمہ کو خود ڈھیلا کیا اور باندھا اور میری کرسی کو بھی ایک صاحب نے آرام دہ کرنے کے لیئے اپنے ہاتھ سے جمایا۔ ہوائی جہاز کے پورے سفر میں فوجی انگریزوں کے مس میں ٹھیرنے اور کھانے کا انتظام تھا وہاں بھی سب انگریز، چاہے چھوٹی حیثیت کے ہوں یا بڑی حیثیت کے دوستی اور خوش خلقی سے پیش آتے رہے۔ ۱۵۔ جون کو ہوائی اڈہ سے جس وقت ہم کو لندن کے وکٹوریہ اسٹیشن کی سڑک پر اتارا گیا اور میں وہاں اپنا بڑا سوٹ کیس اور ہینڈ بکس رکھ کر ٹکسی کے

انتظار میں کھڑا تھا تو ایک پولس افسر نے یہ دیکھ کر کے میرا ٹرنک عین راستہ میں ہے اور میں خود اس کو تنہا اٹھا نہیں سکتا اپنے ہاتھ سے بلا میری مدد کے گھسیٹ کر فٹ پاتھ پر رکھدیا اور مجھ سے کہا کہ جب تک میں اسٹیشن کے پیچھے جا کر اس قطار بندی میں کھڑا نہ ہو جاؤں جو لوگوں نے ٹکسی کار لینے کے لئے بنائی ہے مجھے کار نہ ملے گی میں اسی سوچ میں تھا کہ وہاں جاؤں یا نہ جاؤں کہ ایک راہ رو انگریز نے کچھ دیر کھڑے ہو کر سوٹ کیس پر میرے نام کو پڑھا اور پاس آکر کہا کہ "نام نہایت دلچسپ ہے کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں" میں نے کہا کہ ٹکسی کار کے ملنے میں دشواری معلوم ہو رہی ہے، یہ سن کر وہ پولس والے کو لائے اور کہا کہ میں نووارد ہوں مجھے کسی طرح ٹکسی کار دلادی جائے۔ پولس والے نے فوراً ایک ٹکسی کار کو روک کر اس میں میرا سامان رکھدیا اور میں سیوائے ہوٹل چلا آیا۔

میں نے ٹرام کار میں اور موٹر بس میں بھی ترکی ٹوپی کے ساتھ سفر کیا اور جہاں جگہ ملی بیٹھ گیا کسی انگریز مرد یا عورت نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ہوٹلوں، رسٹوران اور تماشا گاہوں میں جہاں کہیں میں گیا میرے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا گیا جیسا کہ کسی انگریز کے ساتھ کیا جاتا۔ ٹیوب ریلوے میں بھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا جب کہ بوجہ قلت بعض لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ مگر کسی نے مجھ سے تعرض نہیں کیا۔

یہاں کے ٹکسی چلانے والے بہت کم سخن اور بااخلاق ہیں۔ مقررہ کرایہ سے کچھ زیادہ دینے کا قاعدہ ہے کرایہ لے کر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

عبدالکریم بابو خاں صاحب ایک دفعہ میرے ساتھ تھے یہاں کے سکوں میں پورا امتیاز نہ کر سکنے کی وجہ سے انھوں نے اپنے جیب سے بہت سارے شلنگ اور پنس نکال کر ٹکسی ڈرائیور کے آگے پیش کئے کہ وہ اپنا کرایہ لے لے اس نے صرف اتنے ہی شلنگ اور پنس اٹھا لئے جو اس کو واجب الادا تھے کسی ہوٹل میں آپ جائیں یا کسی دکاندار یا راہ رو سے گفتگو کریں تو وہ اخلاق کے ساتھ پیش آے گا۔ انگریز قوم کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی یہاں رنگ کا امتیاز مجھے اس وقت تک کہیں نظر نہیں آیا۔

کہا جاتا ہے کہ لندن تقریباً (۳۰) میل لمبا اور (۱۵) میل چوڑا ہے جس میں بعض مضافات بھی شامل ہیں۔ اور جسے گریٹر لندن یعنے عظیم تر لندن کہتے ہیں اس گریٹر لندن کی آبادی آٹھ ملین یعنے (۸۰) لاکھ بتلائی جاتی ہے یہ بہت بڑا کاروباری شہر ہے جہاں جائیے صبح سے شام تک سیکڑوں موٹر کار ٹکسی گاڑیاں ٹرام اور موٹر بس آتے جاتے نظر آتے ہیں۔ ان کا مسلسل تانتا ہر سڑک پر بندھا رہتا ہے۔ اس کثرت سے لوگ پیدل راستوں پر اور دکانوں کے آگے چلتے رہتے ہیں کہ جگہ نکال کر ان میں سے گزرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص خواہ مرد ہو یا عورت بیکار مکان میں نہیں بیٹھے رہتے بلکہ ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف رہتا ہے۔ البتہ یکشنبہ کو جو چھٹی کا دن ہے سڑکیں تقریباً سنسان رہتی ہیں یہاں کے لوگ جہاں محنت کے عادی ہیں اور اپنا وقت ضایع نہیں کرتے وہاں ہر شخص یہ بھی کرتا ہے کہ شنبہ کی شام کو جب کہ دفاتر اور کاروبار بند

ہو جاتے ہیں، مکمل آرام لینے کی خاطر یا تو گھر ہی میں رہتا ہے یا شہر سے باہر تفریح کے لیئے چلا جاتا ہے۔ اور دوشنبہ کی صبح کو تر و تازہ ہو کر پھر کام پر آجاتا ہے۔

سوائے مزدوروں اور ایسے اشخاص کے جو ادنیٰ خدمتوں پر مامور ہیں مثلاً سڑک پر جھاڑو دینے والے بقیہ سب کو میں نے صاف اور ستھرے کپڑے پہنے ہوئے پایا۔ میرا یہ مشاہدہ ویسٹ اینڈ کے رقبہ کی حد تک ہے کیوں کہ ابھی میں نے ایسٹ اینڈ کے حصہ کو نہیں دیکھا ہے۔ جہاں غریب طبقہ کے لوگ رہتے ہیں۔

جمعہ ۲۱۔ جون ۱۹۴۶ء

آج صبح (۶) بجے سے دھوپ نکلی ہوئی ہے (۱۰) بجے باہر نکلا۔ انگلستان کے بادشاہ کے محل بکھنگم پیالیس پر سے گزر ہوا۔ اس عمارت کو دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی۔ کوئی خاص بات اس میں نہیں ہے دو منزلہ عمارت ہے اور اونچے اونچے ستونوں پر باہر کا حصہ ہے، شہر کی دوسری عمارتوں کی طرح یہ عمارت بھی باہر سے سیاہ ہو گئی ہے۔ سامنے کا کمپونڈ بہت مختصر ہے سڑک کی جانب لوہے کی کٹگر ہے اور داخل ہونے کے لیئے بڑے بڑے لوہے کی خوبصورت پھاٹک ہیں جن پر سنتری پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ اس عمارت کے پیچھے البتہ وسیع کمپونڈ اور اس میں گھنے درخت لگے ہوئے ہیں اور مکانات کا بڑا سلسلہ بھی اس میں ہے یہ محل شہر کے اس رقبہ میں واقع ہے جسے وسٹ منسٹر کہا جاتا ہے شاہی محل کے تین طرف وسیع شاہراہ ہیں اور ہر شاہ راہ کے دونوں بازو

سنتا تھا کہ ہندوستانیوں کو حقارت سے دیکھا جاتا ہے اور بعض ہوٹلوں اور
مقامات میں آنے نہیں دیا جاتا ہندوستان سے نکلنے کے بعد سے اس وقت
تک میں مصری ٹوپی پہن رہا ہوں۔ اگرچہ کہ انگریزی ٹوپی بھی ساتھ ہے۔ سوائے
اس کے کہ میں جہاں جاتا ہوں لوگ میری طرف دیکھنے لگتے ہیں اور آپس میں
کچھ آہستہ گفتگو کرتے ہیں۔ کوئی اور بات میں نہیں پاتا اس کے برعکس جب میں
کراچی کے ہوائی دفتر میں گیا تو وہاں کے انگریز افسر نے مجھے ہمیشہ سر یعنے
جناب کہہ کر مخاطبت کی۔

جب میں کراچی سے ہوائی جہاز میں بیٹھا اور ترکی ٹوپی پہنا ہوا تھا تو
میرے ایک بازو ایک فرانسیسی تھا اور دوسرے بازو انگریز۔ جہاز
کی ہدایات کے مطابق پرواز کرتے وقت اور پھر زمین پر اُترتے وقت
ہر مسافر کو اس تسمہ سے کر باندلینا ہوتا ہے جو کرسی میں لگا ہوتا ہے۔
میں نے تسمہ باندھنے کی کوشش کی چونکہ اس کے طریقہ سے پورا واقف
نہ تھا اس لیئے کچھ کشمکش کر رہا تھا۔ یہ دیکھتے ہی ان دونوں نے تسمہ کو خود
ڈھیلا کیا اور باندھا اور میری کرسی کو بھی ایک صاحب نے آرام دہ کرنے
کے لیئے اپنے ہاتھ سے جمایا۔ ہوائی جہاز کے پورے سفر میں فوجی انگریزوں
کے مس میں ٹھیرنے اور کھانے کا انتظام تھا وہاں بھی سب انگریز، چاہے چھوٹی
حیثیت کے ہوں یا بڑی حیثیت کے دوستی اور خوش خلقی سے پیش آتے
رہے۔ ۱۵۔ جون کو ہوائی اڈہ سے جس وقت ہم کو لندن کے وکٹوریہ اسٹیشن
کی سڑک پر اتارا گیا اور میں وہاں اپنا بڑا سوٹ کیس اور ہینڈ بکس رکھ کر ٹیکسی کے

انتظار میں کھڑا تھا تو ایک پولس افسر نے یہ دیکھ کر کے میرا ٹرنک عین راستہ میں ہے اور میں خود اس کو تنہا اٹھا نہیں سکتا اپنے ہاتھ سے بلا میری مدد کے گھسیٹ کر فٹ پاتھ پر رکھدیا اور مجھ سے کہا کہ جب تک میں اسٹیشن کے پیچھے جاکر اس قطار بندی میں کھڑا نہ ہو جاؤں جو لوگوں نے ٹکسی کار لینے کے لئے بنائی ہے مجھے کار نہ ملے گی میں اسی سوچ میں تھا کہ وہاں جاؤں یا نہ جاؤں کہ ایک راہ رو انگریز نے کچھ دیر کھڑے ہو کر سوٹ کیس پر میرے نام کو پڑھا اور پاس آکر کہا کہ "نام نہایت دلچسپ ہے کیا میں کوئی مدد کر سکتا ہوں" میں نے کہا کہ ٹکسی کار کے ملنے میں دشواری معلوم ہو رہی ہے، یہ سن کر وہ پولس والے کو لائے اور کہا کہ میں نووارد ہوں مجھے کسی طرح ٹکسی کار دلادی جائے۔ پولس والے نے فوراً ایک ٹکسی کار کو روک کر اس میں میرا سامان رکھدیا اور میں سیوائے ہوٹل چلا آیا۔

میں نے ٹرام کار میں اور موٹر بس میں بھی ترکی ٹوپی کے ساتھ سفر کیا اور جہاں جگہ ملی بیٹھ گیا کسی انگریز مرد یا عورت نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ہوٹلوں، رستورانوں اور شاپوں میں جہاں کہیں میں گیا میرے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا گیا جیسا کہ کسی انگریز کے ساتھ کیا جاتا۔ ٹیوب ریلوے میں بھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا جب کہ بوجہ قلت بعض لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ مگر کسی نے مجھ سے تعرض نہیں کیا۔

یہاں کے ٹکسی چلانے والے بہت کم سخن اور بااخلاق ہیں۔ مقررہ کرایہ سے کچھ زیادہ دینے کا قاعدہ ہے کرایہ لے کر شکریہ ادا کرتے ہیں۔

عبدالکریم بابو خاں صاحب ایک دفعہ میرے ساتھ تھے یہاں کے سکوں میں
پورا امتیاز نہ کرسکنے کی وجہ سے انھوں نے اپنے جیب سے بہت سارے
شلنگ اور پنس نکال کر ٹکسی ڈرائیور کے آگے پیش کئے کہ وہ اپنا کرایہ لے لے
اس نے صرف اتنے ہی شلنگ اور پنس اٹھا لیئے جو اس کو واجب الادا تھے
کسی ہوٹل میں آپ جائیں یا کسی دکاندار یا راہرو سے گفتگو کریں تو وہ
اخلاق کے ساتھ پیش آئے گا۔ انگریز قوم کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی یہاں
رنگ کا امتیاز مجھے اس وقت تک کہیں نظر نہیں آیا۔

کہا جاتا ہے کہ لندن تقریباً (۳۰) میل لمبا اور (۱۵) میل چوڑا ہے جس میں
بعض مضافات بھی شامل ہیں۔ اور جسے گریٹر لندن یعنے عظیم تر لندن
کہتے ہیں اس گریٹر لندن کی آبادی آٹھ ملین یعنے (۸۰) لاکھ بتلائی جاتی ہے
یہ بہت بڑا کاروباری شہر ہے جہاں جائیے صبح سے شام تک سیکڑوں
موٹر کار ٹیکسی گاڑیاں ٹرام اور موٹر بس آتے جاتے نظر آتے ہیں۔ ان کا
مسلسل تانتا ہر سڑک پر بندھا رہتا ہے۔ اس کثرت سے لوگ پیدل
راستوں پر اور دکانوں کے آگے چلتے رہتے ہیں کہ جگہ نکال کر ان میں سے
گزرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص خواہ مرد ہو یا عورت
بیکار مکان میں نہیں بیٹھے رہتے بلکہ ہر شخص اپنے اپنے کام میں مصروف
رہتا ہے۔ البتہ یکشنبہ کو جو چھٹی کا دن ہے سڑکیں تقریباً سنسان رہتی ہیں
یہاں کے لوگ جہاں محنت کے عادی ہیں اور اپنا وقت ضایع نہیں کرتے
یہاں ہر شخص یہ بھی کرتا ہے کہ شنبہ کی شام کو جب کہ دفاتر اور کاروبار بند

ہو جاتے ہیں، مکمل آرام لینے کی خاطر یا تو گھر ہی میں رہتا ہے یا شہر سے باہر تفریح کے لیئے چلا جاتا ہے۔ اور دوشنبہ کی صبح کو تر و تازہ ہو کر پھر کام پر آجاتا ہے۔

سوائے مزدوروں اور ایسے اشخاص کے جو ادنیٰ خدمتوں پر مامور ہیں مثلاً سڑک پر جھاڑو دینے والے بقیہ سب کو میں نے صاف اور ستھرے کپڑے پہنے ہوئے پایا۔ میرا یہ مشاہدہ ویسٹ اینڈ کے رقبہ کی حد تک ہے کیوں کہ ابھی میں نے ایسٹ اینڈ کے حصہ کو نہیں دیکھا ہے۔ جہاں غریب طبقہ کے لوگ رہتے ہیں۔

جمعہ ۲۱۔ جون ۱۹۴۶ء

آج صبح (۶) بجے سے دھوپ نکلی ہوئی ہے (۱۰) بجے باہر نکلا۔ انگلستان کے بادشاہ کے محل بکھنگم پیالیس پر سے گزر ہوا۔ اس عمارت کو دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی۔ کوئی خاص بات اس میں نہیں ہے دو منزلہ عمارت ہے اور اونچے اونچے ستونوں پر باہر کا حصہ ہے، شہر کی دوسری عمارتوں کی طرح یہ عمارت بھی باہر سے سیاہ ہوگئی ہے۔ سامنے کا کمپونڈ بہت مختصر ہے سڑک کی جانب لوہے کی کٹگر ہے اور داخل ہونے کے لیئے بڑے بڑے لوہے کی خوبصورت پھاٹک ہیں جن پر سنتری پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ اس عمارت کے پیچھے البتہ وسیع کمپونڈ اور اس میں گھنے درخت لگے ہوئے ہیں اور مکانات کا بڑا سلسلہ بھی اس میں ہے یہ محل شہر کے اس رقبہ میں واقع ہے جسے وسٹ منسٹر کہا جاتا ہے۔ شاہی محل کے تین طرف وسیع شاہراہ ہیں اور نہر شاہ راہ کے دونوں بازو

سلطنت برطانیہ کے مقبوضات اسٹریلیا۔ افریقہ اور نیوزیلینڈ سے موسوم مجسمے نصب ہیں تینوں شاہ راہوں کے بیچ میں ایک شاندار مجسمہ ہے۔ ۱۷۰۳ء میں اس محل کو ڈیوک آف بکہنگم نے تعمیر کیا تھا جس میں بعد کو ترمیم ہوتی رہی۔ بکہنگم پیالس کے بالکل سامنے جو سڑک جاتی ہے اس کے ایک جانب سینٹ جمیس پارک ہے جہاں اس سڑک کا اتصال ٹرافلگر اسکویر سے ہوتا ہے۔ وہاں تین کمانیں ہیں جسے اڈمیرلٹی آرچ کہا جاتا ہے ان کمانوں اور قصر بکہنگم کے درمیان جو سڑک ہے اسے مال کہا جاتا ہے اور شاہی جلوس اسی راستہ سے ویسٹ منسٹر کو جاتا ہے۔ شام کے (۴) بجے یہ معلوم ہونے پر کہ ووکنگ یہاں سے بذریعہ ریل صرف ایک گھنٹہ کا راستہ ہے۔ خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب کو ساتھ لے کر جو اس وقت ملنے آئے تھے واٹرلو اسٹیشن سے روانہ ہوا۔ ہم نے واپسی کا ٹکٹ خریدا کیوں کہ ہر نصف گھنٹہ کو ریل واٹرلو سے آتی جاتی ہے۔ یہ اسٹیشن نہایت بڑا اور شاندار ہے۔ پوری چھت آئینہ کی ہے۔ دن اور رات بلا وقفہ سیکڑوں گاڑیاں آتی جاتی ہیں۔ جس وقت ہم پہنچے تقریباً ایک ہزار مسافر ٹکٹ لینے سامان رکھوانے اور ادھر اُدھر آنے جانے میں مصروف تھے۔ جا بجا مسافروں کی سہولت کے لئے ریل کے راستوں کے نقشے اور اوقات کے تختے لگے ہوئے ہیں۔ ہر ریل کے آتے جاتے وقت آلۂ مکبر الصوت کے ذریعہ مسافروں کو اطلاع دیجاتی ہے کہ کس پلاٹ فارم پر کونسی گاڑی آرہی ہے اور کونسی جارہی ہے۔ اس اسٹیشن پر بیسیوں پلاٹ فارم ہیں مسافروں کے لئے ہر قسم کی سہولت ہے۔

اشیاء کے اسٹال ہیں۔ ٹیلیفون کے ڈبے نصب ہیں۔ (اس قسم کے ٹیلیفون کی الماریاں اور ڈبے لندن میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے مجملہ سڑکوں، زمین دوز راستوں اور ہر ریلوے اسٹیشن پر ہیں جن میں ایک پنی ڈال کر بات چیت کر سکتے ہیں) ہم نے جس ریل سے ووکنگ کا سفر کیا اس کا نام سدرن ریلوے ہے۔ شمال کے حصہ میں جو ریلیں جاتی آتی ہیں انہیں نار دن ریلوے یعنے شمالی ریل گاڑی کہتے ہیں۔ غالباً مشرق اور مغرب کی جانب والی ریلوں کو ایسٹرن اور ویسٹرن ریلوے کہا جاتا ہوگا۔ مگر میں نے اس کی تحقیق نہیں کی۔ لندن کی زمین دوز ریل گاڑیوں اور سدرن ریلوے یعنے جنوبی ریل گاڑی کی گاڑیوں کا رنگ سبز ہوتا ہے۔ سدرن ریلوے میں صرف دو درجے اول وسوم ہوتے ہیں مجھے کوئی نمایاں فرق ان میں نظر نہیں آیا۔ سوائے اس کے کہ درجہ اول کا کرایہ زاید ہونے سے اچھے درجے کے لوگ اسمیں بیٹھتے ہیں۔ درجۂ سوم کے ڈبے ہندوستان کے درجہ دوم کے ڈبوں سے زیادہ آرام دہ ہیں۔ ان میں صوفوں پر عمدہ مخمل لگا ہوا ہے۔ ہر سوفہ پر دو سے زیادہ آدمی نہیں بیٹھتے۔ ریلوے اسٹیشن پر ٹکٹ خریدتے اور پلاٹ فارم پر جاتے وقت قطار بندی کا طریقہ ہے۔ کوئی شخص دوسرے کو دھکا دیکر آگے نہیں جاتا بلکہ سہولت سے سب ایک کے پیچھے ایک آگے بڑھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے بد نظمی نہیں پیدا ہوتی۔ ووکنگ جہاں مسلمانوں کی مسجد ہے لندن کے واٹرلو اسٹیشن سے (۲۸) میل ہے۔ پانچ اسٹیشن درمیان میں ہیں واٹرلو سے ووکنگ تک ہم نے دیکھا کہ مسلسل آبادی ہے بیچ میں کچھ کچھ

سے کھیت اور میدان ہیں جتنی بستیاں ملتی ہیں وہ بہت سلیقہ سے بسائی گئی ہیں۔ نہایت خوبصورت مکانات۔ راستے۔ بازار۔ کھیلنے کے میدان اس دلفریب طریقہ پر بنائے گئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر بستی ایک چھوٹی سی جنت ہے۔ جو انسان نے اپنے آرام کے لیئے بنائی ہے ریل کی چھ یا آٹھ دوہری پٹریاں ڈالی گئی ہیں۔ جاتے اور آتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ ہر پانچ دس منٹ کو ہماری گاڑی کے رُخ میں یا اس کے برعکس دو ایک گاڑیاں چلتی رہیں۔ ایک وقت تو چار گاڑیاں یک ساتھ چلتی ہوئی ملیں ووکنگ اسٹیشن سے مسجد تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہم اسٹیشن سے وہاں تک پیدل گئے۔ ریلوے کی پٹریوں سے مسجد کا پچھلا کمپونڈ ملا ہوا ہے شام کے (۵) بجے جس وقت ہم پہنچے مسجد کو مقفل پایا۔ مسجد سے متصل امام صاحب کا بنگلہ ہے۔ جس پر سر سالار جنگ کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ امام صاحب مکان پر موجود نہ تھے ایک انگریز خادمہ نے مسجد کی کنجی لادی۔ مسجد باہر سے چھوٹی اور خوبصورت ہے۔ درمیان میں ایک گنبد ہے جس پر ہلال لگا ہوا ہے۔ پیشانی پر "شاہجہاں مسجد" کندہ ہے۔ بالکل سامنے ایک چھوٹا سا حوض ہے جس میں یک ثلث گہرائی تک پانی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حوض کو ہر وقت بھرا نہیں جاتا۔ اندر جانے کے بعد مجھے بڑی مایوسی ہوئی، مسجد کا اندرونی رقبہ تقریباً (۱۲) فیٹ چوڑا اور (۱۶) فیٹ لمبا ہے۔ قالین کا فرش اور اس پر سوتی جانمازوں کی دو پٹیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اندر سے مسجد مرمت طلب ہے۔ چونہ جھڑ گیا ہے۔ ایک گوشہ میں سینہ سے جانب

لکڑی کا بڑا ممبر ہے۔ جو (۶) فیٹ سے زیادہ بلند ہے اور غالباً سات
یا آٹھ فیٹ لمبا ہے اس کی وجہ سے مسجد کا کم از کم چھٹا حصہ بے کار ہو گیا
ہے۔ اس قدر بلند ممبر کی موزونیت کسی بڑی جامع مسجد کے لیئے ہو سکتی
ہے۔ مگر ایک مختصر سی مسجد کے لیئے یہ یقیناً بے ڈول ہے۔ اس سے جگہ رکتی
ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ کوئی پرسکون عبادت کی جگہ نہیں ہے۔ بلکہ
ایک مکتب ہے حوض کے اطراف کا کمپونڈ بھی جیسا چاہیئے صاف نہیں تھا۔
خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب نے اور میں نے مسجد میں دوگانہ نماز
ادا کی اور اسٹیشن واپس آئے تاکہ بروک وڈس قبرستان جائیں جو ووکنگ سے
چار میل پر واقع ہے۔

حیدر آباد سے نکلنے سے پہلے میں نے مولوی سید محمد اعظم صاحب
صدر المہام تعلیمات سے پوچھ لیا تھا کہ ان کے چھوٹے بھائی سید عبدالعزیز
مرحوم کا مزار لندن میں کہاں ہے۔ انھوں نے بروک وڈس کا پتہ دیا تھا
جب مجھے ریل کے سفر کے دوران میں معلوم ہوا کہ ووکنگ اسٹیشن سے یہ
قبرستان چار میل ہے تو میں نے ارادہ کر لیا کہ مرحوم کی مزار پر فاتحہ خوانی
کے لیئے جاؤں گا۔ چنانچہ ٹکسی کار لے کر شام کے (۶) بجے ہم اس قبرستان
کو پہنچے۔ پھاٹک میں داخل ہوتے ہی قبرستان کا آفس ملتا ہے یہاں مجھے
ایک بڑا نقشہ جس میں قبرستان کے راستے اور مختلف مذاہب کے مدفن
درج ہیں دکھلایا گیا۔ چونکہ راستے پیچیدہ تھے میں نے موٹر ڈرائیور کو
بلا کر انھیں سمجھنے کے لیئے کہا جب وہ سمجھ گیا تو ہم موٹر کار ہی میں قبرستان

کے اس حصہ کو گئے جہاں مسلمانوں کی قبریں ہیں۔ یہ قبرستان تقریباً دو مربع میل پر محیط ہے۔ اور کئی طویل سڑکیں اس میں نکالی گئی ہیں۔ پھولوں کے درخت جابجا لگے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہم ایک بہترین باغ میں سے گزر رہے ہیں۔ قبرستان کا بہت بڑا حصہ کرستانوں کے لیئے مختص ہے جس میں ان کی ہزارہا قبریں ہیں آخری گوشہ میں مسلمانوں اور پارسیوں کی قبریں ہیں۔ مسلمانوں کی اکثر قبروں پر سنگ مرمر کے کتبے لگے ہوئے ہیں۔ بعض پر عربی آیتیں اور بعض پر ان کا انگریزی ترجمہ اور مرحومین کے نام اور تواریخ وفات کندہ ہیں۔ بعض قبروں کے سرہانے کتبہ نہیں ہے بلکہ قبر کے اطراف جو چوگوشہ کنارے کے پتھر ہیں اسی کے ایک بازو پر نام وغیرہ کندہ ہے۔ میں نے سید عبدالعزیز صاحب مرحوم کی قبر کی تلاش شروع کی اور کتبوں کو پڑھنا شروع کیا میری نظر محمد مار ماڈیوک پکتھال صاحب مرحوم کی قبر کے کتبہ پر پڑی اور اس کے کچھ دیر بعد نواب ثریا جنگ مرحوم کے لڑکے کی قبر کا کتبہ نظر آیا۔ یہاں بہت سارے مسلمان مردوں اور عورتوں کی قبریں ہیں۔ بالآخر سید عبدالعزیز صاحب کی قبر کا کتبہ ملا جس پر "ہوالعزیز" کے الفاظ کندہ ہیں۔ نیچے مرحوم کا نام سید عبدالعزیز اور اس کے نیچے فبروری ۱۹۲۰ء کندہ ہے اس وقت مرحوم کو رحلت کئے (۲۶) سال سے زاید عرصہ گزر چکا ہے میں نے سب سے پہلے مرحوم کی تربت پر فاتحہ پڑھی اور اس کے بعد محمد مار ماڈیوک صاحب پکتھال اور ثریا جنگ مرحوم کے لڑکے اور دوسرے مرحومین کے لیئے دعائے مغفرت

کی اور واپس چلا آیا۔

مرحوم میرے ساتھ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۴ء تک علیگڈھ میں تھے اس کے بعد ہم دونوں ایک ہی وقت نظام کالج میں جونیر بی اے کلاس میں شریک ہوئے۔ مرحوم کا وہ احسان میں کبھی فراموش نہیں کرسکتا جو انھوں نے ۱۹۱۵ء میں مجھ پر کیا ان کے والد ڈاکٹر مولوی سید احمد صاحب کا انتقال ہوکر دو چار دن گزرے تھے اور ابھی اس کا صدمہ تازہ تھا کہ مرحوم نے جبر کر کے سیول سرویس میں شرکت کی درخواست مجھ سے دلوائی اور خود صبح سے شام تک ہر جگہ پھر کر سرٹیفکٹ وغیرہ جمع کئے۔ کیوں کہ میرا خیال سیول سرویس میں درخواست دینے کا نہ تھا اس طرح میرے سیول سرویس میں آنے کے وہی باعث ہوئے۔ میں نے اپنے اس عزیز اور محسن دوست کی یاد میں اپنے لڑکے کا نام عزیز آصف رکھا ہے آج اس دوست کی قبر پر (۲۶) سال کے بعد پہنچ کر جو اپنے وطن سے دور مدفون ہے فاتحہ پڑھنے سے میرے دل کو جو سکون حاصل ہوا اسے میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ خداوند عالم مرحوم کو غریق رحمت کرے۔ آمین۔

شنبہ ۲۲۔ جون (۱۱) بجے وسٹ منسٹر کے اس رقبہ میں گیا جہاں وہائٹ ہال اور وزارتوں کے دفاتر ہیں ایک عمارت میں پریوی کونسل اور اس سے متصل ٹریژری بھی ہے ان عمارات میں جانے کے لئے اجازت حاصل کرنی پڑتی ہے۔ دربان نے مجھ سے کہا کہ وہائٹ ہال کی سڑک کے عین وسط میں بمب گرا تھا جس کے ٹکڑے اڑ کر ان عمارتوں پر لگے تھے۔ میں نے

دیکھا کہ عمارتوں کی دیواروں کے چھلکے گرے ہوئے ہیں کسی عمارت کو اس سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔ وہائٹ ہال کی سڑک پر ایک بڑے دروازے کے دونوں جانب دو مسقف کمانیں بنی ہوئی ہیں جن میں ایک ایک فوجی سوار گھوڑے پر بیٹھا رہتا ہے۔ انھیں مونٹیڈ لائیف گارڈس من کہا جاتا ہے۔ یہ فوجی بارک وہائٹ ہال کے محل کا ایک جزو ہیں ان کی دوبارہ تعمیر سنہ ۱۷۴۲ء میں ہوئی تھی۔ ہارس گارڈ کی تبدیلی کی رسم کے متعلق سنا تھا کہ قابل دید ہوتی ہے۔ جسے چینج آف ہارس گارڈ کہتے ہیں۔ مجھے اس کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اسی وہائٹ ہال میں ایک بند گلی تقریباً دو سو فٹ لانبی اور (۴۰) فٹ چوڑی واقع ہے جسے ڈاوننگ اسٹریٹ کہتے ہیں اور اس گلی کے آخری حصہ میں سیدھی جانب مکان نمبر دس ہے جس میں انگلینڈ کے وزیر اعظم رہتے ہیں۔ باہر سے یہ مکان بالکل بند ہے ایک دروازہ اندر جانے کا ہے۔ دونوں بازوؤں میں کھڑکیاں ہیں۔ یہ دو منزلہ مکان ہے ممکن ہے اندر سے بڑا ہو اس کو تاریخی حیثیت اس وجہ سے حاصل ہو گئی ہے کہ انگلینڈ کے وزیر اعظم ہمیشہ اس میں رہتے آئے ہیں۔

وہائٹ ہال سے متصل پارلیمنٹ اسٹریٹ ہے جو ایوان ہائے پارلیمنٹ یعنی ہاوز آف کامنس اور ہاوز آف لارڈز کو جاتی ہے۔ یہ دونوں ایوان ٹھیمس ندی کے کنارے واقع ہیں قدیم طرز کے بہت خوبصورت مکانات ہیں۔ ان سے متصل ٹھیمس ندی پر جو پل ہے اسے وسٹ منسٹر برج کہتے ہیں۔ اس پل کے بازو ندی میں جانے کی سیڑھیاں ہیں یہاں ہر وقت

متعدد بڑی کشتیاں جو انجن سے چلتی ہیں تفریح کرنے والوں کے لیئے موجود رہتی ہیں۔ سینکڑوں اشخاص ٹکٹ خرید کر ان میں پھرتے رہتے ہیں۔ کچھ دن پہلے خان بہادر بابو خاں صاحب کے ساتھ مجھے بھی اس میں بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ دوپہر میں میں نے ایسٹ اینڈ کے بعض حصے دیکھے۔ جوں ہی ایسٹ اینڈ میں جاتے ہیں بین فرق محسوس ہوتا ہے۔ یہاں کی عمارتیں ایسی شاندار نہیں ہیں جیسی کہ ویسٹ اینڈ کی اور نہ ان کو لوگ اتنا صاف رکھتے ہیں جیسے کے ویسٹ اینڈ کے لوگ رکھتے ہیں۔ شاپوں میں جو سامان بغرض فروخت رکھا جاتا ہے وہ بھی کم قیمت کا ہوتا ہے۔ اس حصہ میں میں نے دیکھا کہ لوگ میلے کچیلے لباس میں ہیں۔ جو لوگ کچھ بہتر لباس میں تھے ان پر استری نہیں تھی اس کے برعکس ویسٹ اینڈ کے لوگ لباس کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ نہایت صاف پاک اور استری کیا ہوا لباس ہر وقت ان کے جسم پر رہتا ہے ایسٹ اینڈ میں زیادہ تر مزدور پیشہ کے چھوٹے چھوٹے مکانات ہیں۔ تنگی سے بسر کرتے ہیں ان دونوں مقامات کو دیکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہاں ایک جانب تمول اور خوشحالی ہے تو دوسری جانب افلاس اور غربت، اس صورتِ حال کو میں انگلینڈ کے لیئے فال نیک نہیں سمجھتا۔ اگر کسی ملک کا قومی جسم متناسب نہ ہو تو وہ بڑے عرصے تک صحت مند نہیں رہ سکتا۔ اس کی شکل ایسی ہے جیسے کہ اوپر کا جسم نہایت خوبصورت ہے مگر نیچے کا جسم مفلوج ہے۔ موجودہ عمالی حکومت اصلاح کی جانب مائل معلوم ہوتی ہے اور بتدریج دولت پیدا کرنے کے وسائل کو قومی بنا رہی ہے۔ مگر یہ کام

کچھ آسان نہیں ہے۔ صدیوں سے جو معاشی نظام اس ملک کا قایم ہے اس کی وجہ سے مالدار طبقہ بہت طاقتور ہے ان کی سیاسی پارٹی حکومت کے منصوبوں پر معترض اور اس میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی ممکنہ کوشش کر رہی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ ایسٹ اینڈ کو پھر تفصیل سے دیکھوں آج مولوی عبدالمجید صاحب پیش امام شاہ جہاں مسجد ووکنگ نے ٹیلیفون سے کہا کہ جس وقت میں کل وہاں گیا تھا وہ موجود نہ تھے جس کا انھیں افسوس ہے اور خواہش کی کہ کوئی وقت میں دوں تو وہ مجھ سے ملاقات کریں گے۔ میں نے انھیں دوشنبہ کے روز دس بجے کا وقت دیا۔ جس وقت وہ ملیں گے میں انھیں اپنے تاثرات سے آگاہ کروں گا۔

قادیانی مسجد کے پیش امام مولوی جلال الدین صاحب شمس کا خط آیا جس میں انھوں نے قادیانی مشن کی مسجد کو بمقام پٹنی جو یہاں سے (۱۴) میل پر واقع ہے، یکشنبہ ۲۰۔ جون کو ½۴ بجے آنے اور وہاں چائے پینے کی دعوت دی ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ اس مشن کے کام کو جا کر دیکھوں۔

سہ پہر میں اسٹرانڈ اسٹریٹ میں ایک ہندوستانی فقیر کو دیکھا جو ننگے سر کوٹ پتلون میں تھا اور بانسری بجاتا ہوا جا رہا تھا۔ بعض لوگوں نے اسے کچھ پیسے دیئے۔ ایک اور مقام پر ایسٹ اینڈ میں میں نے دیکھا کہ ایک غریب شخص دیاسلائی کی ڈبیاں لیئے بیٹھا تھا۔ یہ بھی ایک طریقہ خیرات طلب کرنے کا ہے۔ چونکہ یہاں گداگری ممنوع ہے اس لیئے لوگ یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ راگ مالا یا بانسری بجاتے ہیں اور لوگ بطور معاوضہ کے

کچھ پیسے دیدیتے ہیں یا دیاسلائی کی ڈبی لے کر اس کی قیمت سے بہت زیادہ پیسے دیدیتے ہیں۔

شام کے (۵) بجے ایک سڑک کے بازو میدان میں ایک انگریز کچھ شعبدے دکھلا رہا تھا جسے تقریباً دو سو تماش بین گھیرے ہوئے تھے میں بھی جا ملا۔ شعبدہ باز نے اپنے بازوؤں کو زنجیروں میں کس دیا تھا۔ اور کہتا جاتا تھا کہ چالیس پنس جمع ہو جائیں تو وہ کرتب شروع کرے گا۔ ادھر اُدھر سے لوگ ایک ایک پنس پھینک رہے تھے ایک عورت جو اس کے ساتھ تھی ان سکوں کو جمع کر تی تھی۔ اور شعبدہ باز گن گن کر کہتا جاتا تھا کہ تکمیلہ کے لئے ابھی اتنے پنس باقی ہیں۔ تھوڑی دیر میں مطلوبہ پیسے جمع ہو گئے تو اس نے قوت کر کے زنجیروں کی بندش سے خود کو آزاد کر لیا۔ اس کے بعد غالباً اس نے کوئی اور کرتب دکھلائے ہوں گے کیوں کہ میں وہاں سے چلا گیا۔

دن کے ایک اور دو بجے کے درمیان سیوائے ہوٹل کے باورچی خانہ میں آگ لگ گئی اور سارا ہوٹل دھویں سے بھر گیا۔ جو لوگ دوپہر کا لنچ کھا رہے تھے اُنھیں وہاں سے فوراً ہٹ جانے کے لئے کہا گیا۔ فائر انجن موقع پر آ گئے اور تھوڑی دیر میں آگ پر قابو پا لیا گیا۔ ایسے موقع پر بھی یہاں کے لوگ تنظیم کا خیال رکھتے ہیں۔ لوگ ایک کے پیچھے ایک منظم طریقہ پر دھویں سے بھرے ہوئے کمروں سے نکل رہے تھے۔ قطار بندی کا خیال یہاں بھی رکھا گیا۔ البتہ عورتوں کو پہلے نکلنے کا موقع لوگ دے رہے تھے میں نے دیکھا کہ اس قسم کی تنظیم سے ایک دوسرے کی ہمت بندھتی ہے۔

اور خطرہ کا خوف کم ہو جاتا ہے ورنہ انتشار کی صورت میں بلاوجہ خطرہ میں اضافہ ہو کر پریشانی بڑھتی ہے یہ چیزیں انگریز قوم سے سیکھنے کی ہیں۔

یکشنبہ ۲۳۔جون

(۱۱) بجے تک کام کرتا رہا۔ (۱۲) بجے نواب میر نواز جنگ بہادر آئے جن سے وفد کے اخراجات اور طریق حساب سے متعلق گفتگو ہوئی۔ نواب زین یار جنگ بہادر کا تار آیا ہے کہ وہ ۲۴۔جون کو بذریعہ ہوائی جہاز کراچی سے روانہ ہوں گے اس تار میں راجہ پنا لعل جی جو تھے رکن وفد کے آنے یا نہ آنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ میں نے لندن پہنچنے کے بعد نواب زین یار جنگ بہادر کو تار دیا تھا کہ اگر پنا لعل جی کسی وجہ سے نہ آسکیں تو سکھ دیو طلانی صاحب یا راجہ بنگل وینکٹ راما ریڈی صاحب کو لائیں۔ بہر کیف پرسوں جب نواب زین یار جنگ بہادر یہاں پہنچیں گے تو معلوم ہو گا کہ کون صاحب آرہے ہیں۔ دو بجے نواب معین نواز جنگ بہادر کے فرزند سیف الدین انصاری صاحب کے ساتھ مولوی میر لائق علی صاحب ملنے آئے۔ ہم تینوں نے سیوائے ہوٹل میں لنچ کھایا مولوی میر لائق علی صاحب (۳) بجے واپس گئے اور شام کی چائے کی دعوت ڈارچسٹر ہوٹل میں کہہ گئے۔ شام کے سوا پانچ بجے ڈارچسٹر ہوٹل گیا اور چائے پی۔ تھوڑی دیر کے بعد چار حیدرآبادی طلباء جو انگلینڈ میں زیر تعلیم ہیں وہاں آئے ان سے تعلیم اور رہائش وغیرہ سے متعلق گفتگو رہی۔ دو روز پہلے عبدالوحید خاں صاحب فرزند مولوی عبدالرحمٰن صاحب سابق پرنسپل عثمانیہ کالج جو نواب فضل نواز جنگ بہادر ڈائرکٹر جنرل مال کے داماد ہیں ملنے آئے تھے ان سے نصف گھنٹہ

گفتگو رہی۔ اس سے پہلے مولوی احمد محی الدین صاحب مرحوم سابق ناظم کورٹ آف وارڈز کے فرزند ملنے آئے تھے۔ ہمارے پروگرام میں حیدرآبادی طلباء سے ملاقات کا بھی ایک جزو شریک ہے۔ نواب زین یار جنگ بہادر کا انتظار ہے یہ تقریب عنقریب عمل میں آئے گی۔

شب میں مولوی میر لائق علی صاحب اور خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب کے ساتھ کوہ نور انڈیا رسٹورنٹ گیا جہاں محمد شفیع صاحب نے مدعو کیا تھا۔ یہ صاحب رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ مرحوم کے زمانہ میں انگلش چینائل میں پیراکی کا مظاہرہ کرنے کے لئے سرکاری امداد سے لندن آئے تھے اس کے بعد یہیں بس گئے۔ کافی دولت پیدا کر کے انھوں نے لندن سے (۱۴) میل پر مکان خرید لیا ہے۔ اور یہیں شادی بھی کر لی ہے۔ بڑی خوش خلقی سے پیش آئے اور پُر تکلف ہندوستانی کھانا کھلایا ان کی انگریز بیوی بھی جو مسلمان ہو گئی ہیں موجود تھیں بہت نیک معلوم ہوتی ہیں۔ واپسی پر ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب حیدرآبادی نے جو کھانے میں شریک تھے اپنی موٹر میں لا کر مجھے سیوائے ہوٹل چھوڑا۔ کوہ نور انڈیا رسٹورنٹ میں جب ہم کھانا کھا رہے تھے ہز ہائی نس مہاراجہ جے پور بھی آئے۔ اس ہوٹل میں اچھے مذاق کا ہندوستانی کھانا دستیاب ہوتا ہے۔ اور ہوٹل بھی صاف ستھرا ہے۔ یہ ہوٹل روپرٹا سٹریٹ میں واقع ہے۔ یہاں کا انتظام مجھے شفیع انڈیا رسٹورانٹ سے بہتر معلوم ہوا۔

ویرا سوامی انڈیا رسٹورنٹ ریجنٹ اسٹریٹ میں تیسرا ہندوستانی

کھانے کا ہوٹل ہے۔ اسے ابتداً ایک ہندوستانی نے قایم کیا تھا بعد کو کسی انگریز نے اسے خرید لیا اور سابقہ نام ہی سے چلا رہا ہے۔ سنا ہے کہ اس ہوٹل میں زیادہ تر انگریز جاتے ہیں کیوں کہ خالص ہندوستانی مذاق کا کھانا نہیں ملتا۔

دوشنبہ ۲۴۔جون | صبح دس بجے مولوی عبدالمجید صاحب جو وکنگ کی مسجد کے امام ہیں سیوائے ہوٹل میں مجھ سے ملے۔ میں نے مسجد سے متعلق اپنے تاثرات بیان کیئے۔ انھوں نے کہا کہ مسجد کی ضروری مرمت کے لیئے ایک سو پچاس پونڈ جمع کر لیئے گئے ہیں آج کل مسالہ اور مزدور نہیں مل رہے ہیں جوں ہی یہ دستیاب ہوں گے مرمت کا کام آغاز کر دیا جائے گا۔ لکڑی کے ممبر کے متعلق انھوں نے کہا یہ عراق سے کسی نے مسجد کے لیئے تحفتہً دیا تھا۔ میں نے کہا کہ وہ اسے کہیں اور رکھ دیں تاکہ مسجد میں اس کی وجہ سے جگہ نہ رُکے۔ اس مسجد کی جو تاریخ انھوں نے بیان کی اس سے معلوم ہوا کہ پنجاب کے ایک انگریز افسر مسٹر ہنری لائٹنر نے ہندوستان سے وظیفہ لینے کے بعد مسلمانوں اور ہندوں کیلئے ایک ثقافتی مرکز لندن میں قایم کرنے کے خیال سے ہندوستان سے بہت سا چندہ جمع کیا تھا اور یہ مسجد اور اس کے متصل ہندووں کے لیئے ایک ہال تعمیر کرایا تھا اس کے انتقال کے بعد ورثاء نے مسجد کو اور اس سے متصلہ ہال کو رہن کر دیا تھا۔ ہال تو کئی لوگوں کے ہاتھ فروخت ہو گیا مگر مسجد پر خواجہ کمال الدین صاحب مبلغ نے یہ کہہ کر قبضہ کر لیا کہ یہ مسلمانوں کی ملک ہے۔ عباس علی بیگ صاحب رکن انڈیا کونسل

کی کوشش سے باہمی سمجھوتہ ہو کر مسجد اور متعلقہ زمین کا ایک ٹرسٹ مسلمانوں کے لیئے بنادیا گیا۔

پونے گیارہ بجے نواب میر نواز جنگ بہادر کو ساتھ لیکر اولڈ براڈ اسٹریٹ میں نمبر (۸۷) جاکر نظام اسٹیٹ ریلوے آفس کا معائنہ کیا۔ کرنل سلاٹر صاحب جنہیں پہلے سے اطلاع دیدی گئی تھی، موجود تھے۔ معائنہ کرایا یہاں سے میں ایسٹ اینڈ کے بعض حصوں کو دیکھتے ہوئے ہوٹل واپس آیا۔ پچھلی جنگ میں جرمنوں نے لندن کے شہر پر جو بمباری کی اس سے ایسٹ اینڈ کا حصہ زیادہ متاثر ہوا۔ میرا خیال ہے کہ اس رقبہ میں (۲۰) فیصد حصہ کو شدید نقصان پہنچا اور ویسٹ اینڈ میں دو فیصدی سے بڑھ کر صدمہ نہیں پہنچا۔ دن بدن لندن کے حصوں کو پھر کر دیکھنے سے یہاں کی عمارات سے متعلق اچھے تاثرات پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ عمارات جو عموماً چار اور زیادہ سے زیادہ سات منزلہ ہیں۔ قدیم وضع کی ہیں۔ ہر عمارت میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لیئے کوئی نہ کوئی خاص طرز اختیار کی گئی ہے اکثر عمار توں پر سنگ مرمر یا لوہے کے آدمیوں گھوڑوں یا جانوروں کے مجسمے موزوں اور مناسب موقع اور محل کے لحاظ سے بنائے گئے ہیں۔ مکانات کی سب سے اوپر کی چھتیں خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ڈھلوان رکھی گئی ہیں تاکہ برف جمع نہ ہو سکے۔ ہر مکان پر کئی کئی چمنیاں ہیں تاکہ موسم سرما میں کمروں کو گرم کرنے کے لیئے جب آگ جلائی جائے تو دھواں نکل جاسکے۔ بڑے بڑے چوراہوں پر راستہ یاد کرنے

کے لیئے زمین دوز راستے بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض مثلاً پکاڈلی سرکس کا زمین دوز راستہ بجائے خود ایک بڑا مارکٹ ہے۔ اس میں عبور و مرور کے راستہ کے دونوں جانب سگریٹ کی دکانوں اور کھانے کے رسٹورانٹ کے علاوہ کپڑوں اور دیگر ضروریات کی چیزیں آئینے کی نمائشی کھڑکیوں میں رکھی ہوئی ہیں۔

مردوں اور عورتوں کے لیئے علیحدہ علیحدہ طہارت خانے موجود ہیں زمین دوز ریلوے کے اسٹیشن کو جانے کا راستہ بھی اسی میں ہے میرا خیال ہے کہ لندن کو دو منزلہ شہر کہنا بے جا نہ ہوگا۔ زمین دوز ریلیں نہ ہوتیں تو پھر دوسری صورت یہ ہوتی کہ سڑکوں پر مسلسل پل بنا کر راستوں کو دُہرا کرنا ضروری ہوتا ورنہ آبادی اور کاروبار کی وسعت کے لحاظ سے سڑکیں کفاف نہ کرتیں

دکانوں پر قیمت کے چکانے کا طریقہ نہیں ہے ہر چیز پر قیمت کی چٹھی لگی ہوئی ہے۔ میں نے بطور خاص یہ معلوم کرنے کے لیئے کہ ایک ہی چیز کی قیمت مختلف دکانوں میں کم اور زیادہ تو نہیں ہے بعض ایک ہی قسم کی چیزوں کی قیمت کو مختلف شاپوں کی نمائشی کھڑکیوں میں دیکھا اور یکساں پایا۔ اس سے بہت سارا وقت خریداروں اور دکانداروں کا بچ جاتا ہے۔ اور کسی قسم کے دھوکے کا اندیشہ نہیں رہتا۔ لوگ لین دین میں سیدھے ہیں اگر کسی دکان سے آپ باقی کے پیسے لینا بھول جائیں تو دکاندار آپ کے پیچھے دوڑ کر پیسے آپ کو دے جاتا ہے

سب سے سستی سواری زمین دوز ریلوے بس یا ٹرام ہے۔ دو چار پنیوں میں آپ ایک مقام سے دوسرے مقام کو آسانی اور آرام کے ساتھ پہنچ جاتے

ہیں۔ کسی بس یا ٹرام میں بالعموم نشستوں سے زیادہ لوگ خود نہیں سوار ہوتے
یا سوار ہونا چاہیں تو ٹکٹ کلکٹر مرد یا عورت ہاتھ کے اشارے سے روک
دیتے ہیں۔ کیوں کہ پانچ دس منٹ کے وقفہ سے دوسری سواریاں آتی
رہتی ہیں۔ اور لوگ آرام سے بعد کو آنی والی بسوں وغیرہ میں بیٹھ کر جانا پسند
کرتے ہیں۔ لندن کے دیہاتوں میں غریبوں کے علاج معالجہ کا ایک خاص انتظام
ہے۔ وہ یہ کہ ایسے اشخاص سے جن کی آمدنی (۲۵۰) پونڈ سالانہ سے کم
ہے سالانہ تھوڑی سی رقم لی جاتی ہے جتنی رقم وہ دیتے ہیں اسی قدر رقم
ماموکرنے والے سے لی جاتی ہے۔ اور حکومت اپنی طرف سے بھی اتنی ہی
رقم شریک کرکے ان تینوں رقوم کو ہر مقام کی ہلت انشورنس کمیٹی کے حوالہ کر دیتی ہے
یہ کمیٹی مختلف رقبوں کے لیئے ڈاکٹروں کو معاوضہ دے کر مقرر کر دیتی ہے۔
اس کے بعد اس رقبہ کے باشندوں کو یہ حق رہتا ہے کہ بیمار ہونے کی صورت
میں مقررہ ڈاکٹروں میں سے جس سے چاہیں مفت علاج کرالیں۔

لندن میں ٹکسی موٹر کار کا کرایہ بہت کم ہے دو چار شلنگ میں ایک مقام سے
دوسرے مقام کو پہنچ جاتے ہیں۔ زیادہ تر اوپر کے طبقے کے لوگ ٹکسیوں
میں پھرتے ہیں باقی سب پیدل یا ٹیوب ریلوے یا بس میں آتے جاتے ہیں
یہاں تھوکنا سخت معیوب اور منع ہے بسوں میں نوٹس بورڈ لگا ہوا ہے کہ
تھوکنے کی علت میں (۵) پونڈ جرمانہ کیا جائے گا۔

موٹر ٹکسیاں تمام کی تمام ایک ہی وضع کی آسٹن کارخانہ کی بنی ہوئی
ہیں۔ ڈرائیور کے لیئے باہر نصف سیٹ ہے بقیہ نصف میں سامان

رکھنے کا چبوترہ ہے اندر پیچھے کی طرف بڑی سیٹ ہے جس پر دو اشخاص بیٹھ سکتے ہیں اور سامنے تہ ہونے والی دو سیٹیں ہیں اس طرح اندر چار آدمی آرام سے بیٹھ سکتے ہیں اور ٹرنک یا سامان آسانی سے ڈرایور کے بازو باہر رہ سکتا ہے ڈرائیور سے بات کرنے کے لیئے مسافروں اور ڈرائیور کے درمیان آزو بازو ہٹنے والی آئینہ کی کھڑکی ہے موٹر کے اوپر کی نصف چھت پر لوہے کی کٹگر ہے جہاں سامان رکھا جا سکتا ہے پیچھے کی آدھی چھت چمڑے کی ہے جو کھل جا سکتی ہے بہر کیف مسافر کے آرام اور ضروریات کا پورا خیال رکھکر یہ گاڑی وضع کی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ (۲۵) یا (۳۰) برس پہلے یہ ٹیکسی گاڑیاں جس وضع کی تھیں آج بھی اسی وضع کی ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لندن کی قدامت پسندی مشہور ہے یہ ٹیکسی گاڑیاں اس کا ایک ثبوت ہیں۔

موٹر کاروں اور ٹیکسیوں پر سینکڑوں قسم کے حروف اور نمبر ہیں اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شہر لندن کی کئی کونٹیاں ہیں اور ہر کونٹی اپنا نمبر اور حروف استعمال کرتی ہے۔

سہ پہر میں سر راما سوامی مدلیار صاحب نے جو کل امریکہ سے آکر سوائے ہوٹل میں ٹھیرے ہیں ٹیلیفون سے گفتگو کی اور دریافت کیا کہ ہمارے وفد کا کیا پروگرام ہے۔ میں نے کہا کہ کل نواب زین یار جنگ بہادر لندن آرہے ہیں اور شاید راجہ پنالعل بھی جو ہمارے وفد کے چوتھے رکن ہیں۔ ان کے ساتھ آئیں۔ جس وقت وفد کے کل ارکان لندن میں جمع ہو جائیں گے تفصیلی پروگرام مرتب کیا جائے گا۔ سر راما سوامی مدلیار سے میں نے کل

ساڑھے دس بجے تفصیلی ملاقات کا وقت مقرر کر لیا ہے۔ ہندوستانیوں میں آج سب سے زیادہ بین الاقوامی عزت اور وقعت سر راما سوامی مدلیار کی ہے یہ یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن کے شعبہ معاشی تحفظات کے صدر نشین ہیں جس کا ایک اجلاس گزشتہ چند ہفتوں میں امریکہ میں ان کی صدارت میں ہوا۔

میں نے کرنل سلاٹر اور مسز سلاٹر کو کل دن کے ایک بجے سیوائے ہوٹل میں لنچ پر مدعو کیا ہے۔

آج ایسٹ اینڈ کا ایک ایسا حصہ دیکھنے میں آیا جہاں سڑک کے دونوں بازوؤں پر ٹھیلوں میں لوگ قسم قسم کی اشیاء مثلاً ترکاری۔ مچھلی متفرق سامان اور کپڑے فروخت کر رہے تھے مستعملہ کپڑوں اور جوتوں کی بھی دکانیں نظر آئیں۔

دو روز سے مسلسل دھوپ نکلی ہوئی ہے ایک خاص چیز ان دنوں میں یہ دیکھی گئی کہ لوگ چھوٹے بچوں کو ڈھکیلنے کی گاڑیوں میں لٹا کر کنارہ پر گاڑیاں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ انھیں دھوپ لگے۔ یہ بچے گاڑیوں میں یا تو سوتے رہتے ہیں۔ یا خود کھیل لیتے رہتے ہیں۔ یہ منظر مجھے اچھا معلوم ہوا۔

سہ شنبہ ۲۵۔ جون

صبح ساڑھے دس بجے سر راما سوامی مدلیار صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ دکن کی ریاستیں، حیدر آباد۔ میسور۔ ٹراونکور اور صوبہ مدراس جن کا ایک دوسرے سے قریبی تعلق ہے صنعت و حرفت اور تجارت میں جلد ترقی کریں تاکہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں وہ پیچھے نہ رہیں۔

یہی وجہ ہے کہ وہ ہر وقت حیدرآباد کی مدد کرنے سے دریغ نہیں کرتے چنانچہ انھوں نے ہمارے صنعتی و تجارتی وفد سے متعلق امریکہ میں جہاں سے وہ کل ہی آئے ہیں۔ بہت کچھ کام انجام دیا ہے اور کچھ تعارفی خطوط بھی دینے کا وعدہ کیا۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں ان کے خیال سے کلیتاً متفق ہوں۔ اگر زنجیر کی ایک کڑی بھی کمزور حالت میں ہو تو پوری زنجیر کی قوت گھٹ جاتی ہے۔

حیدرآباد صنعتی میدان میں بہت بعد کو آیا ہے۔ اس کو آگے بڑھانے کی شدید ضرورت ہے حکومت ہند کی جانب سے قدم قدم پر مشنری کی خریدی اور صنعتوں کے قیام سے متعلق رقباتی اصول کے تحت جو قیود عاید کی جاتی ہیں اس سے ہماری رفتار ترقی میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں حالانکہ حکومت حیدرآباد کے ساتھ جو معاہدات ہیں ان کی رو سے حیدرآباد صنعتوں کے قیام میں بالکل آزاد ہے۔

سیوائے ہوٹل میں ایک بجے کرنل اور مسز سلاٹر کے ساتھ لنچ کھایا کھانے کے بعد سر خضر حیات خاں صاحب وزیر اعظم پنجاب سے کچھ دیر گفتگو رہی پونے تین بجے کرنل اور مسز سلاٹر واپس گئے۔

آج مسٹر سیاد یج ڈائرکٹر جنرل مال کا خط سکاٹلینڈ سے آیا جس میں انھوں نے ہمارے وفد کا خیر مقدم کرتے ہوئے اوائل جولائی میں لندن آکر وفد کو بہت سارا مواد دینے کا وعدہ کیا ہے جو انھوں نے ہمارے لیئے جمع کیا ہے۔

شام کے پونے چار بجے نواب زین یار جنگ بہادر کو لینے کیلئے مڈل سکس کے ہوائی اڈہ ہیتھ رو گیا جو لندن سے بیس میل دور ہے

راستہ میں لندن کے صاف ستھرے مضافات اور جابجا سلیقہ کے ساتھ بنی ہوئی سڑکیں مکانات اور باغ نظر آئے۔ اس حصہ میں بہت سارے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ معلوم ہوا کہ غنیم نے پچھلی جنگ میں اس طرف کا رخ نہیں کیا۔ ہماری اطلاع کے بموجب پونے پانچ بجے ملٹری کا ہوائی جہاز آر۔اے۔ایف یہاں اترنے والا تھا مگر پہنچنے پر معلوم ہوا کہ نصف گھنٹہ پہلے ہی جہاز آچکا۔ تھوڑی دیر میں نواب زین یار جنگ بہادر کسٹم وغیرہ کے مرحلے طے کر کے آئے۔ قاہرہ پر ہوائی جہاز سے ان کا (۹۰۰) روپیہ کا کیمرہ کھوجانا بیان کیا اس جہاز سے خان صاحب دوست محمد خاں صاحب فرزند نواب احمد نواز جنگ بہادر بھی لندن آئے۔

شام کے کھانے کی دعوت خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب نے ویرا سوامی انڈیا رسٹورنٹ میں دی تھی اس لیئے ان کے ساتھ اس رسٹورنٹ کو گیا جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ دروازے پر ایک باڈی گارڈ ہندوستانی کو شملہ میں کھڑا ہوا پایا اوپر کی منزل پر ایک ہندوستانی کو ہندوستانی لباس میں اور کوٹ اور ٹوپی لینے کیلئے متعین کیا گیا ہے کھانے کے کمرہ میں ہندوستانی لباس میں گلابی نیلے اور سفید شملوں میں ہندوستانی ویٹر کھانا کھلا رہے تھے اور ایک انگریز عورت بنارسی ساڑھی پہنے ہوئے شراب کی گلاس لیکر پھر رہی تھی ایک سیلون کا شخص بالوں میں کنگھی لگائے تہبند باندھے ہوئے سگریٹ سگار لے کر پھر رہا تھا۔ بہرکیف کمرہ کی آرائش اور ملازمین کے لباس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ ایک مشرقی رسٹورنٹ ہے زیادہ تر انگریز کھانا کھا رہے تھے ہمارے علاوہ دو ایک ہندوستانی اس وقت

اور وہاں جانے سے متعلق سہولتیں ہم پہنچانے کا انتظام ذریعہ ٹیلیفون کر دیا
وہاں سے نواب زین یار جنگ بہادر اور میں پیدل ہوتے ہوئے ہوٹل آئے
لندن میں ایک سہولت جا بجا یہ ہے کہ شام کے چھ بجے کے بعد جب دکانیں
بند ہو جاتی ہیں تو سگریٹ کی دکانوں کے آگے ایک الماری کے طور پر بورڈ
لگا رہتا ہے۔ جس میں پیسے ڈالنے کا سوراخ اور نیچے سگریٹ نکلنے
کی جگہ ہوتی ہے۔ چھ پنس کے سگریٹ اور ایک شلنگ کے سگریٹ کے لیئے دو
سوراخ بنے ہوئے تھے۔ ہم ایک شلنگ ڈال کر سگریٹ لینا چاہتے تھے۔
نواب زین یار جنگ بہادر نے اس میں شلنگ ڈالنے کے لیئے ہاتھ بڑھایا
عین اس وقت ایک راہ رو تیزی سے آگے بڑھا اور نواب زین یار جنگ بہادر
کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس وقت ہم نے دیکھا کہ ایک شلنگ والے سوراخ کے
نیچے لکھا ہوا تھا کہ یہ خانہ خالی ہے یعنی اس میں سگریٹ ختم ہو چکے ہیں اگر
یہ شخص ایسا نہ کرتا تو ہمارا شلنگ بیکار جاتا اور سگریٹ نہ ملتے۔ انگریزوں
کے متعلق یہ مسلّم ہے کہ وہ لین دین میں بہت دیانت دار ہیں۔ آج کی
اس مثال سے ثابت ہوا کہ وہ دوسرے کا بلا وجہ نقصان ہوتے
ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتے۔ یہ خوبی میں افراد کی بیان کر رہا ہوں اس کو
انگریز قوم کے سیاسی مسلک سے تعلق نہیں ہے۔

دوسرا واقعہ جو آج دیکھنے میں آیا وہ یہ تھا کہ ایک دکان کا
مالک اپنی دکان کے سامنے خود جھاڑو کے ذریعہ صفائی کر رہا تھا۔
اس مثال سے واضح ہے کہ یہاں کے لوگ کسی کام سے عار نہیں کرتے۔

اور صفائی کا بہت خیال رکھتے ہیں اس قوم کی یہ خوبیاں شاید خدا کو پسند ہیں
اور یہی وجہ ہے کہ دنیا میں یہ کامران ہیں۔ انگریز جس کام کو ہاتھ میں لیتے ہیں
بہت تندہی اور دیانت داری سے انجام دیتے ہیں۔ اپنے بچوں میں
ان عادتوں کو بچپن ہی سے پیدا کراتے ہیں۔ چونکہ یہاں خانگی ملازمین بہت
کم رکھے جاتے ہیں اس لیئے ماں باپ بچوں کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے
کا عادی کراتے ہیں۔ بازار کو ساتھ لے جاکر راستوں سے مانوس کراتے
ہیں اور تنہا راستہ پہچاننے اور خرید و فروخت کرنے کے طریقے سکھلاتے
ہیں۔ اپنی مثال سے ان کو دیانت کے ساتھ محنت کرنے کا عادی بناتے
ہیں۔ ہندوستان میں بچوں کو نوکروں کی صحبت میں چھوڑ دیا جاتا ہے ماں باپ
سے الگ رہ کر وہ نشو نما پاتے ہیں اور قسم قسم کی بُری عادتیں ان میں
پیدا ہو جاتی ہیں۔

پنجشنبہ ۲۷۔جون صبح میں کمرہ ہی میں کام کرتا رہا۔ دس بجے بعض حیدرآبادی
طالب علم آئے۔ دوپہر میں کھانے کے کمرہ میں لنچ کیلئے
جا رہا تھا کہ راستہ میں ہائی کمشنر فار انڈیا سر سیاموں زنگنا دہم سے
ملاقات ہوئی جو بمبئی کے ایک پارسی مہمان کو لے کر لنچ کے لیئے آئے تھے
مختصر سی بات چیت رہی۔ لنچ کے بعد نواب زین یار جنگ بہادر اور میں سینما
گئے جہاں فتح کی تقریب کا فلم جسے وکٹری سیلی بریشن کہتے ہیں، دکھلایا
جا رہا تھا۔ یہاں کے سیناؤں میں گھنٹوں مسلسل ایک ہی فلم بار بار دکھلایا
جاتا ہے۔ لوگ آتے رہتے ہیں جس وقت کسی حصہ سے جہاں وہ شریک

ہوتے ہیں فلم شروع ہوکر اسی حصہ پر دوبارہ آجاتا ہے تو چلے جاتے ہیں
یا ان کا جی چاہے تو بیٹھے رہتے ہیں اور کئی کئی بار اسی فلم کو دیکھتے ہیں۔
فلم دیکھنے کے بعد ہم شام کے (۴) بجے وہاں سے پیدل روانہ ہوئے۔
نائٹس برج کی سڑک پر ہیارڈ کی دکان میں گئے جہاں گوشت ترکاری
میوہ۔ میٹھائی۔ فرنیچر۔ کانچ کا سامان۔ ملبوسات۔ مصوری کے تصاویر۔
جواہرات غرض کہ ضرورت کی ہر چیز دستیاب ہوسکتی ہے۔ شاپ کے
حصے مختلف سامان کے لیئے مختص ہیں اور ہر جگہ قالین کا فرش بچھا ہوا ہے
شاپ کے اندر بنک بھی ہے جہاں لوگ اپنے کھاتے کھولتے ہیں اور خریدی
کی ادائی ان کے کھاتے میں لکھدی جاتی ہے۔ سامان خرید کر یہاں چھوڑ
جائیں تو کھاتہ داران کے مکانات پر وہ پہنچا دیا جاتا ہے۔ رسٹوران اور
اعلیٰ درجہ کا ڈائینگ روم اور حجامت بنانے کے کمرے بھی موجود ہیں۔
دکان کی کئی منزلیں ہیں ہر وقت متعدد لفٹ گاہکوں کو لیجانے لانے کیلئے
چلتے رہتے ہیں۔ بجلی سے چلنے والی سیڑھیاں یعنے اسکالیٹر بھی ہیں۔
دکان کے ایک خاص حصہ میں خطوط لکھنے کا کمرہ ہے جہاں متعدد میزیں
اور کرسیاں اور لکھنے کا سامان رکھا ہوا ہے۔ لوگ خط لکھ کر پوسٹ بکس
میں ڈال دیتے ہیں جو شاپ ہی کے اندر نصب ہے اور جہاں سے ڈاک
وقت پر روانہ کردی جاتی ہے۔ ہم نے رسٹوران میں چائے پی۔ اسی
شاپ کے قریب ہیڈ پارک ہوٹل ہے جس میں رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری
نواب حیدر نواز جنگ مرحوم ٹھیرے تھے جب کہ وہ راونڈ ٹیبل کانفرنس میں

شرکت کی غرض سے لندن آئے تھے۔ اس شاپ کو دیکھ کر ٹیوب ریلوے سے ہم سیوائے ہوٹل واپس ہوئے۔ نائٹس برج کی زیر زمین دوز ریلوے میں نیچے جانے اور اوپر آنے کے لیئے بجلی کی متحرک سیڑھیاں چلتی رہتی ہیں۔ شام کے (۶) بجے ہوٹل واپس ہو کر ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ خان صاحب دوست محمد خاں صاحب آئے اور بہ حیثیت ڈائرکٹر اسپیس ٹاس کمپنی، کا غذات رجسٹری پر میرے دستخط لیئے جسے وہ اپنے ساتھ حیدرآباد سے لائے تھے۔

لندن سے متعلق ایک ذکر طلب چیز یہ ہے کہ یہاں کی دکانیں شام کے (۵) بجے بند ہو جاتی ہیں اور کوئی چیز دستیاب نہیں ہو سکتی۔ سارے لندن کے کاروباری لوگ اس کی پابندی سختی سے کرتے ہیں دن بھر کاروبار کرنے کے بعد چاہے وہ سرکاری ملازمت ہو یا مزدوری یا دکانداری سب لوگ (۵) بجے کے بعد سیر و تفریح میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔ شنبہ کی سہ پہر سے لے کر دو شنبہ کی صبح تک جملہ کاروبار قطعاً بند رہتے ہیں۔ اور لندن ایک شہر خموشاں معلوم ہوتا ہے۔ انگریزوں نے اسے ایک قومی وطیرہ بنالیا ہے کہ مقررہ اوقات اور ایام میں کام کرتے ہیں اور تعطیل کے اوقات اور ایام میں تعطیل مناتے ہیں۔ یہ اصول اور طریق کار ان کی صحت کا ضامن ہے۔

تھامس کک اینڈ سنس اپنی ایک خاص موٹر کوچ میں مقررہ دنوں میں سیر کرنے والوں کو لندن کے مختلف حصوں میں لیجاتے ہیں۔

میں نے کل اپنے لیئے ایک ٹکٹ خریدنے کا انتظام کیا ہے۔

جمعہ ۲۸ ۔جون ہوٹل کے ویٹر سے گزشتہ شب کہدیا تھا کہ میں لندن کی سیر کے لیئے صبح (۹ ½) بجے روانہ ہوں گا میرا ناشتہ بجائے دس بجے کے (۹) بجے کمرہ میں لایا جائے۔ چنانچہ (۹) بجے ناشتہ کر کے برکلے اسٹریٹ پہنچا جہاں تھامس کک کا دفتر ہے۔ کوچ تیار تھی اس میں سوار ہو گیا۔ اس میں (۲۶) اشخاص کی جگہ تھی مگر سیر کرنے والے صرف چھ اشخاص نے ٹکٹ لیا تھا۔ ٹھیک پونے دس بجے ہماری پارٹی روانہ ہوئی۔ کمپنی کی طرف سے ایک شخص لندن کے حالات مسافروں سے بیان کرتا ہے۔ ہماری کوچ لندن کے ویسٹ اینڈ سے روانہ ہو رہی تھی اور مقررہ پروگرام کے لحاظ سے آج مسافروں کو لندن کے قدیم شہر ایسٹ اینڈ کی سیر کرائی جانے والی تھی۔ کوچ چلنے سے پہلے رہبر نے بیان کیا کہ جس مقام سے ہم روانہ ہو رہے تھے وہ ویسٹ منسٹر سٹی میں واقع ہے۔ ابتداء میں یہ رہائشی رقبہ تھا اور یہاں شاہی محلات مکانات اور باغات تھے۔ رفتہ رفتہ یہ کاروباری مقام بن گیا اور دکانات قائم ہو گئیں۔ قدیم محلات میں سے اس رقبہ میں اب سینٹ جیمس پیالیس رہ گیا ہے جو فی الوقت سرکاری مہمانوں کو ٹھیرانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔ جس وقت ہماری بس فلیٹ اسٹریٹ کے بازار سے گزری ہم سے کہا گیا کہ اس سڑک کے نیچے سے فلیٹ ندی بہہ کر تھیمس ندی میں گرتی تھی اب اسمیں شہر کا بدررو بنادیا گیا ہے۔

اور دور لے جاکر تھیمس ندی میں گرا یا گیا ہے ۔ لنڈن برج کو پار کر کے ہم قدیم شہر میں داخل ہوئے جسے سٹی کہتے ہیں ۔ تھیمس ندی پر (۱۴) پل ہیں جو بلدہ شہر ویسٹ اینڈ کو قدیم شہر ایسٹ اینڈ سے ملاتے ہیں ۔ قدیم شہر کے ایک حصہ میں ملکہ وکٹوریہ کے زمانے کے بعض دو منزلہ مکانات کو بطور آثار قدیمہ کے برقرار رکھا گیا ہے ۔ یہ مکانات باہر سے زیادہ تر لکڑی کے چوکھٹے کے ہیں جن میں آئینے نصب ہیں ۔ معلوم ہوا کہ قدیم شہر میں آج بھی کوئی سینما اور ناچ گانے کے مقامات نہیں ہیں ۔ مجھے اس موقعہ پر حیدر آباد کی وہ روایت یاد آئی کہ شہر حیدر آباد کی فصیل کے اندر یعنے شہر پناہ میں آج بھی سیندھی شراب اور مسکرات کی کوئی دکان نہیں ہے ۔

لنڈن کے قدیم شہر میں گلڈ ہال نامی عمارت صدیوں سے اسی حالت میں ہے جیسی کہ پہلے بنائی گئی تھی ۔ حالیہ جنگ کی بمب باری سے اس کے بعض حصوں کو نقصان پہنچا ہے اندر ایک بہت طویل ہال ہے جس کے دونوں جانب مجسمے بنے ہوئے ہیں ۔ مجسموں کے بعض اعضاء بمب کے دھماکے سے ٹوٹ گئے ہیں ۔ اس تاریخی عمارت میں لنڈن کے میر کا انتخاب عمل میں آتا ہے ۔ اور یہیں سے ہر سال اس کا جلوس نکلتا ہے ۔

لارڈ میر کو ایک سال تک کام کرنے کے بعد بیرونٹ (یعنے سر کا خطاب) بنا دیا جاتا ہے اور اگر وہ اس خدمت پر رہ کر انتقال کر جائے تو اس کی قبر سنٹ پال کے گرجا میں جو یہاں کا

میں نے کل اپنے لیئے ایک ٹکٹ خریدنے کا انتظام کیا ہے۔

جمعہ ۲۸۔جون | ہوٹل کے ویٹر سے گزشتہ شب کہدیا تھا کہ میں لندن کی سیر کے لیئے صبح (۹½) بجے روانہ ہوں گا میرا ناشتہ بجائے دس بجے کے (۹) بجے کمرہ میں لایا جائے۔چنانچہ (۹) بجے ناشتہ کر کے برکلے اسٹریٹ پہنچا جہاں تھامس کک کا دفتر ہے۔کوچ تیار تھی اس میں سوار ہوگیا۔اس میں (۲۶) اشخاص کی جگہ تھی مگر سیر کرنے والے صرف چھ اشخاص نے ٹکٹ لیا تھا۔ٹھیک پونے دس بجے ہماری پارٹی روانہ ہوئی۔کمپنی کی طرف سے ایک شخص لندن کے حالات مسافروں سے بیان کرتا ہے۔ہماری کوچ لندن کے ویسٹ اینڈ سے روانہ ہورہی تھی اور مقررہ پروگرام کے لحاظ سے آج مسافروں کو لندن کے قدیم شہر ایسٹ اینڈ کی سیر کرائی جانے والی تھی۔کوچ چلنے سے پہلے رہبر نے بیان کیا کہ جس مقام سے ہم روانہ ہو رہے تھے وہ ویسٹ منسٹر سٹی میں واقع ہے۔ابتداء میں یہ رہائشی رقبہ تھا اور یہاں شاہی محلات مکانات اور باغات تھے۔رفتہ رفتہ یہ کاروباری مقام بن گیا اور دکانات قائم ہو گئیں۔قدیم محلات میں سے اس رقبہ میں اب سینٹ جیمس پیالیس رہ گیا ہے جو فی الوقت سرکاری مہمانوں کو ٹھیرانے کے کام میں لایا جاتا ہے۔جس وقت ہماری بس فلیٹ اسٹریٹ کے بازار سے گزری ہم سے کہا گیا کہ اس سڑک کے نیچے سے فلیٹ ندی بہہ کر ٹیمس ندی میں گرتی تھی اب اسمیں شہر کا بدررو بنا دیا گیا ہے

اور دور لے جاکر تھیمس ندی میں گرا یا گیا ہے۔ لنڈن برج کو پار کر کے ہم قدیم شہر میں داخل ہوئے جسے سٹی کہتے ہیں۔ تھیمس ندی پر (۱۴) پل ہیں یہ جو جدید شہر ویسٹ اینڈ کو قدیم شہر ایسٹ اینڈ سے ملاتے ہیں۔ قدیم شہر کے ایک حصہ میں ملکہ وکٹوریہ کے زمانے کے بعض دو منزلہ مکانات کو بطور آثار قدیمہ کے برقرار رکھا گیا ہے۔ یہ مکانات باہر سے زیادہ تر لکڑی کے چوکھٹے کے ہیں جن میں آئینے نصب ہیں۔ معلوم ہوا کہ قدیم شہر میں آج بھی کوئی سینما اور ناچ گانے کے مقامات نہیں ہیں۔ مجھے اس موقعہ پر حیدرآباد کی وہ روایت یاد آئی کہ شہر حیدرآباد کی فصیل کے اندر یعنے شہر پناہ میں آج بھی سیندھی شراب اور مسکرات کی کوئی دکان نہیں ہے۔

لنڈن کے قدیم شہر میں گلڈ ہال نامی عمارت صدیوں سے اُسی حالت میں ہے جیسی کہ پہلے بنائی گئی تھی۔ حالیہ جنگ کی بمب باری سے اس کے بعض حصوں کو نقصان پہنچا ہے اندر ایک بہت طویل ہال ہے جس کے دونوں جانب مجسمے بنے ہوئے ہیں۔ مجسموں کے بعض اعضاء بمب کے دھاکے سے ٹوٹ گئے ہیں۔ اس تاریخی عمارت میں لنڈن کے میر کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔ اور یہیں سے ہر سال اس کا جلوس نکلتا ہے۔

لارڈ میر کو ایک سال تک کام کرنے کے بعد بیرونٹ (یعنے سر کا خطاب) بنا دیا جاتا ہے اور اگر وہ اس خدمت پر رہ کر انتقال کر جائے تو اس کی قبر سنٹ پال کے گرجا میں جو یہاں کا

تھے انھیں بھی ہم نے یہاں دیکھا۔ قدیم زمانہ کی تلواریں بہت لمبی ہوتی تھیں البتہ شاہ اڈورڈ کی تلوار بالکل اسی قسم کی ہے جیسی کہ حیدرآباد کے سیول عہدہ داران کے لئے یونیفارم کے ساتھ معین کی گئی ہے۔ ٹاور آف لندن کے فوجی پہرہ دار اب بھی قدیم طرز کی داڑھی والی ٹوپی اور نیلا لباس پہنتے ہیں۔ مجھے مصری ٹوپی میں دیکھ کر وہاں کے ایک افسر نے کہا کہ قدیم الایام میں بالکل اسی قسم کی ٹوپی انگلینڈ میں پہنی جاتی تھی البتہ پھندنا بجائے پیچھے کے بازو میں رکھا جاتا تھا۔

ٹاور آف لندن سے باہر آنے پر مسافروں کو قریب کے ہوٹل میں چائے پینے کے لئے دس منٹ دیئے گئے۔ اس ہوٹل میں گاہکوں کے لئے ایک نیا طریقہ دیکھا گیا۔ ایک میز پر المونیم کی کشتیاں رکھی ہوئی تھیں اور ایک تختی پر لکھا تھا کہ ہر گاہک ایک کشتی اٹھائے یہاں سے کشتی لیکر آگے بڑھنے پر ایک کٹہرا لگا ہوا تھا جس میں سے ایک ایک کر کے گاہک بڑھتا تھا۔ میزوں پر سامنے سلسلہ سے پیالیوں میں چائے کافی، رکابیوں میں مختلف قسم کے کھانے۔ روٹی۔ جام کیک بسکٹ اور خالی تشتریاں رکھی ہوئی تھیں۔ جو چیز جس کو پسند آئی اس نے خود جس مقدار میں چاہی لے کر اپنی کشتی میں رکھ لی اور آگے بڑھ گیا۔ کٹہرے کے ختم پر ایک تختی لگی تھی جس پر لکھا تھا کہ یہاں رقم ادا کی جائے ایک عورت کٹہرے کے پاس بیٹھی ہوئی تھی جو ایک مشین میں سے بٹن دبانے پر نکلتا تھا۔ اور کشتی کے سامان کو دیکھ کر کہتی تھی کہ اتنے پیسے ہوئے۔ گاہک پیسے دے کر کٹہرے سے باہر نکلتا تھا اور اس کے بعد جس میز پر وہ چاہتا تھا بیٹھ کر کھا لیتا تھا اور چلا جاتا تھا۔ ایک خادمہ خالی کشتیاں کو جمع کر لیتی تھی۔ اس طریق کار میں ملازمین کی بہت بچت ہوتی ہے

اگرچہ کہ گاہکوں کو تھوڑی سی زحمت ہے۔ چائے پینے کے بعد ہم سب کوچ میں سوار ہو گئے اور ایسٹ اینڈ کے مختلف مقامات کو دیکھتے ہوئے لڈگیٹ ہل میں سینٹ پالس کتھیڈرال پہنچے۔ یہ گرجا بہت قدیم ہے ۱۶۶۶ء کی آتش زدگی کے بعد اسے دوبارہ تعمیر کیا گیا ہے۔ یہ عمارت ۵۱۵ فیٹ لمبی اور ۲۵۰ فیٹ چوڑی ہے۔ اور اونچائی میں ۳۶۵ فیٹ ہے۔ گرجا کی سیڑھیوں کے سامنے لوہے کی کٹگر سے محصور مختصر سا کمپونڈ ہے۔ جس میں کوئن میری کا مجسمہ ہے۔ اندر داخل ہونے کے بعد تقریباً (۵۰۰) فیٹ لمبا اور بہت چوڑا ہال ملتا ہے۔ جس کے دونوں بازوؤں میں نہایت خوبصورت کمانیں ہیں۔ ان کمانوں میں چھوٹے عبادت گاہ ہیں۔ اور جگہ جگہ پر انگلستان کے مشہور فوجی افسروں۔ ملاحوں اور مصوروں کی قبریں ہیں یا ان کے مجسمے ہیں۔ نیلسن جس کا مجسمہ ایک بلند مینار پر ٹرافلگر اسکوائر میں کھڑا کیا گیا ہے اس کی قبر اس گرجا میں بنائی گئی ہے۔ بعض قبریں زمین سے بہت بلند بنائی گئی ہیں اور بعض بالکل زمین دوز ہیں ان پر لوگ برابر جوتوں سے چل رہے تھے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قبروں کی حرمت ضروری نہیں خیال کی جاتی۔ ہال کے آخر میں سب سے اونچے اور بڑے گنبد کے نیچے اصل پرستش گاہ ہے۔ سب سے اونچے گنبد پر ٹکٹ لے کر جا سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اوپر جانے کے بعد گنبد کے ایک سرے پر آہستہ بات کی جائے تو دوسری طرف کا شخص اس کو اس طرح سن سکتا ہے جیسے کہ ٹیلیفون سے۔ انگریزی میں اس کو وہیسرنگ گیالری کہتے ہیں اس قسم کی صنعت بیجاپور کے ایک گنبد میں میں نے ۱۹۱۶ء میں دیکھی تھی۔ قدیم شہر میں

آج دو لینڈو گاڑیاں جن میں دو دو گھوڑے جتے ہوئے تھے جاتی ہوئی دکھائی دیں۔ یہاں کے کسی لارڈ کے علاقہ کی معلوم ہوئیں۔

لارڈ چیمبرلین نے ملک معظم کی جانب سے سہ شنبہ ۹ جولائی کو شام کے (۴) اور (۶) کے درمیان بکنگھم پیالیس میں گارڈن پارٹی کی دعوت کا رقعہ روانہ کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ موسم اچھا ہو تو دعوت ہوگی۔ میرا ارادہ ہے کہ اس میں شرکت کروں۔

صنعتی اور تجارتی وفد کے کام کا پروگرام ہم نے نواب زین یار جنگ بہادر کے آنے کے ساتھ ہی مرتب کر لیا تھا جس کے بموجب کام شروع کر دیا گیا ہے چونکہ پروگرام راز میں رکھا گیا ہے اس لئے اس ڈائری میں سرکاری کام سے متعلق کوئی تذکرہ مناسب نہیں خیال کیا گیا اور نہ آئندہ ایسا تذکرہ اس ڈائری میں ہوگا کیونکہ یہ خانگی ڈائری ہے۔

سینٹ پال کتھیڈرل کو دیکھنے کے بعد جس کا ذکر اوپر ہوا ہے میرے تاثرات یہ ہیں کہ اس کی حیثیت عبادت گاہ کے بجائے اب ایک عجائب گھر کی سی ہوگئی ہے۔ اس کثرت سے اسمیں قیمتی منقوش پتھر، پیتل اور دوسری دھات کی قبریں۔ کتبے۔ تصویریں اور مجسمے جا بجا نصب کئے گئے ہیں اور نقاشی و سنگ تراشی کا ایسا عمدہ کام ان پر کیا گیا ہے کہ عبادت گاہ کی حیثیت ایک ثانوی درجہ کی ہو کر رہ گئی ہے سارے لندن کی سڑکوں اور سرکاری اور خانگی عمارتوں پر اس کثرت سے انسانوں حیوانوں اور پرندوں کے مجسمے بنے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ میرے خیال میں انگریز قوم جو اس وقت

سور ما پرستی کہکر ان کو نصب کر رہی ہے وہ آگے چل کر کہیں بت پرست نہ ہوجائے کیوں کہ یہ چیز حدود اعتدال سے بہت متجاوز ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

شنبہ ۲۹۔جون آج موسم کی خرابی کی وجہ سے دن بھر ہوٹل ہی میں رہا اور کلام کرتا رہا۔اس سے پہلے میں نے سیوائے ہوٹل کا سرسری تذکرہ کیا ہے۔آج کچھ فرصت ہے اس لیئے وضاحت سے اس کے حالات درج کرتا ہوں یہ ہوٹل لندن کی ایک اہم سڑک اسٹرانڈ پر واقع ہے۔اور بڑی ہوٹلوں میں سب سے زیادہ ممتاز ہے یہ عمارت ابتداءً ہوز آف سیوائے کی رہائش کے لیئے استعمال ہوتی ہے اسطرح اس عمارت کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے۔مختلف اوقات میں جو تاریخی واقعات یہاں گزرے ان کا حال سنگ مہر کی بڑی بڑی تختیوں پر کندہ کر کے ہوٹل کے داخلہ کے راستہ پر دیوار میں نصب کیا گیا ہے۔داخلہ کے راستہ پر بہت وسیع آئینہ کا سائبان بنا ہوا ہے جس کے نیچے موٹریں آکر ٹھیرتی ہیں۔دو بڑے آئینہ کے دروازوں میں سے جو گول چکر کھاتے رہتے ہیں لوگوں کی آمدورفت رہتی ہے۔آئینہ کے سائبان کے پاس دو یا تین ملازم اعلیٰ درجہ کی وردی پہنے ہوئے ہر وقت کھڑے رہتے ہیں مسافروں کا سامان موٹر سے اُتارتے اور اندر لیجاتے ہیں نیز موٹر کار کا دروازہ کھولتے اور بند کرتے ہیں۔گول پھرنے والے دروازوں کے اندر ایک ملازم وردی میں ہر وقت کھڑا رہتا ہے۔اور لوگوں کو آتے یا جاتے دیکھ کر دروازے کو گھما دیتا ہے۔اندر داخل ہوتے ہی سیدھے جانب تین یا چار اشخاص وردیوں میں یا سیاہ سوٹ میں ایک کاؤنٹر کے پیچھے ہمیشہ مصروف کار

نظر آتے ہیں یہاں نمبر وار الماریاں ہیں ہر خانہ ایک نمبر کے لیئے مختص ہے جس میں اس کمرہ سے متعلق کنجیاں اور اگر کوئی خطوط وغیرہ آئے ہوں تو رکھد یئے جاتے ہیں۔ لندن کی تمام ہوٹلوں میں طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی کوئی مسافر ہوٹل سے باہر جاتا ہے تو اپنے کمرے کی کنجی یہاں دے جاتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو یہیں سے کنجی واپس لیکر اپنے کمرہ کو جاتا ہے۔ سیوائے ہوٹل (۸) منزلہ ہے اوپر جانے اور اُترنے کے لیئے کئی لفٹ لگے ہوئے ہیں جن پر باری باری سے رات دن ملازم متعین رہتے ہیں۔ سارے ہوٹل میں داخلہ سے لے کر کمروں کے اندر تک، مخمل کا فرش بچھا ہوا ہے۔ صفائی کا یہ عالم ہے کہ کہیں تنکا نظر نہیں آتا۔ ہر وقت صفائی ہوتی رہتی ہے۔ ہر کمرہ کے غسل خانہ میں ایک بڑا اور ایک چھوٹا توال دو دستمال یعنے نیاپکین اور صابن رکھے رہتے ہیں۔ جن کو وقتاً فوقتاً بدل دیا جاتا ہے۔ غسل خانہ میں ہر وقت گرم اور ٹھنڈا پانی نلوں کے ذریعہ آتا رہتا ہے۔ تین ملازموں کے بلانے کے لیئے ہر کمرہ میں بجلی کے بٹن لگے ہوئے ہیں۔ ایک ویٹر کے لیئے جو صبح کی چائے اور بریکفاسٹ یعنے ناشتہ کمرہ میں لادیتا ہے۔ دوسرا ویالے کیلئے جو کپڑوں پر استری اور جوتوں کو صاف کر دیتا ہے۔ تیسرا میڈ کے لیئے جو کمرہ کے فرش کو برش سے صاف کرتی ہے! اور بستر لگاتی ہے۔ بستر کی چادریں اور تکیوں کے غلاف ہر دوسرے یا تیسرے دن بدل دیئے جاتے ہیں۔ موسم بالعموم سرد رہتا ہے اس لیئے بستر اس طرح کیا جاتا ہے کہ بلانکٹ اور رضائی کو سفید چادرمیں نیچے اور اوپر رکھ کر توشک کے نیچے دبا دیا جاتا ہے۔ اور ایک کونہ اس طرح اُلٹ کر رکھدیا جاتا ہے کہ اس کے اندر سے ہو کر آپ لیٹ جاتے ہیں

اس طرح گویا گرم کپڑوں کے لفافہ میں بند ہو جاتے ہیں اس ضمن میں ایک واقعہ کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ایک ہندوستانی صاحب جو پہلی دفعہ لندن آئے تھے اور ڈارچیسٹر ہوٹل میں ٹھیرے تھے بستر کے اس طریق سے واقف نہ تھے۔ شب میں کمرہ بند کر کے لیٹنے کا جب ارادہ کیا تو دیکھا کہ اوڑھنے کے لیے کوئی بلانکٹ یا گرم چیز نہیں ہے بڑے تردد میں پڑ گئے بالآخر اونی پاجامہ اور سوئٹر پہنا اور اس پر سے اور کوٹ پہنکر سر پہ گلو بند لپیٹا اور رات گزار دی علی الصبح اپنے ایک ساتھی کے کمرے کو کھٹکٹایا اور غصہ سے کہا کہ آپ مجھے ایسے ہوٹل میں کیوں لائے جہاں رات میں اوڑھنے کے لئے بلانکٹ نہیں دیجاتی میں اپنے ساتھ بستر اس لیئے نہیں لایا کہ مجھ سے کہا گیا تھا کہ یورپ میں ہر جگہ بستر مہیا کیا جاتا ہے۔ میں آج ہی کسی دوسرے ہوٹل میں منتقل ہونا چاہتا ہوں ورنہ سردی سے میری موت واقع ہو جائے گی۔ ان کے دوست نے مسکرا کر کہا کہ میں بھی تو دیکھوں کہ آپ کا بستر فی الحقیقت کیسا ہے۔ کمرہ میں جا کر انہوں نے بستر کا وہ کونہ الٹا کر دکھلا دیا جس میں سے اندر داخل ہونا چاہیئے تھا تو شکایت کرنے والے بہت خفیف ہوئے اور اپنے دوست سے وعدہ لیا کہ وہ اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کریں گے مگر آخر کو راز فاش ہو کر رہا اور واقف کاروں نے انہیں بہت دق کیا۔

ہر کمرہ اور ہر باتھ روم میں ٹیلیفون نصب ہے جہاں سے بوقت ضرورت بات چیت ہو سکتی ہے۔ کھانا کھانے کا کمرہ نہایت وسیع اور مرصع فرنیچر اور آئینوں اور بڑے بڑے آویزاں بجلی کے جھاڑوں سے آراستہ،

اس ہال میں بوقت واحد روزانہ (۸۰۰) اشخاص صبح اور شام لنچ اور ڈنر کھاتے ہیں۔ جو لوگ ہوٹل میں قیام نہیں کرتے وہ بھی پہلے سے لنچ اور ڈنر کے آرڈر دیکر جگہ محفوظ کرا لیتے ہیں امسال اور اُن کی بیویاں یہاں اکثر کھانے کے لیئے آتے رہتے ہیں۔ سوائے ہوٹل میں مختلف اقوام کے لوگ، انگریز، ہندوستانی، ڈچ، فرنچ، سوئز، پولس وغیرہ ٹھیرتے ہیں۔ ہمارے زمانہ قیام میں سر خضر حیات خاں صاحب وزیر اعظم پنجاب۔ ہز ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال، ہز ہائی نس مہاراجہ جیپور، ہز ہائی نس نواب صاحب بھاول پور، سر راماسوامی مدلیار وغیرہ یہاں ٹھیرے ہوئے تھے۔

کھانے کے ہال میں داخل ہونے سے پہلے مہانوں کے لیئے ضروری ہے کہ اپنا اور کوٹ، برساتی اور ٹوپی کلوک روم میں چھوڑ دیں جہاں ایک ملازم ان کی حفاظت کے لیئے مقرر ہے کلوک روم سے متصل طہارت خانہ ہے جس میں پیشاب کرنے، منہہ ہاتھ دھونے اور کپڑوں کو برش کرنے کا سامان مہیا ہے۔ کلوک روم سے کپڑے اور ٹوپی واپس لیتے وقت اور غسل خانہ سے نکلتے وقت وہاں کے نگران ملازم کو چھ پنس انعام دینا ناگزیر ہے۔

کھانے کے ہال میں تقریباً (۱۵ یا ۲۰) ویٹر پورے شام کے لباس میں جسے ایوننگ ڈریس کہتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں۔ اور اتنے ہی زنانہ ویٹرس سفید لباس میں سیاہ ٹائی باندھے ہوئے میزوں پر کام کرتی رہتی ہیں ان سب کی نگرانی ایک ہیڈ ویٹر یعنے صدر خدمت گار کرتا رہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہیڈ ویٹر کی ماہوار آمدنی دس ہزار روپیہ سے کم نہیں ہے کیوں کہ کئی سو

اشخاص صبح شام کھانا کھاتے ہیں اور یہاں کے طریق کے مطابق ہر شخص اپنے کھانے کے بل کا (۱۰) سے لے کر (۱۵) فیصد بطور انعام کے میز پر چھوڑ جاتا ہے۔

رات کے کھانے کے وقت ہوٹل کا بیانڈ بجتا رہتا ہے۔ سیوائے بیانڈ لندن کا مشہور بیانڈ ہے شب کے کھانے کے بعد ڈائننگ ہال کے ایک حصہ میں ناچ بھی ہوتا ہے۔

سیوائے ہوٹل کا کھانا میری رائے میں لندن کی اکثر بڑی ہوٹلوں سے بہتر ہے میں نے اور کئی ہوٹلوں میں کھایا مگر یہاں کے کھانے کی لذت نہیں پائی۔ میں نے ابتداء ہی میں خدمتگاروں سے کہدیا تھا کہ میں خنزیر کا گوشت اور شراب کا عادی نہیں ہوں ان اشیاء کو یا ان کی شرکت سے جو کھانے پکائے جائیں میری میز پر نہ دیئے جائیں۔

ڈائننگ ہال کے علاوہ سیوائے گرل کے نام سے بھی ایک اور وسیع کمرہ کھانے کا ہے جس میں کم و بیش روزانہ تین سو اشخاص صبح اور شام کھانے کے لئے آتے ہیں اس میں کھانے کا کوئی مقررہ مینو نہیں ہے بلکہ ایک بڑی فہرست سے انتخاب کر کے جو چیز آپ کھانا چاہیں طلب کر سکتے ہیں۔ یہاں اور ڈائننگ ہال میں دونوں جگہ آجکل کے قواعد کے لحاظ سے تین کھانوں سے بڑھ کر جس میں میٹھا بھی شامل ہے نہیں سربراہ کئے جاتے۔ ان کے علاوہ طلب کرنے پر روٹی بھی دیجاتی ہے۔

ڈائننگ ہال اور گرل روم کے درمیان اُٹھنے بیٹھنے کا کمرہ یعنے لونج ہے جہاں آرام دہ گدی کے صوفے اور کرسیاں۔ لکھنے کی میز اور اخبارات

رکھے رہتے ہیں کھانے سے پہلے یہاں لوگ بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں خط لکھتے ہیں یا اخبار پڑھتے ہیں۔ مقیم مہمانوں سے ملنے کے لیئے جو لوگ آتے ہیں وہ بھی یہیں انتظار کرتے ہیں۔

متعدد کمسن لڑکے جن کو پیج بائے کہتے ہیں خوبصورت وردیوں میں چلر کاموں کے لیئے مامور ہیں۔ یہ کمروں میں خط اور اخبار لا دیتے ہیں یا کوئی ملاقاتی آئے تو اس کو کمروں میں پہنچا تے ہیں۔

لنڈن کی دوسری مشہور ہوٹلیں جن میں کم و بیش اسی پیمانہ پر انتظام ہے وہ یہ ہیں :-

۱۔ وار چیسٹر ہوٹل
۲۔ رٹنز ہوٹل
۳۔ مے فیر ہوٹل
۴۔ گرووینز ہوٹل
۵۔ ہائیڈ پارک ہوٹل
۶۔ کیالرج ہوٹل

ان سب ہوٹلوں کے کمروں کا کرایہ روزانہ (۲) گنی سے لے کر (۳) گنی تک ہوتا ہے، جس میں کھانے کے اخراجات شامل نہیں ہیں۔ ان اخراجات کو بلوں میں علٰحدہ شریک کیا جاتا ہے چونکہ اکثر لوگ یہاں باہر لنچ اور ڈنر پر مدعو رہتے ہیں، یا دوسروں کو اپنے ہوٹل میں بلا لیتے ہیں اس لیئے کھانے کا حساب علٰحدہ رکھا جاتا ہے ٹیلیفون اگر دیا جائے یا کپڑوں پر استری کرائی جائے یا کپڑے

دھلوائے جائیں تو اس کے علحدہ اخراجات ہوٹل کے بل میں لگائے جاتے ہیں
غرض یہ کہ سیوائے ہوٹل ہو یا کوئی اور ہوٹل یہاں قدم قدم پر پیسہ صرف کرنا پڑتا
ہے بالخصوص آجکل کے زمانے میں جب کہ ایک پاؤنڈ کی قیمت ایک تہائی سے کم
رہ گئی ہے۔

یکشنبہ ۳۰۔جون

صبح میں نواب زین یار جنگ بہادر سے بعض امور میں تبادلہ
خیال ہوا۔ دوپہر کا لنچ میں نے مسٹر اور مسز خدا بخش اور زماں الضا جیب
دوست محمد الہ الدین صاحب کے ساتھ ٹولیمی رسٹورنٹ میں کنگس انڈ روڈ پر کھایا
جہاں مسٹر اور مسز خدا بخش نے ہمیں مدعو کیا تھا۔ مسٹر خدا بخش ان دو ہندوستانیوں
میں سے ایک ہیں جو انگلش فلم کمپنیوں میں کام کرتے ہیں۔ ان کی اٹالین بیوی بھی سینما
کی فلم اسٹار ہیں ان دونوں نے امریکہ میں بھی کام کیا ہے۔ مسٹر خدا بخش کشمیر کے
باشندے ہیں تقریباً (۲۰) سال سے یورپ اور امریکہ ہی میں ہیں۔ ان میں بعض
غیر معمولی باتیں ہیں یہ زبردست مسمیرسٹ ہیں۔ قوت ارادی کو اتنا زیادہ ترقی
دی ہے کہ ان کے جسم میں بندوق چلا کر گولی داخل کی جائے تو بلا کسی بیرونی
امداد کے محض قوتِ ارادی سے اسکو خارج کر دیتے ہیں ایک پنڈلی میں
گولی کے نشان موجود ہیں ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیجائے تو بھی انہیں ہر چیز
نظر آتی ہے اور لندن جیسے کاروباری اور معروف شہر کی سڑکوں پر سے اس حالت
میں گزر سکتے ہیں لندن میں ان کو زمین کے اندر کئی فٹ کی گہرائی میں دفن کر دیا
گیا تھا اور (۱۸) گھنٹے اس طرح مدفون رہنے کے بعد صحیح و سلامت نکالے گئے
ان کے کمالات کی نسبت امریکہ اور لندن والوں نے کئی کتابیں لکھی ہیں اور

دنیا کے اخبارات نے جو تبصرہ ان کی نسبت کیا ہے وہ ان کے پاس موجود ہے
کسی روز مجھے انہوں نے ان کتب اور اخبارات کو لاکر دکھلانے کا وعدہ کیا ہے
جن کو دیکھنے کے بعد میں ان فوق العادات امور کی نسبت قطعیت سے صحیح رائے
قائم کروں گا۔ انھوں نے اور ان کی بیوی نے اس ہوٹل میں بطور خاص اس لیئے
مدعو کیا تھا کہ یہ ہوٹل اٹالین چلا رہے ہیں۔ جو دنیا میں بہترین پکانے والے پائے
گئے ہیں۔ فی الحقیقت یہاں کے سب کھانے نہایت لذیز تھے ڈبل روٹی استدر
لذیز تھی کہ میں نے اتنی اچھی روٹی کبھی نہیں کھائی۔

لنچ کھاکر ۱/۲ ۲ بجے سیوائے ہوٹل آیا اور ۱/۲ ۳ بجے نواب زین یار جنگ بہادر
مولوی میر لایق علی صاحب نواب میر نواز جنگ بہادر اور خان بہادر عبد الکریم
بابو خاں صاحب کے ساتھ ووکنگ گیا جو یہاں سے (۱۴) میل ہے! ور جہاں امام صاحب
قادیانی مسجد نے مدعو کیا تھا۔ ہم وہاں ۱/۲ ۴ بجے پہنچے قادیانی صاحبان نے
اس مقام پر دو بنگلے خرید رہے ہیں ایک بنگلہ کے پیچھے مسجد تعمیر کی ہے جو
ووکنگ کی مسجد سے کسی قدر بڑی ہے۔ سر خضر حیات خاں صاحب،
سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور عراق کے سفیر کے دفتر کے ایک مسلمان
عہدہ دار اور کئی انگریز نو مسلم صاحبان موجود تھے اولاً ایک نومسلم انگریز صاحب
نے ورود پڑھا اس کے بعد مولوی جلال الدین شمس صاحب امام مسجد نے انگریزی
میں ایک تقریر پڑھی جس میں سر خضر حیات خاں صاحب اور حیدرآباد کے
صنعتی و فدا ور سفارت خانہ عراق کے عہدہ دار صاحب کا خیر مقدم کیا
گیا تھا۔ اور احمدیہ تحریک سے متعلق وضاحت کی گئی تھی کہ کس طرح یورپ میں

تبلیغ کا کام آغاز کیا گیا اور کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کے بعد سر عزیز الحق ... صاحب اور نواب زین یار جنگ بہادر نے جوابی تقریریں کیں۔ آخر میں سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اسلام اور تبلیغ اسلام پر ایک بصیرت افروز تقریر کی جس کے بعد چائے اور فواکہات سے مہمانوں کی تواضع کی گئی شام کے (۵½) بجے مہمان واپس ہوئے۔

احمدیہ انجمن تبلیغ کا کام بڑے استقلال سے یورپ میں کر رہی ہے۔ اگرچیکہ بعض بنیادی چیزوں میں مسلمانوں کو احمدیہ جماعت کے عقاید سے اختلاف ہے مگر میں سمجھتا ہوں جو جو تبلیغ بھی فی الوقت یورپ میں ہو سکے اور جتنے اشخاص بھی اسلام میں شامل ہوں اس سے اسلامی جماعت کو تقویت ہی ہوگی۔

دوشنبہ یکم جولائی | دن کے بارہ بجے تک کمرہ میں کام کرتا رہا (۱۲) بجے خان بہادر عبد الکریم بابو خاں صاحب آئے ان کے ساتھ بازار گیا اور پکاڈلی میں سوویان اینڈ اڈجر کی دکان میں گیا جو یہاں کی بڑی اور مشہور دکان ہے جس میں ہر قسم کی اشیاء ملتی ہیں۔ کئی شعبے مختلف منزلوں پر ہیں۔ جہاں لفٹ کے ذریعہ گاہک آتے جاتے ہیں۔ تین بجے واپس ہوا اور شام کے (۶) بجے سوئٹزرلینڈ کے دفتر سفراء کے بعض اشخاص سے تبادلہ خیال کے لئے جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی اس میں شریک ہوا۔ اس کے بعد ڈارچسٹر ہوٹل میں خان صاحب دوست محمد خاں صاحب کی دعوت عشائیہ میں شریک ہوا جو انھوں نے سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے

اعزاز میں دی تھی۔

شہر لندن کی ایک خصوصیت کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کسی بڑی شاہراہ پر پٹرول کے پمپ یا پٹرول فروخت کرنے کی دکانیں نہیں ہیں اور نہ کہیں بڑے راستوں پر یا مکانات میں موٹر گراج ہیں۔ پٹرول فروخت کرنے کی دکانیں اور پمپ اندرونی راستوں میں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑی سڑکوں پر اس قدر زیادہ لوگوں۔ ٹرام گاڑیوں۔ بسوں اور موٹر کاروں کا عبور و مرور رہتا ہے کہ یہاں کسی مقام پر ٹھیر کر پٹرول لیا جائے تو آمدورفت میں خلل ہوتا ہے۔

بڑی شاہراہوں پر کوئی سواری کسی وجہ سے کیوں نہ ہو پلٹنا ممنوع ہے۔ اگر سواری کو پلٹنا ہو تو آگے بڑھ کر جو پہلی بازو کی سڑک ملتی ہے اس میں سے ہو کر دوسری جانب سے شاہراہ پر آسکتے ہیں۔

موٹر کاروں کے رکھنے کے لیئے خاص مقامات پر موٹر گراج بنے ہوئے ہیں جہاں روزانہ مقررہ کرایہ دے کر لوگ اپنی موٹر رکھتے ہیں بہت کم لوگوں کے ہاں ان کی ذاتی موٹر ہے کیوں کہ محض گراج کا کرایہ ہی ماہانہ تقریباً یکسو (۱۰۰) روپیہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آرام دہ پبلک سواریاں مثلاً ٹکسی موٹر کار ٹرام اور ٹرالی بس۔ ٹیوب ریلوے سستے کرایہ پر ہر جگہ اور ہر وقت دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اس لیئے خانگی سواریوں کے رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

اگرچہ کہ ہر سڑک پر ہزاروں موٹر کار اور بس ہر وقت چلتے رہتے ہیں

مگر کبھی آپ کسی موٹر کو ہارن بجاتے ہوئے نہیں سنیں گے۔ بلا وجہ ہارن بجانے کی یہاں سزا مقرر ہے۔ اس کے دو اسباب ہیں کوئی پیدل راہ رو پیدل ہاتے کے بجز سڑک پر نہیں چلتا اور سڑک کو اسی وقت عبور کرتا ہے جب سرخ روشنی نمودار ہو کر تیز رفتار سواریاں رک جائیں اس وقت بھی لوگ ان ہی مقامات پر سے سڑک کو عبور کرتے ہیں جو مقرر کئے گئے ہیں۔ جہاں سڑکیں تنگ ہیں سواریوں کو ایک دوسرے کے آگے بڑھانے کی ممانعت ہے۔ جہاں سواریوں کی آمد و رفت میں شدت ہے وہاں یکطرفہ راستے معین کئے گئے ہیں۔

سہ شنبہ ۲۔ جولائی آج دن بھر کمرہ میں کام کرتا رہا (۳) بجے سہ پہر میں اسٹرانڈ اسٹریٹ میں کچھ دیر گھوم کر واپس آیا۔ شام کے (۶) بجے وفد کی ملاقات سر جارج شوسٹر سے سیوائے ہوٹل میں مقرر تھی جہاں وہ ٹھہرے ہیں ایک گھنٹہ تک گفتگو رہی۔

دو دن سے سخت دھوپ پڑ رہی ہے آج دن میں پسینہ بھی آتا رہا کہا جاتا ہے کہ اس سال ان دو دنوں میں گرمی سب سے زیادہ رہی۔ آج پارہ (۸۴) درجہ تھا۔ سر فرانک براؤن نے انڈین نیشنل اسوسی ایشن کی جانب سے بلومسبری مقام پر لنچ کی دعوت بھیجی ہے۔ پہلے سے دوسری مصروفیت ہونے سے شکریہ کے ساتھ میں نے معذرت چاہی۔

سر جارج شوسٹر جن سے آج شام ملاقات ہوئی حکومت ہند کے فینانس ممبر رہ چکے ہیں اور اب لندن کے متعدد بنکوں کے ڈائرکٹر ہیں ان کا اثر یہاں کے تجارتی حلقوں میں کافی اچھا ہے۔

چہارشنبہ ۴۔جولائی | دن کے ایک بجے برٹش انسولیٹڈ کیلنڈرکمپنی کے نظماء کی جانب سے کلیرج ہوٹل میں ہمارے وفد کو لنچ پر مدعو کیا گیا تھا۔

سر ولیم بارٹن سابق رزیڈنٹ حیدرآباد بھی جو اس کمپنی کے ایک ڈائرکٹر ہیں موجود تھے۔ ان کے علاوہ تین اور نظماء تھے۔ بہت پرتکلف انتظام تھا کھانے کے بعد مسٹر ہنڈری نے ہمارے خیر مقدم میں تقریر کی۔ اس کا جواب ہماری طرف سے نواب زین یار جنگ بہادر نے دیا۔ مولوی میر لائق علی صاحب کے ایماء پر سر ولیم بارٹن اور ایک اور ناظم نے جو میرے قریب تھے مجھ سے خواہش کی کہ میں بھی کچھ کہوں۔ اس موقع کو غنیمت جان کر میں نے کہا کہ مہمان نوازی اور خیر مقدم کا شکریہ ہمارے وفد کے صدر صاحب نے ادا کر دیا ہے چونکہ انگلینڈ کے مالکان صنعت سے آج پہلی دفعہ ملنے کا موقع ملا ہے اس لئے ہندوستان جس میں حیدرآباد ایک اہم وحدت رکھتا ہے۔ اس کے موقف کی جانب کچھ اشارہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہندوستان ایک نازک سیاسی اور صنعتی دور سے گزر رہا ہے اور آزاد ملک ہونے کے لئے دہلیز تک پہنچ چکا ہے ایسے موقع پر اب یہ کام یہاں کے مالکان و ماہران صنعت و تجارت کا ہے کہ ہندوستان سے تعاون عمل کرکے اس کے صنعتی موقف کو مستحکم کریں کیونکہ برطانوی کامن ولتھ کے رکن کی حیثیت سے ہندوستان اگر کمزور رہا تو گویا ساری سلطنت کمزور ہو جائے گی طاقتور ہندوستان انگلستان کا قوت بازو بن کر زیادہ کارآمد ہو سکے گا۔ ساتھ ہی یہ امر ذہن نشین رکھنے کے لائق ہے کہ جو سیاسی شعور اہل ہندوستان میں اس وقت پیدا ہو گیا ہے اس کے مدنظر

صنعتی اور تجارتی ربط کے قائم کرنے میں ہندوستان اپنی خودداری کو ملحوظ رکھنے کا متمنی ہے۔ مملکت حیدرآباد کے فرمانروا کا تعلق تاج برطانیہ سے اس وقت سے ہے جب سے کہ ہندوستان میں برطانیہ کا راج قائم ہوا اور نظام کی مدد ہی سے اس میں استحکام ہوا۔ حکمرانان آصفیہ نے حلیف کی حیثیت سے جو امداد تاج برطانیہ کو دی ہے اس کا اعتراف اس سے پہلے لقب یار وفادار سے کیا گیا اور حالیہ جنگ میں جو امداد حیدرآباد کی جانب سے دی گئی اس کے اعتراف میں ملک معظم نے ہز اگزالٹیڈ ہائی نس کو رائل وکٹورین چین کے سلسلہ میں شریک فرمایا ہے۔ اب وقت ہے کہ عملی صورت میں ان خدمات کا اعتراف کیا جائے۔ حیدرآباد ایک خاص ثقافت کا مالک ہے اس کے ذرائع وسیع ہیں ہندوستان میں آئندہ جو ترقیات بھی روبہ عمل آئیں اس میں اپنی وحدت اور اقتدار حاصلہ کو برقرار رکھتے ہوئے موثر حصہ لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔

شام کے (۴½) بجے ڈارچسٹر ہوٹل میں سر جارج ڈنکسٹن سے ملاقات مقرر تھی اس ملاقات کے بعد ہم سیوائے ہوٹل واپس ہوئے واپسی کے وقت خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب اور میں گرین پارک میں سے ہوتے ہوئے آئے۔ جو ہائیڈ پارک کا گویا ایک سلسلہ ہے۔ یہاں ایک سوڈانی مسلمان ہمیں مصری ٹوپیوں میں دیکھ کر نزدیک آئے۔ اور السلام علیکم کہہ کر گفتگو شروع کی ان سے معلوم ہوا کہ سوڈان میں ستر لاکھ مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کی حالت نہایت خستہ ہونا بیان کیا اور کہا کہ ان کی تعلیم کا کوئی

انتظام نہیں ہے سوڈانی چاہتے ہیں کہ مصر کے ساتھ خود بھی آزاد ہو جائیں۔ تھوڑی دور آگے بڑھنے پر دو اشخاص جو رنگ اور لباس سے یوروپین معلوم ہوتے تھے ہمارے قریب آئے اور السلام علیکم کہہ کر عربی میں گفتگو شروع کی۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک ترکی یہودی ہیں اور دوسرے مصری ہیں ان دونوں نے انگلینڈ میں بود و باش اختیار کی ہے اور بیس سال سے یہاں مقیم ہیں انھوں نے کہا کہ گرین پارک میں وہ مقام دیکھنے کا ہے جہاں پانی کو روک کر ایک جھیل بنائی گئی ہے۔ چنانچہ ان کے ساتھ ہم وہاں گئے درحقیقت گرین پارک کا یہ بہترین حصّہ ہے۔ پانی کی ایک جھیل جو ٹھیمس ندی کے برابر چوڑی ہے بنائی گئی ہے جسے سرپنٹائن کہتے ہیں اس میں ایک کشتی گھر بھی ہے جہاں متعدد کشتیاں بندھی ہوئی تھیں ایک گھنٹہ کے لیئے ایک شلنگ کرایہ پر کشتی لے کر آپ ندی کی سیر کر سکتے ہیں۔ کشتی کو خود چلانا پڑتا ہے بیسیوں اشخاص کشتیوں میں جھیل کی سیر میں مصروف تھے ایک طرف لوگ نہار ہے اور تیر رہے تھے۔ ہم اس جھیل کے کنارے ایک بنچ پر بیٹھے ہی تھے کہ ایک بڑا قاز ہمارے پیروں کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور تکنے لگا۔ ہمارے ساتھیوں نے کہا کہ لوگ یہاں قازوں اور بطوں کو جو جھیل میں تیرتے رہتے ہیں روٹی کے ٹکڑے ڈالتے ہیں۔ اسی توقع میں یہ آیا ہے۔ دو منٹ تک انتظار کر کے یہ قاز واپس چلا گیا کیوں کہ ہمارے پاس اسے ڈالنے کے لیئے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ جھیل میں بطخ اور قاز پھرتے ہوئے بہت معلوم ہوئے۔ تھوڑی دیر توقف کرنے کے بعد

ہم گرین پارک کے اس حصہ میں گئے جہاں بینڈ بج رہا تھا۔ ایک عورت آلۂ مکبر الصوت کے آگے گا رہی تھی اور بینڈ اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ کئی سو مرد عورت لوہے کی کرسیوں پر اطراف میں بیٹھے تھے اور کچھ لوگ دور بنچوں پر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ سماں کافی پر لطف تھا۔ گرین پارک کا یہ حصّہ مجھے سب سے زیادہ خوبصورت معلوم ہوا اگرچہ یہاں کوئی باغ یا ہریالی کے تختے نہیں ہیں بلکہ صرف خود رَو بڑے اور چھوٹے درخت وسیع سبزہ زار میں ایک خاص کیفیت لئے ہوئے ہیں۔ لندن کی ہر پارک میں سیکڑوں لوہے کی کرسیاں رکھی رہتی ہیں جنھیں اٹھا کر لوگ جہاں چاہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ ہائیڈ پارک میں ایک شخص وردی میں ٹکٹ کی کتاب لیکر پھرتا رہتا ہے جس وقت آپ کسی کرسی پر بیٹھ جائیں تو ٹکٹ پیش کرتا ہے جو چار پنی کا ہے۔ یہ کرسی کا کرایہ ہے جسے ادا کرنا ہوتا ہے۔ گرین پارک میں کرسیوں کا کرایہ ہم سے کسی نے طلب نہیں کیا البتہ ہائیڈ پارک میں ادا کرنا پڑا تھا۔

واپسی پر چونکہ مجھے سیوائے ہوٹل کا راستہ یہاں سے معلوم نہ تھا۔ خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب ساتھ ہو گئے اس وقت ایک واقعہ جو پیش آیا وہ لایق ذکر ہے۔

بکھنگم پیالیس کے پاس ایک راستہ کو عبور کرنا تھا۔ ہم نے راستہ کھلا پاکر سڑک کے نصف حصہ کو پار کیا اور اس مقام پر کھڑے ہو گئے جو سڑک کے درمیان میں پیدل چلنے والوں کی حفاظت کے لیئے جا بجا بنایا گیا ہے تاکہ دوسرا نصف حصہ موٹروں اور بسوں سے کھل جائے تو اُسے

طے کریں ہمیں کھڑے ہوئے ایک دو سکنڈ ہوئے ہوں گے کہ ایک پولس والا فوراً سڑک پر اُترا ہاتھ کے اشارے سے موٹر کاروں اور بسوں کو روک کر دوسرے ہاتھ سے ہمیں عبور کرنے کا اشارہ کیا ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کی پولس کس قدر خوش خلق ہے بالخصوص اجنبیوں کا کس درجہ خیال رکھتی ہے۔ ہم دو کے سوا کوئی اور راہ رَو انتظار نہیں کر رہے تھے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے پولس والے نے یہ عمل کیا۔ کسی موقع پر میں یہاں کی پولس کی نسبت وضاحت سے لکھوں گا۔

پنجشنبہ ۴۔ جولائی | دن کے بارہ بجے تک کام کر کے ساڑھے بارہ بجے نیچے آیا کیوں کہ ہمارے وفد نے سیوائے ہوٹل میں رائٹر کے ایجنٹ اور بی بی سی کے منیجر اور یہاں کی بعض اہم نیوز ایجنسی کے اصحاب کو لنچ پر مدعو کیا تھا۔ ان اصحاب سے بہت دلچسپ باتیں ہوئیں۔ میں نے رائٹر کے منیجر اور بی بی سی کے نیوز منیجر سے دوران لنچ میں کہا کہ لندن آنے کے بعد سے میں یہاں کے حالات کا بغور مطالعہ کر رہا ہوں انگریزوں نے جہاں اپنی قومی زندگی کو مختلف پہلوؤں سے استوار کر لیا ہے وہاں بین الاقوامی معاملات میں خود کو امریکہ کے زیر اثر بہت زیادہ کر لیا ہے جس سے ان کی قومی آزادی کو صدمہ پہنچ رہا ہے اگر اسے برقرار رکھنے کی کوئی موثر تدبیر نہیں کی گئی تو آیندہ اس سے چھٹکارا دشوار ہو گا۔ دوسری چیز جو میں نے بیان کی وہ یہ تھی کہ برٹش کامن ویلتھ میں جو ممالک ہیں مثلاً کینڈا۔ انڈیا افریقہ۔ آسٹریلیا وغیرہ ان میں یگانگت پیدا کرنے کی جانب انگلینڈ متوجہ نہیں معلوم ہوتا چنانچہ

آفریقہ میں ہندوستانیوں کے خلاف جو قانون حال میں بنا ہے اس سے اُن ممالک میں بہت تلخی پیدا ہو گئی ہے آیندہ نازک زمانہ آنے والا ہے اس لیئے میری رائے میں گھر کے مناقشات کو رفع کر کے آپس کی قوت کو بڑھانا ضروری ہے میں نے یہ بھی کہا کہ امریکہ کو خوش کرنے کے لیئے عربوں اور یہودیوں کے معاملہ میں جو طرز روش انگلستان نے اختیار کی ہے اس کی وجہ سے اسلامی ممالک بہت ناراض ہیں۔

پچھلی رات انگلستان کے بعض حصوں میں باد و باراں کا طوفان آیا گرمی میں آج خفیف سی کمی ہو گئی۔

جمعہ ۵۔جولائی

آج ہمارے وفد نے سیوائے ہوٹل میں حیدرآباد سے تعلق رکھنے والے اصحاب کو لنچ پر مدعو کیا تھا لنچ سے پہلے وفد کے ارکان دن کے (۱۲) بجے انڈیا آفس اور بورڈ آف ٹریڈ کے دفاتر کو جا کر لارڈ پیتھک لارنس سکریٹری آف اسٹیٹ اور سر اسٹافورڈ کرپس کیلئے رجسٹر ملاقات میں اپنے نام لکھے۔ ایک بجے حیدرآباد کے سابق رزیڈنٹ صاحبان سر ولیم بارٹن اور سر کلاڈ گڈنی۔ لیڈی گڈنی۔ سر تھیوڈ ورٹاسکر سابق ریونیو ممبر حیدرآباد۔ کرنل سلاٹر۔ مشیر نظام ریلوے۔ کرنل سر ریچرڈ ٹرنچ سابق ریونیو ممبر حیدرآباد ان کی بیوی اور مسٹر سیادیچ ڈائرکٹر جنرل مال حیدرآباد لنچ میں شریک تھے لنچ کے بعد بعض مسائل پر نواب زین یار جنگ بہادر سر تھیوڈ ورٹاسکر۔ کرنل سلاٹر اور میری شرکت سے ایک کمیٹی میں تبادلہ خیال ہوا۔ کئی روز سے یہاں کے پرندوں کے اقسام کو دیکھ رہا تھا۔ سوائے

کبوتروں کے جو عام طور پر یہاں اڑتے رہتے ہیں اور چڑیوں کے دوسرے پرندے شہر لندن میں نظر نہیں آئے البتہ وولنگ میں ایک مینا درخت پر بولیاں بولتی ہوئی دیکھی گئی۔ بعض موقعہ لندن سے باہر ابابیل کی قسم کے پرندے دکھائی دیئے۔ درختوں سے متعلق میرا مشاہدہ یہ ہے کہ لندن اور اس کے مضافات میں دو تین قسم کے درختوں کے علاوہ کوئی اور درخت نہیں دیکھے ان درختوں کے پتے روئی کے پودے یا انگور کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں۔ چھوٹے پودے کثرت سے ہیں۔ گلاب کے پھول بہت بڑے اور خوش رنگ ہوتے ہیں مگر ان میں خوشبو نہیں ہوتی۔ دوسرے پھولوں کے خودرو پودے بالخصوص سرخ رنگ کے پاپی جا بجا بہت پائے جاتے ہیں۔ زمین سیاہی مائل اور شاداب ہے۔

شنبہ ۶ - جولائی

تعطیل منانا انگریزوں کا ایک خاص قومی شعار بن گیا ہے۔ یہ دیکھنے کی غرض سے کہ ہفتہ کے دن وکٹوریہ اسٹیشن پر تعطیل منانے والوں کا ہجوم کیسا رہتا ہے خان بہادر عبد الکریم بابو خاں صاحب کے ساتھ گیا انسان چونٹیوں کے مانند اسٹیشن میں بھرے ہوئے تھے کم از کم پانچ ہزار مرد عورت بچے ہوں گے ہر شخص شہر سے باہر کسی نہ کسی مقام کو جا رہا تھا سب کے ہاتھوں میں سفر کا مختصر سامان تھا۔ سیکڑوں گاڑیاں آتی جاتی رہیں۔ اس موقع پر سوائے پیروں کی آہٹ کے میں نے کوئی آواز نہیں سنی۔ یہاں کے لوگوں نے قومی عادت بنالی ہے کہ ہر جگہ بالکل خاموشی سے کام کرتے ہیں۔ اسٹیشنوں پر میں نے حمال بہت کم دیکھے۔

مسافر خود اپنا سامان لیجاتے ہیں۔ ڈبوں میں داخل ہوتے یا اُترتے وقت کسی قسم کی چپقلش نہیں ہوتی۔ کوئی کسی کو ڈھکیل کر آگے نہیں بڑھتا۔ آنے کے وقت کے لحاظ سے خود بخود لوگ قطار بندی کر لیتے ہیں اور اسی سلسلہ سے آگے بڑھتے ہیں۔ یہ کیفیت میں نے صرف ایک اسٹیشن کی لکھی ہے۔ یہی حال دوسرے ریلوے اسٹیشنوں کا ہے جہاں سے شنبہ کے دن معمولی مقررہ گاڑیوں کے علاوہ کئی کئی اسپیشل ٹرینیں دوڑائی جاتی ہیں۔ خانگی سواریوں۔ ٹرام کار۔ ٹیوب ریلوے۔ اور بسوں میں جو لوگ جاتے ہیں وہ اس کے ماسوا ہے۔

آج بی بی سی کی نشرگاہ سے خط آیا جس میں ۱۱۔ جون پنجشنبہ دن کے گیارہ بجے میری تقریر نشر کرنے کا وقت دیا گیا ہے۔ میں نے مکان کو اور حیدرآباد کے نشرگاہ کو تار برقی بھیجے تاکہ حیدرآباد کے لوگ بھی تقریر سن سکیں۔ میں نے تقریر کا موضوع "لندن اور اہل لندن کے متعلق میرے تاثرات" قرار دیا ہے۔ تقریر کے لیئے چھ منٹ کا وقت مجھے ملا ہے۔

شام کے اخبارات نے آج صبح تعطیل منانے والوں کا جو ہجوم اسٹیشنوں پر تھا اس کا حال تصاویر کے ساتھ شایع کیا ہے ان میں بتلایا گیا ہے کہ وکٹوریہ اسٹیشن اور دوسرے ریلوے اسٹیشنوں پر قطار بندی کئی سو گز تک ہوگئی تھی۔ اور زاید ریل گاڑیاں چلانی پڑیں۔

چند روز پہلے کا ایک واقعہ مجھے آج یاد آیا جس کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ شام کے (۵) بجے گھومتا ہوا میں جس وقت ٹرافلگر اسکوائر میں جہاں

نلسن کا مجسمہ ایک ستون پر نصب ہے پہنچا تو دیکھا کہ ایک انگریز دستی کیمرہ لئے ہوئے میری تصویر لے رہا ہے۔ اس کے قریب پہنچا تو بہت ساری تصویریں دکھائیں۔ جو اس نے اسی طرح لی تھیں اور دریافت کیا کہ آیا میں اپنی تصویر کو بطور یادگار خرید نا پسند کروں گا میں نے کہا کہ فی الوقت میرا خیال اسے خریدنے کا نہیں ہے اور یہ کہ اس نے میرا فوٹو کیوں لیا تو جواب دیا کہ میں مصری ٹوپی میں تھا جو لندن میں کم نظر آتی ہے۔ اس تصویر کو فروخت کر کے وہ کچھ پیسے پیدا کرے گا۔

یکشنبہ ۷۔ جولائی گیارہ بجے تک کام کرتا رہا۔ (۱۱½) بجے امجد علی صاحب حیدر آبادی جو بی بی سی کے اردو شعبہ میں کام کرتے ہیں ملاقات کے لیئے آئے (۱۲½) بجے اسٹرانڈ ریلوے اسٹیشن گیا تاکہ ونڈسر جاؤں جہاں بادشاہ کا محل "ونڈسر کاسل" واقع ہے۔ معلوم ہوا کہ ونڈسر کو ریل واٹرلو اسٹیشن سے جاتی ہے۔ چنانچہ ٹیوب ریلوے سے واٹرلو اسٹیشن پہنچا۔ اور دن کے سوا بجے کی گاڑی سے ونڈسر روانہ ہوا جو پون گھنٹہ کا راستہ ہے درمیان میں (۱۲) اسٹیشن ملتے ہیں۔ جن مقامات پر سے ریل گزری ایک سے ایک بہتر نظر آئے۔ لندن کی کنٹری سائیڈ یعنے دیہاتی مناظر جیسا کہ پہلے بیان کر چکا ہوں نہایت دلکش ہیں۔ ونڈسر اسٹیشن کے بالکل محاذی پہاڑ پر بادشاہ کا محل واقع ہے۔ جسے دیکھنے کی عام اجازت ہے۔ تقریباً تین سو اشخاص دیکھنے آئے تھے۔ پتھر کی عمارت ہے جس پر کئی خوبصورت برج جا بجا بنائے گئے ہیں یہ محل چار سو برس پہلے تعمیر ہوا تھا۔

پیچھے کے وسیع چمن میں بیانڈ بج رہا تھا۔ پہاڑ پر واقع ہونے کی وجہ سے ہر رخ پر میلوں منظر نظر آتا ہے ایک طرف تھیمس ندی بائیں میں بہتی ہوئی دکھائی دیتی ہے خاص ایام میں مقررہ اوقات پر بادشاہ کے رہائشی کمروں اور شہزادی کے گڑیوں کے کمرہ کو دیکھنے کی اجازت ہے۔ اتوار کو یہ کمرے نہیں کھولے جاتے اس لیئے انھیں دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اس عمارت کی طرز پر نواب نظامت جنگ بہادر نے حیدرآباد میں ہل فورٹ کا مکان بنایا تھا جس میں اب شہزادۂ والاشان نواب معظم جاہ بہادر قیام فرما ہیں بہت بھدی نقل کی گئی ہے کوئی مناسبت اصل اور نقل میں نہیں ہے۔ محل دیکھنے کے بعد ٹکسی کار میں ونڈسر کی آبادی میں گیا یہ ایک مختصر مگر خوبصورت شہر ہے جہاں موٹر ٹکسیوں کے علاوہ اعلیٰ درجہ کی فیلٹن گاڑیاں بھی کرایہ پر چلتی ہیں۔ سیکلوں پر بھی لوگ یہاں پھرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ شہر کے ایک طرف ایٹن کالج ہے جو ولایت کا مشہور تعلیم گاہ ہے! ور جہاں امیر طبقہ کے لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ کالج کی عمارت علحدہ ہے اور جہاں لڑکے اور پروفیسر وغیرہ رہتے ہیں وہ عمارتیں علحدہ ہیں شہر کے بڑھ جانے کی وجہ سے یہ عمارتیں عام آبادی کا ایک حصہ معلوم ہوتی ہیں شہر کے دوسرے جانب آبادی سے ذرا فاصلہ پر تانبے کا بہت بڑا گھوڑے کا مجسمہ ہے جو کسی سپہ سالار کی یاد میں بنایا گیا ہے۔ اس کو جو راستہ جاتا ہے وہ بہت طویل ہے اسی لیئے اس کا نام لانگ واک رکھا گیا ہے۔ سوا چار بجے شام کی گاڑی سے واپس ہوا اور پانچ بجے لندن پہنچ گیا اس سفر میں دو موقعوں پر انگریزوں نے بہت خلوص کا برتاؤ کیا ایک دفعہ جب میں اسٹرانڈ اسٹیشن سے

واٹرلو اسٹیشن جانا چاہتا تھا اور زمین دوز ریلوے کا راستہ مجھے نہیں مل رہا تھا۔ تو ایک انگریز نے ساتھ آکر مجھے ٹیوب ریل میں سوار کرایا۔ دوسری دفعہ جبکہ واٹرلو اسٹیشن پر میں تختیاں پڑھ رہا تھا کہ ونڈسر جانے والی گاڑی کا پلاٹ فارم معلوم کروں کیوں کہ اس اسٹیشن پر (۲۱) پلاٹ فارم ہیں ایک انگریز نے دریافت کیا کہ میں کیا دقت محسوس کر رہا ہوں۔ میرا جواب سن کر وہ خود گیا اور واپس آن کر کہا کہ (۲۱) نمبر کے پلاٹ فارم سے (۷) منٹ کے بعد گاڑی روانہ ہوگی۔ یہی نہیں بلکہ ٹکٹ گھر جاکر قطار بندی میں خود کھڑا ہو گیا اور ٹکٹ لاکر مجھے دیا میرے دل پر اسکا بہت گہرا اثر ہوا۔

اس سفر میں میں نے مکانات کے پیچھے کے صحن میں سکھانے کیلئے کپڑے لٹکائے ہوئے دیکھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے متوسط طبقہ کے لوگ گھر ہی میں کپڑے دھو لیتے ہیں اور خود استری بھی کر لیتے ہیں۔

دوشنبہ ۸۔جولائی	آج صبح دس بجے نواب زین یار جنگ بہادر خان صاحب دوست محمد الہ الدین اور میں آکسفورڈ گئے جہاں

خان صاحب پریس آئرن ورکس سے کاروبار سے متعلق معاہدہ کی تکمیل کرنا چاہتے تھے۔ لندن سے آکسفورڈ (۸۰) میل ہے۔ راستہ کے دونوں جانب نہایت آراستہ بستیوں اور گاؤں میں سے گزر ہوا۔ بعض مقامات پر پہاڑ اور وادیاں نظر آئیں۔ پہاڑوں پر جابجا نہایت شاداب جنگل اُگا ہوا ہے۔ جنگل کے درخت سوزنی کے درختوں سے مشابہہ مگر بہت

موٹے اور گھنے ہیں۔ جن مقامات میں سٹرک جنگل کے بیچ میں سے گزرتی ہے منظر بہت دلکش معلوم ہوتا ہے ولایت کی آب وہوا میں سانپ۔ بچھو۔ جھینگر کنکھجورا اور دوسرے حشرات الارض زندہ نہیں رہتے اس لیئے یہ یہاں نہیں پائے جاتے۔ دیمک بھی یہاں معلوم ہوتی ہے نہیں ہے کیوں کہ سٹرکوں کے باز وجابجا لکڑی کی کٹنگر لگی ہوئی ہے۔ مگر ان پر کہیں دیمک نظر نہیں آئی۔ آکسفورڈ میں پریبس آئرن ورکس کے کارخانہ میں موٹر کار کے باڈی تیار ہوتے ہیں۔ روزانہ (۷۰۰) باڈی بن کر دوسرے کارخانہ میں جہاں انجن بنتے ہیں روانہ کئے جاتے ہیں اس کارخانہ سے متصل مارس کولی اور مارس آکسفورڈ موٹر کاریں بنتی ہیں۔ جس بستی میں یہ کارخانہ ہے اس کا نام کاولی ہے۔

کارخانے دیکھنے کے بعد ہم آکسفورڈ یونیورسٹی دیکھنے گئے یونیورسٹی کی عمارت جہاں امتحانات ہوتے ہیں علیٰحدہ ہے۔ اسی سے قریب مشہور باڈلین لائبریری کی عمارت ہے جو گول ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مختلف کالج ہیں جن کی تعداد (۲۶) ہے کالجوں کی عمارات کو باہر سے کمپونڈ نہیں ہے البتہ اندر جانے کے بعد درمیان میں چوگوشہ وسیع صحن ہیں جن میں ہریالی کے خوبصورت میدان ہیں انھیں کواڈرنگل کہتے ہیں سب سے اچھے میدان مورلینڈ کالج اور سینٹ جان کالج میں نظر آئے۔ اول الذکر کالج کے عقب میں نہایت وسیع پارک ہے جس میں کثرت سے بڑے بڑے گنجان درخت اور اس میں ہرن اور خرگوش پھرتے ہوئے نظر آئے۔ میں نے اس قدر خوبصورت پارک انگلینڈ میں کہیں نہیں دیکھے۔ سنٹ جان کالج کے

اندر کا چمن بھی نہایت وسیع اور خوبصورت ہے۔ لڑکوں کے کھانے کے کمرے اور کالج کے گرجاؤں کو بھی ہم نے دیکھا کالجوں کی عمارات قدیم طرز کی نہایت خوبصورت ہیں امتداد زمانہ کی وجہ سے دیواروں کا پتھر جھڑ رہا ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی اور اس کے کالجوں کو دیکھنے کے بعد مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ ممکن ہے کہ ابتداء میں ان کا قیام تعلیمی حالات اور ضروریات کے لحاظ سے عمل میں آیا ہو مگر اب تو یہ صورت ہے کہ تقریباً سب کالج دکانات اور مکانات سے گھر گئے ہیں۔ وہ تعلیمی فضا مفقود ہے جو نوجوانوں کے ذہنی ارتقاء کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ہم شام کے (۷) بجے لندن واپس آئے۔

سہ شنبہ ۹۔ جولائی صبح دس بجے بی بی سی کی نشرگاہ نمبر (۲۰۰) آکسفورڈ اسٹریٹ گیا جہاں مولوی امجد علی صاحب میرا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے نشرگاہ کا معاینہ کرایا یہ نشرگاہ دوران جنگ میں زمین کے اندر (۸۰) فیٹ کی گہرائی میں بنائی گئی ہے۔ اس کے کئی منزل ہیں جس میں لفٹ کے ذریعہ اترتے ہیں اور پمپ کے ذریعہ ہوا پہنچائی جاتی ہے اندر اتنے پیچیدہ راستے اور کمرے ہیں کہ اگر کوئی تنہا چلا جائے تو بھول بھلیاں میں پہنچ جاتا ہے اور پھر باہر آنا مشکل ہو جائے۔ (۱۱) بجے میری تقریر کا ریکارڈ لیا گیا اور پانچ منٹ کے اندر مجھے سنایا بھی گیا۔ سننے سے مجھے اپنی آواز خود نہیں پہچانی گئی امجد علی صاحب نے سمجھایا کہ یہ اس لئے ہے کہ بات کرنے والا معمولی طور پر اپنی آواز سنتا ہے تو اس کے ساتھ اپنی زبان اور جبڑوں کے ملنے کی آواز بھی شامل ہو کر اس کے کان میں آتی ہے اسکے

برخلاف غیر شخص ہونٹوں سے آواز نکلنے کے بعد اس کو سنتا ہے اس لئے
رکارڈ کی ہوئی آواز خود کو بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن دوسرے لوگ
اس میں کوئی فرق نہیں پاتے۔ یہاں سے واپس ہو کر رسل ہوٹل گیا جہاں
سر فرانک براؤن نے مدعو کیا تھا ڈھائی بجے لنچ سے واپس ہوا اور کپڑے
بدل کر (۴) بجے بکھنگم پیالیس گیا جہاں ملک معظم کی گارڈن پارٹی تھی۔ تقریباً
ڈھائی ہزار مہمان تھے۔ پورٹیکو کے اندر موٹریں جارہی تھیں اور وہاں لوگ
اتر رہے تھے۔ پولس کا انتظام ایسا بہتر تھا کہ موٹریں سلسلہ سے پہنچ رہی
تھیں فوجی افسر مہمانوں کو اتار رہے تھے۔ دو بڑے کمروں میں سے ہو کر
پیچھے کے صحن میں جہاں وسیع ہریالی کا میدان تھا لوگ جارہے تھے۔ اس
میدان کے دو جانب ہلکے خیموں میں جو مسلسل لگے ہوئے تھے چائے اور
فواکہات بڑی بڑی میزوں پر رکھے ہوئے تھے۔

ملک معظم۔ ملکہ اور شہزادیاں دوسرے ارکان خاندان کے ساتھ
محل کے ایک حصہ سے برآمد ہوئے۔ بعض مہمانوں سے گفتگو کی۔ میں مصری
ٹوپی میں تھا اس لئے کچھ دیر مجھ پر بھی نظر ٹھیری۔ حیدرآباد کے لوگوں میں ارکان
وفد کے علاوہ خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب۔ خان صاحب دوست محمد
خان صاحب اور ڈاکٹر رضی الدین صاحب نظر آئے۔ دو ڈویژن میں بینڈ کا
اور ایک سرخ مخمل کے شامیانے کے تحت ملک معظم کی چائے خوری کا
انتظام تھا۔ شام کے (۵) بجے مہمانوں کی واپسی شروع ہوئی۔ موٹر کے
انتظار میں محل کے بڑے ہال میں سوفہ پر ہم کچھ دیر بیٹھے رہے۔ شاہی محل

بہت قیمتی فرنیچر سے آراستہ ہے۔ دیواروں پر جا بجا بڑے بڑے تصاویر لگے ہوئے ہیں۔ بکنگھم پیالیس کے بیرونی حصہ کے متعلق میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ کوئی خاص بات اس میں نہیں ہے۔ پیچھے کے صحن میں جانے کے بعد بھی محل میں کوئی شان یا خوبی نہیں پائی جاتی۔ یہ عمارت صدیوں پہلے بنی تھی ہر طرف سے سیاہ ہو گئی ہے۔ امتداد زمانہ سے دیواروں کے پتھر میں تڑق بھی جا بجا آ گئی ہے۔ آج کی اس دعوت میں میں نے دیکھا کہ انگریز انتہا درجہ بادشاہ پرست ہیں۔ چیونٹیوں کی طرح بادشاہ کے اطراف لپٹے ہوئے تھے جہاں وہ جاتے تھے مجمع ان کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ عورتیں زمین پر ایک گھٹنہ ٹیک کر تعظیم دے رہی تھیں۔ مرد بعض مارننگ ڈریس اور ٹاپ ہیٹ میں تھے جو یہاں کا درباری لباس ہے اور بعض لونج سوٹ میں تھے جو روزمرہ کا لباس ہے۔ جنگ کے پہلے ایسی دعوتوں میں درباری لباس کا لزوم تھا اب یہ پابندی عارضی طور پر برخواست کر دی گئی ہے۔ شام میں ہوٹل واپس آنے پر بی۔ بی۔ سی کے نشرگاہ کے ڈاکٹر ویسٹرن ٹرانسمیشن مسٹر ڈونالڈ اڈورڈس کا خط ملا جس میں انھوں نے اطلاع دی تھی کہ جس وقت اپنی تقریر کو رکارڈ کرانے آؤں تو اپنے ساتھ مشن کے دوسرے ارکان کو بھی لاؤں اور یہ کہ انھوں نے ایسٹرن سکشن کے منصرم ڈائرکٹر مسٹر ماسلی کو جہاں سے میں تقریر کروں گا اطلاع دی ہے کہ مجھے نشرگاہ کا معائنہ کرایا جائے میں نے فوراً جواب بھیجدیا جس میں ان کا شکریہ ادا کر کے لکھا کہ میں صبح ہی میں تقریر رکارڈ کرا چکا ہوں۔ ان کی چٹھی مجھے شام میں ملی مسٹر امجد علی مشرقی نشرگاہ کے

افسر نے مجھے نشتر گاہ کا معائنہ کرا دیا ہے اور میں نشتر گاہ کے انتظامات اور بالخصوص وہاں کے لوگوں کے اخلاقانہ برتاؤ کا اچھا اثر لیتا آیا ہوں۔

چہارشنبہ ۱۰۔جولائی آج دن کے (۱۲) بجے سے (۲½) بجے تک صنعتی وفد کے کاروبار سے متعلق کمیٹیاں اور مباحث ہوتے رہے شام کے (۴) بجے وفد کے ارکان انڈیا آفس کی خیر مقدمی تقریب ریسپشن میں گئے جو حیدرآباد کے صنعتی وفد کے اعزاز میں دی گئی تھی۔ سر سیامیول رنگناد ھم ہائی کمشنر اور لیڈی رنگناد ھم مہمانوں کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ ہم کو اُنھوں نے اپنے ساتھ کھڑا کرلیا اور ایک گھنٹہ تک ہر مہمان سے جو آتا تھا تعارف کراتے گئے۔ اس ریسپشن میں بعض ارکان پارلیمنٹ۔ سوئزرلینڈ کے سفیر اور یہاں کے دوسرے سربرآوردہ عہدہ دار اور پبلک اداروں کے نمایندے شریک تھے غالباً (۵۰۰) مہمان ہوں گے۔ لوگوں نے کہا کہ اس بڑے پیمانہ پر انڈیا آفس میں بہت کم ریسپشن ہوئے ہیں دوران تقریب میں متعدد اخبار کے نمائندوں نے ہمارے وفد کی تصویریں لیں۔ مسٹر الگزنڈر سے جو وزرأ کے وفد کے ساتھ حال ہی میں ہندوستان گئے تھے دیر تک میری باتیں رہیں۔ وزیر سپلائی سے بھی تھوڑی دیر بات چیت ہوئی۔ ہم شام کے (۶) بجے واپس ہوئے۔

پنجشنبہ ۱۱۔جولائی آج کے اخبار لندن ٹائمس میں کل کی انڈیا آفس کی ضیافت کی تفصیل شائع ہوئی ہے۔ صبح کمرہ ہی میں کام کرتا رہا۔ دن کے بارہ بجے خان بہادر عبد الکریم بابو خاں صاحب کے ساتھ بذریعہ ریل

ہیا میپٹن کورٹ گیا جو واٹر لو اسٹیشن سے چھ یا سات اسٹیشن ہے تقریباً (۴۰) منٹ میں ہم وہاں پہنچے۔ یہ شہر بھی ٹیمس ندی پر واقع ہے۔ ندی میں کشتیاں اور اسٹیمر چل رہے تھے اور لوگ ان میں بیٹھ کر سیر کر رہے تھے۔ کچھ لوگ ندی کے کنارے نہاتے ہوئے بھی دیکھے گئے۔ اسٹیشن سے پل پار ہو کر جاتے ہی سیدھے جانب ہیا میپٹن کورٹ کا شاہی محل ہے اندر داخل ہوتے ہی ایک کلاک ٹاور ملتا ہے جس میں عجیب قسم کی گھڑیاں لگی ہوئی ہے اس میں چاند کے طور پر ایک حصہ نظر آرہا تھا۔ گھنٹوں کے نشانات بھی عجیب وغریب ہیں محل کے پیچھے نہایت وسیع پارک ہے جس کے ایک جانب ٹیمس ندی بہتی ہے۔ دوسری جانب ندی کا پانی ایک جھیل کے طور پر لایا گیا ہے یہ بہت عالیشان سرخ اینٹوں کی دو منزلہ وسیع عمارت ہے۔ (۶) پنس کا ٹکٹ لینے کے بعد اس عمارت کے اوپر کی منزل پر جانے کی اجازت ملتی ہے۔ بادشاہ اور ملکہ کے رہائشی کمروں میں قدیم وضع کا فرنیچر ہے جو بطور آثار قدیمہ باقی رکھا گیا ہے آرام کرنے کے پلنگ اور ان کے بستر بھی دو سو برس پہلے کی طرز کے ہیں۔ کمروں کی دیواریں اور فرش پر اعلیٰ درجہ کی لکڑی کا استر ہے جس پر بہت خوبصورت کام کیا گیا ہے۔ ہر کمرہ میں پینٹنگ اور مصوری کے اعلیٰ تصاویر ہیں کمروں اور دالانوں کی چھتوں پر بھی آئیل پینٹ کی تصویروں کا بہترین کام کیا گیا ہے۔ ایک ہال میں قدیم ہتھیار زرہ وغیرہ دیوار پر لگایا گیا ہے۔ یہاں سے ہم بس کے ذریعہ کوئینز ہیام گئے جہاں سے دوسری بس کیو گارڈن کو جاتی ہے جو رچمنڈ کے شہر میں واقع ہے۔

یہ انگلینڈ کا بہت مشہور باغ ہے۔ اس باغ کی جس قدر تعریف سنی گئی تھی اس سے بہت کمتر حالت میں ہم نے اس کو پایا۔ کوئی خاص بات سوائے اس کے نہیں کہ بہت وسیع ہے اور اس میں آئینوں کے وسیع اور بلند مکان ہیں جس میں درختوں کو پالا جاتا ہے۔ ایک بڑا چائے خانہ بھی ہے جس میں بہت سارے اشخاص چائے پی رہے تھے۔

ٹوئینکن ہام میں میں نے پڑھنے کی نئی عینک بنوائی جو ایک ہفتہ کے اندر سیوائے ہوٹل روانہ کی جائے گی۔ رچمنڈ کی بستی میں میں نے اصلاح بنوائی۔ شام کے سات بجے ہم واٹرلو اسٹیشن واپس ہوئے آج واٹرلو اسٹیشن پر دیکھا کہ موٹر سے چلنے والی ایک چھوٹی ٹرالی کو ایک شخص چلا رہا تھا اس کے پیچھے ایک لانبے تختہ پر جس میں پہیے لگے ہیں سامان لدا تھا اور بڑی تیزی سے پلاٹ فارم پر سے اس کو لیجا رہا تھا۔ یہاں کے کسی اسٹیشن پر میوہ سگریٹ یا اور کوئی سامان بیچنے والے پکارتے ہوئے نہیں پھرتے بلکہ ہر اسٹیشن پر جملہ ضروریات کی شاپیں لگی ہوئی ہیں جہاں جاکر مسافر سامان خرید لیتے ہیں۔ واٹرلو کے اسٹیشن پر ایک سینما بھی ہے جہاں مسلسل رات اور دن تماشہ دکھلایا جاتا ہے جن مسافروں کو کسی وجہ سے اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں وقت گزارنا پڑتا ہے وہ اس سینما میں چلے جاتے ہیں۔

لنڈن میں بہت سارے مردوں اور عورتوں کو میں نے بغل میں لکڑی کا سہارا لے کر چلتے ہوئے یا مصنوعی پیر لگائے ہوئے یا ایک پیر میں اونچی ایڑی کا جوتا پہن کر چلتے ہوئے دیکھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ

حالیہ جنگ عظیم میں لوگ صدمہ یاب ہوئے ہیں۔ دوسری وجہ مجھ سے یہ بیان کی گئی کہ شدت سردی سے پیر کی رگیں متاثر ہو جاتی ہیں۔

کچھ دن پہلے شاہی محل بکنگھم پیالیس کے پاس ایک نیم بند ڈاک کارٹ جاتی ہوئی دکھائی دی، مسٹر برانڈسٹن نے جو میرے ساتھ تھے اسے دکھلا کر کہا کہ اس میں وہ کاغذات جاتے ہیں جو ملک معظم کی دستخط کے لیئے آتے ہیں اور اسے رایل کوریر کہتے ہیں اگرچہ کہ موٹر کاریں ایجاد ہو چکی ہیں مگر اس قدیم رسم کو یہاں برقرار رکھا گیا ہے کیوں کہ انگریز قدیم روایات اور طریقوں کو ہمیشہ برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آج کے سفر میں کھیتوں اور میدانوں کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہاں اناج اگانے کے لیئے کل زمینات کام میں نہیں لائی جاتیں۔ بلکہ ان کا زیادہ حصہ مویشیوں کی چراگاہوں کے لیئے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ کھانے کے لیئے بکرے اور گائے کا گوشت دودھ اور مسکہ ملک میں مہیا کیا جا سکے بعض مقامات پر بارش کے پانی کے بڑے اور چھوٹے کنٹے نظر آئے۔ مگر ان سے کھیتوں کے لیئے بذریعہ موٹ یا نالا پانی لینا نہیں پایا گیا اس میں بچے تیر رہے تھے یا مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ خانہ باغوں کے لیئے بھی یہاں باؤلی نہیں ہے کیوں کہ سال بھر کم و بیش بارش ہوتی رہتی ہے اور وہی باغوں کے درختوں کے لیئے کافی ہے البتہ گلاب کے اور دوسرے پھولوں کے پودوں کو کبھی کبھی نلوں سے ربر کی نلی لگا کر پانی دیا جاتا ہے۔ ورنہ معمولاً ہوا میں جو خنکی یا سردی رہتی ہے اسی سے پودے پرورش

پاتے ہیں۔

جمعہ ۱۲ جولائی | صبح میں وفد سے متعلق کمیٹیاں اور مباحث ہوتے رہے جن کا سلسلہ (۲) بجے تک رہا۔ اس کے بعد نواب زین یار جنگ بہادر اور میں خان صاحب دوست محمد خاں صاحب کے ساتھ گلاس فیاکٹری دیکھنے گئے جو لندن سے قریب واقع ہے۔ اس کارخانہ میں زیادہ تر بوتلیں بنائی جاتی ہیں روزانہ دو ہزار گرس بوتل بنتے ہیں اتنے بڑے کارخانہ میں دو سو سے زاید اشخاص کام کرتے ہوئے نہیں پائے گئے وجہ یہ ہے کہ سب کام مشین سے ہوتا ہے۔ گلا ہوا مادہ ایک مشین سے دوسرے مشین میں آجاتا ہے اور سانچہ میں سے تیار ہوکر نکلنے کے بعد بوتلوں کو مشین ہی اٹھاکر دوسری طرف رکھدیتی ہے اور متحرک تختے پر سے شیشے منزل مقصود تک پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ عام طور پر یہاں کے کارخانے ابھی جنگ سے پہلے کی رفتار کار پر نہیں آئے ہیں کیوں کہ جو لوگ فوجی خدمات پر گئے تھے ابھی اپنے سابقہ کاموں پر رجوع نہیں ہوئے ہیں میرے اس سوال کے جواب میں کہ مقبوضات سے مزدوروں کو یہاں کے کارخانوں میں کیوں نہیں لگایا جاتا۔ جواب ملا کہ انگریز مزدور باہر کے مزدوروں کے ساتھ کام کرنا پسند نہیں کرتے۔ یہ بہت معنی خیز اور غور طلب جواب ہے۔

شنبہ ۱۳ جولائی | صبح میں کام کرتا رہا۔ اور دوپہر کو بازار میں گھوم کر (۳) بجے واپس ہوا۔ ساڑھے تین بجے مسٹر رچرڈ سکریٹری رائل انڈین اسوسی ایشن کے ساتھ ومبلڈن گیا جہاں اسوسی ایشن کی طرف سے

جانے کی دعوت اور اس کے بعد ہندوستانی ناچ کا مظاہرہ تھا۔ مسز دیسائی نے جو احمد آباد کے کروڑپتی مسٹر امبالال دیسا بھائی کی بہو ہیں اور جو اپنے شوہر مسٹر دیسا بھائی کے ساتھ کیمبرج میں ڈگری کورس حاصل کر رہی ہیں ہندوستانی ناچ سے متعلق ایک بصیرت افروز تقریر کی اور ہندو مذہب کے لحاظ سے بطور فن کے ثابت کر کے بعض قسم کے ناچوں کا مظاہرہ کیا جس کو حاضرین نے بہت پسند کیا۔ شام کے (۷) بجے ہوٹل واپس ہوا یہ ضیافت پروفیسر سولینگم کے مکان پر ہوئی جو دیہاتی مکانوں کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ نہایت خوبصورت بنگلہ اور اس کے اطراف تقریباً (۲) ایکر اراضی میں باغ اور چمن ہے۔ صاحب خانہ کی بیوی نے مجھے باغ کو تفصیل سے پھرا کر دکھایا ایک طرف دودھ دینے والی بکریاں ہیں تو دوسری جانب مرغیوں کے کھڑ اڑنے ہیں راس بیری ایک جانب سیب اور ناسپاتی کے درخت اور ترکاری کے کھیت ہیں کھانے کی ہر چیز گویا گھر ہی میں دستیاب ہو جاتی ہے اس دعوت میں علاوہ دوسرے اصحاب کے ہائی کمشنر فار انڈیا اور ان کی بیگم صاحبہ بھی شریک تھے۔ انجمن کی جانب سے اس قسم کی ضیافتیں ہوتی رہتی ہیں اور صرف ارکان اور منتخب اشخاص دعوت پر اس میں شریک ہو سکتے ہیں۔ ہندوستانی ثقافت کی اس طریقہ پر تشہیر ہوتی ہے۔

یکشنبہ ۱۴۔ جولائی | آج مکان سے تار آیا کہ جمعرات کو میں نے بی۔ بی۔ سی کی نشرگاہ لندن سے جو تقریر کی تھی وہ صاف طور پر وہاں

سنی گئی صبح (۱۰½) بجے تک کام کر کے خان بہادر عبد الکریم بابو خان صاحب کیساتھ بذریعہ ریل میڈن ہڈ گیا جس کی بہت تعریف سنی تھی۔ لندن سے (۲۵) منٹ کا راستہ ہے ہم پیا ڈنگٹن ریلوے اسٹیشن لندن سے روانہ ہوئے جو گریٹ ویسٹرن ریلوے کا صدر اسٹیشن ہے سدرن ریلوے کے اسٹیشنوں اور اس ریلوے کے اسٹیشنوں میں زمین آسمان کا فرق پایا گیا۔ گریٹ ویسٹرن ریلوے کے اسٹیشن نہایت خراب حالت میں ہیں ہندوستان کے ریلوے اسٹیشنوں سے کسی طرح بہتر نہیں ہیں ریل میں بھی مسافروں کو آرام سے بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی کیوں کہ کمپنی زیادہ ڈبے نہیں لگاتی۔ اسٹیشنوں پر گاڑیوں کی آمدورفت کا اچھا انتظام نہیں ہے۔ عین گاڑی کے آتے وقت مسافروں سے کہا جاتا ہے کہ فلاں پلاٹ فارم پر ریل آئے گی۔ واپسی میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے ہم گلیاری میں کھڑے ہوئے آئے اور بہت سارے مسافر بھی کھڑے رہے۔

میڈن کی بستی اور یہاں کے مناظر مجھے بہت پسند آئے۔ ٹیمس ندی کے کنارے میلوں سبزہ زار اور درخت بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ کثرت سے مرد عورت کشتیوں میں جو کرایہ پر ملتی ہیں سیر کر رہے تھے ہوا میں خوشگوار خنکی تھی۔ میڈن ہیڈ سے ہم بس میں کوکم موضع کو گئے جو تین چار میل پر ہے اور بہت چھوٹا مگر نہایت پاک و صاف ہے اس موضع میں تیس اور دو سو برس پہلے کے مکانات دیکھنے میں آئے۔ لکڑی کے چوکھٹے میں اینٹوں کی دیواریں بنی [illegible] ہوئی ہیں اوپر کویلو کی چھتیں ہیں اس قدر چھوٹے موضع میں بھی گیاس کی روشنی [illegible] کیا گیا ہے ترکاری اور گوشت کی دکانوں میں آئینے لگے

ہوئے ہیں بنک کی شاخ اور ڈاک خانہ بھی موجود ہے غرض کہ زندگی کی جملہ ضروریات مہیا ہیں۔ ایک آئینہ کی کھڑکی ہیں سے میوہ فروشس کی دکان میں چیری کے پھل نہایت تازہ نظر آئے خرید نے کی غرض سے خان بہادر عبدالکریم بابو خان صاحب نے دروازہ کو کھٹ کھٹایا ۔ اندر سے ایک عورت نکلی اور کہا کہ آج یکشنبہ ہونے کی وجہ سے کاروبار بند ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں کے غریب لوگ بھی اپنے اُصول کی پوری پابندی کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی قومی عادات کو اس قدر استوار کر لیا ہے کہ اس کی وجہ سے بہت آرام اور آسائش سے رہتے ہیں تعطیل کے دن بڑے سے بڑے معاوضہ پر بھی کوئی کاروبار نہیں کرتے اور کامل آرام لیتے یا سیر وتفریح کرتے ہیں۔ اس چھوٹے سے گاؤں میں بھی ہم نے دیکھا کہ ہر متنفس تعطیل منا رہا تھا لوگ یا تو مختلف کھیلوں میں مشغول تھے یا آرام لے رہے تھے۔

اس موضع کے ایک راستہ سے متصل ایک بڑا پتھر کا گنڈر رکھا ہوا ہے اس کے نیچے ایک کتبہ اس مضمون کا لگا ہوا تھا کہ گاؤں کے لوگ اس پتھر پر (۶۰۰) برس پہلے کھیل وتفریح کرتے تھے ۔ انگریز قوم کو دیکھئے کہ معمولی سی معمولی چیزوں کو تاریخی بنا رہی ہے اور خود کو دیکھئے کہ اسلاف کے درخشاں تاریخی کارناموں کو مٹا رہے ہیں۔ میڈن ہیڈ اور کوکم جس حصہ ملک میں واقع ہیں اُسے تھیمس ویالی کہا جاتا ہے۔ میڈن ہیڈ میں علاوہ موٹر ٹکیسوں کے وکٹوریہ فیٹن بھی کرایہ پر چلتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ہم شام کے (۶) بجے لندن واپس ہوئے۔

دوشنبہ ۱۵ جولائی | ارکان وفد میں سے مولوی لائق علی صاحب تبدیل آب و ہوا کیلئے پیارس گئے ہیں اور راجہ پنالعل صاحب مزاج درست نہ ہونے کی وجہ سے نہ آسکے اس لیئے نواب زین یار جنگ بہادر۔ نواب میر نواز جنگ بہادر خانبہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب اور میں ذریعہ موٹر کار مڈلینڈ کے دورہ پر روانہ ہوئے۔ مسٹر ویب انگلش الکٹریکل کمپنی کے انجینر ہمارے ساتھ تھے تمام تمام راستہ انھوں نے یہاں کی صنعتوں اور بڑے بڑے کارخانوں سے متعلق معلومات بہم پہنچائے ہماری پہلی منزل رگبی شہر میں تھی جو لندن سے تقریباً (۹۰) میل ہے۔ راستہ میں بیسیوں چھوٹی بڑی بستیوں میں سے گزر ہوا جن میں لچ فیلڈ قابل ذکر ہے جہاں لندن کے قدیم ترین پانچ گرجاؤں میں سے ایک گرجا واقع ہے اس گرجا کے مینار جو بہت بلند ہیں بہت دور سے نظر آتے ہیں۔ راستہ بھر دیہات کے دلفریب مناظر مسلسل نظر آتے رہے۔ اس سفر میں ہم ڈونٹری پر سے گزرے جہاں ایک بڑا مضافاتی نشر گاہ قایم ہے۔ دن کے بارہ بجے رگبی پہنچ کر ہم نے انگلش الکٹرک کمپنی کا کارخانہ دیکھا جہاں برقابی قوت کے مشینیں بنتے ہیں۔ کمپنی کی جانب سے لنچ کا انتظام تھا۔ لنچ کے بعد ہم اس کمپنی کے دوسرے کارخانہ کو دیکھنے کے لیئے اسٹافورڈ گئے۔ یہ انگلینڈ کا سب سے بڑا کارخانہ ہے جہاں بجلی کی قوت کی تولید کے مشین تیار ہوتے ہیں۔ زمانۂ جنگ میں اس کارخانہ میں ایرو پلین اور ڈبابوں کے انجن بنتے تھے دوران معائنہ میں ہمارے متعدد مرتبہ فوٹو لیئے گئے۔ چاء کا انتظام کمپنی کی طرف سے تھا۔ شام کے (۶) بجے ہم یہاں سے روانہ ہو کر شب کے (۸) بجے وارک

پہنچے جہاں لارڈ ر لیسٹر ہوٹل میں ہمارے قیام کا انتظام تھا۔ اس بستی میں داخل ہوتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ ایک بہت ہی قدیم بستی میں آ گئے ہیں۔ یہ بستی (۱۲۰۰) برس پہلے بسائی گئی تھی۔ اکثر مکانات قدیم زمانہ کے ہیں۔ لکڑی کے فریم میں اینٹوں سے بنائے گئے ہیں بعض مکانات امتداد زمانہ کی وجہ سے جھک گئے ہیں یہ بستی پہاڑی پر واقع ہے۔ جہاں پہاڑ کا حصہ ختم ہو کر ایک دم نشیب شروع ہوتا ہے ایک مسقف کمان ہے جو چوڑائی میں مشکل سے (۱۲) فیٹ ہوگی شہر میں داخل ہونے کا یہی قدیم راستہ تھا اس کو اب پیدل راستہ قرار دے کر بازو سے بڑی سڑک ڈالی گئی ہے۔ میں نے ایسی قدیم بستی اس وقت تک یہاں نہیں دیکھی۔ اس گاؤں میں علاوہ ہوٹلوں کے چھوٹے چھوٹے ان بھی ہیں جو قدیم زمانہ کی یادگار ہیں۔ لندن سے باہر دوسرے چھوٹے گاؤں میں بھی اسی قسم کے ان کہیں کہیں دکھائی دیتے ہیں۔ اس طویل سفر میں میں نے دیکھا کہ یہاں کی دیہاتی سڑکیں بہت پیچ دار ہیں۔ بارش کے پانی کے لیئے موریوں پر پل یعنی کلورٹ نہیں ہیں البتہ جا بجا زمین ہی میں سوراخ کر کے نیچے سے نالیاں نکالی گئی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سوراخوں میں سے پانی اندر جا کر جذب ہو جاتا ہے کیوں کہ یہاں کی مٹی جاذب ہے۔ ہم جس ہوٹل میں ٹھیرے ہیں وہ اسی قدیم طرز پر چلایا جاتا ہے جو سو پچاس برس پہلے رائج تھا۔ دوسرے مواضعات کے مماثل یہ موضع بھی پاک صاف ہے۔ ترکاری گوشت وغیرہ کو یہاں باقاعدہ چھوٹی چھوٹی دکانوں میں آئینے کی کھڑکیوں کے پیچھے صفائی کے ساتھ رکھا جاتا ہے کوئی شخص راستہ پر سامان رکھ کر نہیں بیچتا۔

مسٹر ویب سے معلوم ہوا کہ انگلینڈ میں ہر دس خاندان میں سے ایک خاندان کے پاس موٹر کار ضرور ہے اور یہ کہ کمسن بچوں کو تنہا سڑک پار کرنے کی ممانعت ہے ماں باپ ساتھ نہ ہوں تو کسی راہ رو کی مدد سے وہ سڑک پار کرتے ہیں۔

لندن کے مضافات میں اوک۔ پاپلر اور ایلم کے درخت زیادہ تر دکھائی دیتے ہیں۔ اوک کا درخت املی کے درخت کے مماثل بہت بڑا ہوتا ہے۔ پاپلر کے درخت سرو کے مانند سیدھے ہوتے ہیں سڑکوں کے بازو اور کھیتوں کے اطراف باڑ کے طور پر انہیں لگایا جاتا ہے اور بلند سبز ٹٹی کے طور پر بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ ایلم کا درخت نیم کے درخت سے مشابہہ ہے۔

میں نے اس سے پہلے لکھا ہے کہ یہاں سانپ نہیں ہوتے بعد میں معلوم ہوا کہ ایڈر قسم کے چھوٹے سانپ یہاں پائے جاتے ہیں جنھیں گھاس کا سانپ کہتے ہیں یہ بہت شاذ پائے جاتے ہیں اور زیادہ زہریلے نہیں ہوتے۔

صبح سے موسم میں خنکی آگئی ہے آج کی خنکی حیدرآباد کے موسم سرما کے جاڑے سے کم نہیں ہے۔ موسم میں تبدیلی کی وجہ یہ ہے کہ دو روز سے یہاں ترشح ہو رہا ہے۔

آج کے موٹر کار کے سفر میں جا بجا گرانڈ یونین کنال ملتی رہی اس سے کھیتوں کو پانی نہیں لیا جاتا بلکہ اس کے ذریعہ مسافر اور مال کی حمل و نقل

ہوتی ہے۔

بعض مقامات پر کاشتکار زمین پر ناگر چلا رہے تھے۔ یہاں کا ناگر لوہے کا ہوتا ہے جسے دو پہیوں پر لگاتے ہیں ایک لوہے کی مختصر سی بیٹھنے کی جگہ بھی رہتی ہے ایک یا دو گھوڑے اس کو کھینچتے ہیں۔ ناگر چلانے والا یا تو پیدل چلتا رہتا ہے یا پہیوں کے اوپر کے سٹم پر کھڑا ہو جاتا ہے یا اگر چاہا تو سیٹ پر بیٹھ جاتا ہے بعض کھیتوں ہی میں کاشتکاروں نے اپنے مکان بنا لئے ہیں۔ جو مختصر مگر پختہ دیواروں کے ہیں۔ ان مکانات سے قریب بیلوں کے کوٹھے مرغیوں کے کھڑاڑے۔ گھاس کی گریاں اور غلہ رکھنے کے گودام بھی موجود ہیں۔

سہ شنبہ ۱۶۔جولائی	صبح کے (۹) بجے وارک گاؤں سے جہاں ہم ٹھیرے ہیں دولورتھ ہیامپٹن گئے جو تقریباً (۵۰) میل کے فاصلہ پر ہے

یہاں تھامسن کمپنی کے بائلر بنانے کے کارخانہ کو ہم نے تفصیل سے دیکھا دوران معائنہ میں یہاں کے پریس والوں نے تصویریں لیں اور حیدرآباد سے متعلق معلومات حاصل کرتے رہے۔ یہیں ہم نے لنچ بھی کھایا۔ اس شہر میں بیسیوں بڑے بڑے کارخانے ہیں جہاں ہزارہا مزدور کام کرتے ہیں۔ اس شہر کی آبادی ڈھائی لاکھ ہے۔ گلاسگو، منیچسٹر اور برمنگھم کے صنعتی شہروں کے بعد اس کا شمار ہوتا ہے یہ سب شہر کالی بستیاں یعنے بلاک کنٹری اس لیئے کہلاتی ہیں کہ کارخانوں کی کثرت کی وجہ سے دھویں سے سارے شہر کالے ہو گئے ہیں۔ اسی بستی پر بھی جرمنی نے متعدد بم گرائے مگر کسی کارخانہ کو صدمہ

نہیں پہنچا بہت خفیف نقصان بعض عمارات کو ہوا۔ شام کے (۴) بجے ہم ہوٹل
واپس آئے اور (۵) بجے سے لے کر (۶) بجے تک ارل آف وارک کے محل
یعنے کاسل کو تفصیل سے دیکھا جو پہاڑ پر عین وارک بستی کے اندر واقع ہے
تیرھویں صدی عیسوی کے زمانہ کی تصویریں۔ فرنیچر اور ہتھیارات اس محل
میں محفوظ ہیں اور بہت اچھی حالت میں ہیں۔ فی کس (۶) شلنگ کا ٹکٹ لے کر
اس محل میں جا سکتے ہیں۔ محل کے اطراف نہایت وسیع میدان اور چمن ہیں
چمن کے ایک حصہ میں سنگ مرمر کا ایک بڑا کونڈا یعنے واز ہے جو دو ہزار
برس پرانا ہے۔ شام کے (۶½) بجے ہم اسٹراتفورڈ آن اوآن
گئے جو وارک سے (۵) میل ہے۔ یہ شہر مشہور ڈرامہ نویس شکسپیر کا وطن ہے
ہم نے اس گرجا کو دیکھا جہاں شیکسپیر عبادت کے لیئے جاتا تھا اور جہاں اب
وہ مدفون ہے۔ سنہ ۱۶۱۶ء کے رجسٹر بھی موجود ہیں جس میں شیکسپیر کی ولادت
اور اس کی وفات سے متعلق اندراجات ہیں۔ وہ قدیم کٹورا نما پتھر کا بیسن بھی
اس وقت تک محفوظ ہے جس میں پانی وغیرہ ڈال کر شیکسپیر کا بپتسمہ کیا گیا
تھا۔ شیکسپیر کی قبر کے بازو اس کے بعض رشتہ داروں کی بھی قبریں ہیں معلوم
ہوا کہ اس وقت اس کے خاندان سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔ کیونکہ تین پشت
کے بعد خاندان مفقود ہو گیا تھا اس بستی میں اپریل سے جو شیکسپیر کی پیدائش کا
مہینہ ہے اگسٹ تک شیکسپیر میلہ یعنے فسٹیول منایا جاتا ہے اور اس کے
لکھے ہوئے ڈرامے ایک تھیٹر ہال میں جو اس کی یادگار میں بنایا گیا ہے کیئے
جاتے ہیں ایک دن پہلے بڑی مشکل سے آج شام کے لیئے لفز لیبر لاسٹ کے

ٹکٹ مل گئے تھے ڈرامہ شام کے (۷½) بجے شروع ہو کر (۱۰½) بجے ختم ہوا
شیکسپیر کا مجسمہ پبلک پارک کے بیچ میں کھڑا کیا گیا ہے۔ ہم نے اس مکان کو
بھی دیکھا جس میں شیکسپیر رہتا تھا اسے ایک ٹرسٹ کے تحت محفوظ کیا گیا ہے۔
شیکسپیر کے استعمال کی چیزیں اس میں محفوظ ہیں۔ یہ دو منزلہ مکان قدیم
ٹیوڈر زمانے کے طرز کا ہے۔ لکڑی کے چوکھٹے میں اینٹوں سے بنا ہوا ہے
کویلو کی چھت ہے۔

انگلینڈ میں بہت سارے بڑے بڑے نامور مصنف گزرے
ہیں مگر جس طریقہ پر شیکسپیر کی یاد کو یہاں تازہ رکھا گیا ہے وہ بہت
غیر معمولی ہے۔

چہار شنبہ ۱۷۔جولائی صبح (۹) بجے وارک سے کوئنٹری روانہ ہوئے جو (۱۴) میل
کے فاصلہ پر واقع ہے یہ ایک بڑا صنعتی شہر ہے جس میں ۱۲۷
بڑے بڑے کارخانے ہیں پہلے اس کارخانہ کو دیکھا جہاں اسٹینڈرڈ
موٹر گاڑیاں بنتی ہیں۔ آجکل روزانہ ڈیڑھ سو گاڑیاں بن رہی ہیں جنگ سے
پہلے کی تعداد کو پہنچنے کے لئے ابھی کچھ عرصہ ہوگا کیونکہ جنگ سے واپس شدہ
لوگ ابھی کارخانوں میں پوری طرح رجوع نہیں ہوئے ہیں۔ اس کارخانہ میں بجلی کی
قوت سے کاریگروں کو تمام سامان مختلف مقامات پر پہنچایا جاتا ہے نیچے جہاں
لوگ کام کرتے ہیں لوہے کی پٹڑیوں پر زیر تکمیل موٹر کار آہستہ آہستہ چلتی رہتی
ہے۔ اور قدم قدم پر ایک ایک کام چلتے ہوئے ہی انجام دیدیا جاتا ہے
تاآنکہ آخر میں موٹر کار تکمیل ہو کر آزمائشی دوڑ کے لئے کارخانہ سے باہر نکل

جاتی ہے۔ دوپہر میں ہم نے الفرڈ ہربرٹ کے اس کارخانہ کو دیکھا جہاں مشین ٹولس بنائے جاتے ہیں یہ کارخانہ بھی اپنی نوعیت کا وسیع ترین کارخانہ ہے۔ اخبارات میں پڑھا تھا کہ غنیم کی بم باری سے سارا کونٹری برباد ہو گیا ہے مگر میں نے دیکھا کہ صرف بستی کے کچھ حصے اس کی زد میں آئے ہیں جس کا اندازہ (۲۰) فیصدی کیا جاتا ہے کوئی کارخانہ تباہ نہیں ہوا۔ بعض کارخانوں پر بھی بم گرے اور خفیف سا نقصان دیواروں اور دروازوں کو پہنچا۔ شام کے (۶) بجے ہم وارک واپس ہوئے۔

یہاں کی سڑکوں سے متعلق ایک چیز ذکر طلب ہے وہ یہ کہ شہر لندن سے باہر اضلاع کی تمام سڑکوں کے بیچ میں ڈھائی تین انچ ربر کے مربع ٹکڑے چار چار گز کے فاصلہ سے مسلسل ایک پٹی کے طور پر زمین کے اندر نصب کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے نیچے اسپرنگ لگے ہیں اور بازوؤں میں شیشے کی گولیاں ہیں کوئی وزن اوپر سے جائے تو یہ ٹکڑے دب جاتے ہیں۔ رات میں موٹر کار کی روشنی پڑنے پر ایسے چمکتے ہیں جیسے کہ جانوروں کی آنکھیں موٹر کی روشنی میں چمکتی ہیں۔ یہ انتظام اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ دیہات کی طویل سڑکوں پر جو بستیوں سے باہر کھیتوں میں سے گزرتی ہیں روشنی کے کھمبے نہیں ہیں ان ٹکڑوں سے موٹر کار چلانے والوں کو اندھیرے میں راستہ نظر آتا ہے اور حادثات نہیں ہوتے۔

پنجشنبہ ۱۸۔ جولائی تین روز سے بارش ہو رہی ہے اور موسم میں خاص سردی پیدا ہو گئی ہے۔ صبح (۹) بجے ہم وارک سے برمنگھم روانہ

ہوئے جو تقریباً (۱۵) میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ بہت وسیع اور گنجان شہر ہے آبادی دس لاکھ بیان کیجاتی ہے۔ شہر کے راستے اس قدر پیچیدہ ہیں کہ ہمارا موٹر ڈرائیور جابجا راستہ پوچھتے ہوئے بڑی مشکل سے یونیورسٹی تک پہنچا۔ پہلے یہ یونیورسٹی عین شہر میں واقع تھی (۱۲) سال پہلے اسے شہر سے باہر منتقل کیا گیا مگر پھیلتے پھیلتے شہر اب پھر اس سے مل گیا ہے نہایت وسیع میدان میں اونچے ٹیلہ پر یہ یونیورسٹی واقع ہے۔ اس کا اسمبلی ہال نہایت شاندار اور وسیع ہے۔ متعدد شعبوں کے لئے عمارات ایک دوسرے سے متصل بنائی گئی ہیں۔ میڈیکل فیاکلٹی کی عمارت جو چھ منزلہ ہے تھوڑے سے فاصلہ پر اسی میدان میں علحدہ بنائی گئی ہے جدید وضع کی وسیع عمارت ہے جس پر گھڑیال گھر بھی ہے۔ یہاں سے ہم بی۔ ایس۔ اے کارخانہ کے معائینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ شہر کے راستوں پر پھر گم ہو گئے اور بڑی چکر یں کاٹتے رہے محض راستہ دریافت کرنے میں پون گھنٹہ سے زیادہ وقت صرف ہو گیا اور بجائے (۱۰ ½) بجے کے ہم (۱۱ ½) بجے کارخانہ پہنچے چونکہ لندن میں آج ہی چار بجے ایک کمیٹی میں اس کے بعد (۶) بجے ایک پارٹی میں اور رات میں سر پیاٹرک کہلین کی دعوت میں ہاؤز آف کامنس جانا تھا۔ اس لئے معائینہ کو ہم نے جلد جلد ختم کیا تب بھی ایک بجے تک ہم مصروف رہے۔ لنچ کے کھانے کا جو انتظام کارخانہ نے کیا تھا اسے ملتوی رکھنا پڑا کیوں کہ لندن تین گھنٹے کا راستہ ہے۔ بی۔ایس۔اے بہت مشہور کارخانہ ہے جہاں بندوقیں اور سیکلیں بنتی ہیں۔ دوران جنگ میں اس کارخانہ میں جہازوں پر اور

روزنامہ سفر یورپ و امریکہ

قندقوں میں استعمال ہونے والی بڑی بڑی توپیں بنائی جاتی تھیں۔ غنیم نے برمنگھم
پر جو بم باری کی اس میں سب سے زیادہ اسی کارخانہ کو نقصان پہنچا۔ ایک
ثلث کارخانہ بالکل تباہ ہوگیا جانیں بھی ضائع ہوئیں کہا جاتا ہے کہ چھوٹے مشین
کے اوزارات کی حد تک جو نقصان اس کارخانہ کو ہوا اس کی مقدار اس قسم
کے اوزارات کے اس کل نقصان سے زیادہ تھا جو کونٹری کے جملہ کارخانوں
کے نقصان کو ملاکر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ باوجود اس قدر کثیر نقصان کے یہاں
کے کام کرنے والوں۔ بڑے عہدہ داروں اور نظماء کی ہمتیں پست نہیں
ہوئیں۔ سب کے سب اسی جوش و خروش سے کام کر رہے ہیں جیسا پہلے
کرتے تھے اور کوئی پروا اُس کثیر نقصان کی نہیں ہے جو جنگ میں ہوا۔
یہ آگے دیکھتے ہیں پیچھے نہیں دیکھتے۔ یہی ان کی کامیابی کا راز ہے ہر
شخص چاہتا ہے کہ سابقہ نقصان کی تلافی جلد سے جلد ہو جائے گویا بمباری
نے ان کی ہمتوں کو اور بلند کر دیا ہے بالفاظ دیگر انتہائی صدمہ کو وہ اپنی
کامیابی کا راز تصور کرتے ہیں۔ انگریز قوم کا یہ وطیرہ ہمارے لئے سبق آموز ہے۔
یہاں سے ہم ایک بجے روانہ ہوگئے مگر راستہ میں موٹر کے
ٹیوب میں سوراخ ہو جانے کی وجہ سے کچھ تاخیر ہوئی اور بجائے (۴) بجے
کے ہم (۴½) بجے لندن پہنچے۔ شام کے (۶) بجے مولوی میر لائق علی صاحب
نے ارکان وفد سے ملانے کے لئے یہاں کے سر برآوردہ اصحاب کو کاکٹیل
پارٹی پر مدعو کیا تھا اس میں شریک ہوئے اور (۸) بجے شب کو ہاؤس آف کامنس
گئے جہاں سر پیاٹرک ہینن رکن پارلیمنٹ نے ارکان وفد کو کھانے پر مدعو

کیا تھا اس دعوت میں بعض دوسرے ارکان پارلیمنٹ اور پارلیمنٹری سکریٹری اور سینیئر پارلیمنٹری مدعو تھے۔ کھانے کے بعد سر پیاٹرک ہینن نے بادشاہ کا جام صحت تجویز کیا اس کے بعد خیر مقدمی تقریر کی۔ اس کے جواب میں نواب زین یار جنگ بہادر نے جوابی تقریر کی۔ سر پیاٹرک ہینن نے انگریز اصحاب سے یکے بعد دیگرے تقریر کرنے کی خواہش کی اور انھوں نے بھی تقریریں کیں اس کے بعد سر پیاٹرک ہینن کی خواہش پر مولوی میر لائق علی صاحب، راجہ پنالعل جی اور میں نے تقریریں کیں۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ انگریز قوم اپنی بات اور وعدہ کی بہت پاس داری کرتی ہے۔ اس لئے ہمیں کامل یقین ہے کہ سنہ ۱۸۰۶ کا جو معاہدہ مملکت حیدرآباد اور تاج برطانیہ کے مابین ہوا ہے اسے محض ایک کاغذ کا پرزہ نہیں تصور کیا جائیگا حیدرآباد کو بہ حیثیت ایک خود مختار وحدت کے اس جدید نظام میں جگہ ملنی چاہیئے جو ہندوستان کو آزادی عطا کئے جانے کے ضمن میں ملک معظم کی حکومت کے زیر غور ہے ہم کوئی رعایت نہیں چاہتے بلکہ معاہداتی اور مسلمہ حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ہز اگزالٹیڈ ہائی نس دی نظام نے اپنے کامل وسائل سے سلطنت برطانیہ کی ہر وقت مدد کی ہے جس کا اعتراف بارہا کیا جا چکا ہے۔ یار وفادار کا لقب پہلے ہی سے تھا اور اب حال میں ملک معظم نے رائل وکٹورین چین کا نادر اعزاز بھی پیش کر کے مودت اور یگانگت کی زنجیر کو زیادہ مستحکم فرمایا ہے۔ انگلستان میں آج ذرائع رسل و رسائل۔ کوئلہ۔ بجلی اور بنکوں کو اسٹیٹ کنٹرول میں لانے کی تجاویز ہو رہی ہیں۔ حیدرآباد میں ان سب وسائل کو

سالہا سال پہلے ہی حکومت نے اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا جس سے اس کی دور اندیشانہ پالیسی کا ثبوت ملتا ہے میری تقریر (۲۵) منٹ سے متجاوز ہو چکی تھی اور خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب جو میرے بازو تھے ہاتھ کے اشارے سے مجھے نہ روکتے تو میں بہت کچھ کہہ جاتا۔ روانگی کے وقت سر پیاٹرک ہینن نے کہا کہ وہ میری تقریر سے متاثر ہوئے۔ اختتام پر سر پیاٹرک ہینن نے نواب زین یار جنگ بہادر سے خواہش کی کہ اس دعوت میں جو ممبران پارلیمنٹ مدعو تھے ان کی جانب سے حضور نظام کی خدمت میں پیام پہنچایا جائے کہ وہ حضور نظام کو بڑی قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی ریاست کی صنعتی ترقی میں ممکنہ امداد کریں گے۔

جمعہ ۱۹۔ جولائی | دن کے ساڑھے بارہ بجے ارکان وفد کو لارڈ پیتھک لارنس وزیر ہند نے ملاقات کا وقت اپنے دفتر میں دیا تھا۔ موصوف خندہ پیشانی سے ملے اور ممکنہ امداد دینے کا وعدہ فرمایا۔ یہاں سے واپس ہو کر ایک کمیٹی میں شرکت کی جس کے بعد سیوائے ہوٹل میں سر تو ڈورٹا سکر سر فرانک براؤن۔ کرنل سلاٹر اور مسٹر رچرڈ کے ساتھ ارکان وفد نے لنچ کھایا۔ شام کے (۶) بجے سیوائے ہوٹل میں کاک ٹیل پارٹی میں شریک ہوا جو یہاں کے صناعان نے حکومت ہند کے تجارتی وفد اور حیدر آباد کے صنعتی وفد کے اعزاز میں ترتیب دیا تھا۔ اس موقع پر یہاں کے صناعان کی انجمن کے صدر مسٹر واکر نے خیر مقدمی تقریر کی جس کے بعد سر ویسو رائیر صاحب نے جو ہندوستانی وفد کے صدر ہیں جوابی تقریر کی۔

ہمارے وفد کے صدر نواب زین یار جنگ بہادر غلط فہمی کی وجہ سے اس وقت
تک نہیں آئے تھے۔ نواب احسن یار جنگ بہادر نے حیدر آباد کی طرف سے مجھے
تقریر کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ میں نے حیدر آباد کے مشن کی جانب سے
میز بانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے مشن نے انگلینڈ کے صنعتی
مراکز کا جو دورہ کیا اس میں یہاں کے مالکان صنعت و حرفت سے ربط
قائم کرنے کا موقع ملا۔ ہم شکرگزار ہیں کہ ہمارے ساتھ پورا تعاون کیا جا رہا ہے،
اور ممکنہ امداد کا وعدہ کیا گیا ہے ہم جانتے ہیں کہ یہاں کی صنعتیں ابھی سابقہ
رفتار کار پر نہیں آئی ہیں۔ اور بعض مشکلات کا ان کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے
ساتھ ہی ہماری مشکلات کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ صنعتی میدان میں ہم بہت
بعد آئے ہیں۔ جن ممالک کو خدا نے اس میدان میں سبقت دی ہے ان کا
کام ہے کہ ہمیں بھی آگے بڑھائیں کیوں کہ قافلہ کے کسی ساتھی کو پیچھے چھوڑنا
کبھی مستحسن نہ ہوگا۔ انگلینڈ کے جانور ہندوستان کے دیہاتی انسانوں سے
بہتر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے انگریزوں کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ
صدیوں سے ہمارا ان کا جو ساتھ رہا ہے اس کے مدنظر ہماری صنعتی ضروریات
کا خیال رکھیں۔ اب جب کہ ہندوستان کو سیاسی آزادی دی جا رہی ہے یہاں
کے مالکان صنعت و حرفت و تجارت کو موقع ہے کہ آزاد ہندوستان کے
ساتھ اپنے صنعتی اور تجارتی تعلقات کو مستحکم کریں یہی آگے چل کر برٹش
کامن ویلتھ کے استحکام کا باعث ہوگا میری تقریر ختم ہونے کے کچھ دیر
بعد نواب زین یار جنگ بہادر بھی آگئے اور کہا کہ ان کی ڈائری میں (۶½) بجے

کا وقت نوٹ کیا گیا تھا۔ برمنگھم کے اخبار آبزرور اینڈ اسٹار نے ۱۶۔ جولائی کی اشاعت میں ہمارے وولورتھ ہیامٹن کے بائلر کارخانہ کے معائنہ کے حالات شائع کئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے اخبار کے نمائندوں سے بیان کیا کہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کا استحکام حیدرآباد کی امداد سے ہوا۔

آج مسٹر بی کا خط آیا جو یہاں کے دو مشہور اخبارات کے اڈیٹر ہیں کل مجھے اپنے اخبار کے منیجر کے ساتھ لنچ پر مدعو کیا ہے وہ میری اس تقریر سے بہت متاثر ہوئے تھے جو میں نے پیوستہ پنجشنبہ کو لندن کی نشرگاہ سے کی تھی اور چاہتے تھے کہ میں اس بارے میں تفصیل سے اپنے خیالات کو ظاہر کر دوں۔

سر ولیم بارٹن سابق رزیڈنٹ حیدرآباد کا بھی خط آیا جس میں انہوں نے مجھے اپنے دیہاتی مکان میں ایک روز کے لیئے آنے کی دعوت دی ہے اس سے پہلے بھی کئی بار بالمشافہ انہوں نے مجھ سے یہی خواہش کی تھی۔ ارادہ ہے کہ کسی روز ان کے ہاں جاؤں۔ آج لنچ کے بعد سر تھیوڈور ٹاسکر نے بھی اپنے مکان پر ایک دن بسر کرنے کے لیئے اصرار سے کہا۔ موصوف شہر سے باہر (۱۳۰) میل دور رہتے ہیں۔

شنبہ ۲۰۔ جولائی

جب سے آیا ہوں مسٹر کے برنٹ سابق پرنسپال نظام کالج سے ملنے کی فکر میں ہوں موصوف ۱۹۱۴ء میں نظام کالج کے پرنسپل تھے جب کہ میں بے۔ اے کلاس میں شریک ہوا تھا۔ مجھ پر بہت

مہربان تھے اور سیول سروس کلاس کے داخلہ میں میری بڑی تائید کی تھی۔
مجھ سے کہا گیا تھا کہ ٹیلیفون کی فہرست میں لوگوں کے پتے مل جاتے ہیں چنانچہ
آج صبح اُٹھتے ہی اس فہرست کو دیکھا جو ہوٹل کے ہر کمرہ میں ٹیلیفون کے ساتھ
رکھی رہتی ہے مجھے یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ مسٹر کے برنٹ کا نام اس میں
نہیں ہے شاید ان کے مکان پر ٹیلیفون نہیں ہے۔ اس ضمن میں قابل تذکرہ
چیز یہ ہے کہ لندن کے ٹیلیفون کی فہرست دو ضخیم جلدوں میں چھاپی گئی ہے
پہلی جلد میں 'اے' سے لے کر 'کے' تک کے ناموں کی فہرست ہے جو
(۱۱۹۲) صفحوں کی ہے دوسری فہرست 'ایل' سے لے کر 'زیڈ' تک ہے
جو (۲۶۵۲) صفحہ کی ہے مخض فہرست (۳۸۴۴) صفحوں کی ہے ہر صفحہ پر
اوسطاً (۲۲۵) نام ہیں اس طرح گویا (۸،۶۴،۹۰۲) نام درج فہرست ہیں جس سے ظاہر
ہے کہ کل آبادی کے تقریباً دس فیصد باشندوں کے ہاں ٹیلیفون موجود ہے جس سے
اس ملک کے تموّل اور کاروبار کی وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

نواب زین یار جنگ بہادر نے میرے تفویض حیدرآبادی طلباء
کا کام کر دیا ہے اس لئے کل یعنے ۱۹- جولائی سے میں نے مسز ٹمنس کو
بطور سکریٹری مقرر کیا ہے جو ٹائپ بھی جانتی ہیں کل یہ ٹائپ رائٹر اور لکھنے
پڑھنے کا ضروری سامان خرید کر لائیں۔ مسز ٹمنس محبوبیہ گرلز اسکول حیدرآباد
میں اُستانی ہیں۔ ایک سال کی رخصت لے کر وطن آئی ہیں۔

ایک بجے کارلٹن گرل ہوٹل گیا جہاں مسٹر بی اڈیٹر گریٹ برٹن اینڈ
دی ایسٹ نے لنچ پر مدعو کیا تھا۔ اس پرچہ کے مینجر مسٹر مارگن بھی موجود تھے

ہندوستان۔ حیدر آباد اور انگلستان کے مختلف معاشی مسائل سے متعلق گفتگو رہی۔

تین بجے لنچ سے واپس ہو رہا تھا کہ ایک حبشی عورت جاتی ہوئی نظر آئی۔ رنگ دھوپ سے تانبے کا سا تھا کیوں کہ یہ لوگ اپنا ٹانڈا مختلف مقامات پر کھلے میدانوں میں ڈالتے ہیں۔ لباس بھی خاص تھا۔ منکوں کی لڑیاں گلے میں تھیں۔ سر پر ایک خاص قسم کی ٹوپی تھی پہنچوں میں ڈوریاں باندھی ہوئی تھی۔ کہاجاتا ہے کہ یہ لوگ بہت سفاکی سے چوری کرتے ہیں۔

یکشنبہ ۲۱۔ جولائی (۱۱) بجے تک کام کرتا رہا اس کے بعد خان بہادر عبد الکریم بابو خاں صاحب کو ساتھ لے کر وکٹوریہ اسٹیشن سے برائٹن گیا جو یہاں کا مشہور اور مقبول تفریح گاہ ہے (۱۲) بجے ہم فاسٹ ٹرین یعنے تیز گاڑی سے روانہ ہوئے اور ایک بجے برائٹن پہنچے۔ راستہ میں پانچ بھٹیاروں میں سے ریل گزری۔ دور سے ریل ہی میں سے برائٹن کا شہر نظر آیا جو پہاڑ پر لب سمندر واقع ہے شہر کے نشیب و فراز پر مکانات ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے کسی نے مکانات کی نمائش کی ہے۔ سیڑھی در سیڑھی ایسے سلیقہ سے بنائے گئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے پہاڑ کی چوٹی سے لے کر نیچے تک گلدستے رکھے ہوئے ہیں۔ سمندر کا ساحل بستی کے پائین تک ہے شہر بلندی پر ہے اس لیئے پانچ نہایت وسیع اور خوبصورت سڑکیں ایک کے اوپر ایک بنائی گئی ہیں۔ ہر سڑک کے بازو کوئی نہ کوئی تفریح کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے ریت کا ساحلی حصہ چھوڑ اگیا ہے جس پر لوگ بیٹھتے

اور کھیلتے ہیں۔ اس کے بازو چھوٹی ریل کی پٹریاں ہیں جو غالباً مال لانے لیجانے کے کام میں لائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد پختہ سنگ بستہ وسیع سڑک ہے جس پر موٹر بسیں چلتی ہیں اس سے متصل پیدل چلنے کا سنگ بستہ راستہ ہے جس کے درمیان میں چھوٹے بچوں کے تیرنے کے حوض ہیں جو دو فٹ سے زیادہ گہرے نہیں ہیں ان میں کم عمر بچے نہاتے اُچھلتے کودتے رہتے ہیں۔ اس سے ملا ہوا موٹر کاروں کی آمدورفت کا راستہ ہے۔ اس کے بعد جابجا پختہ سنگ بستہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ جن پر چڑھ کر جانے کے بعد سنگ بستہ پیدل چلنے کا راستہ ہے اور سب سے آخر میں شہر کے مکانات کے سامنے کی وسیع سڑک ہے۔ ساحل پر اور تمام راستوں کے بازو ہزارہا کپڑے کی آرام کرسیاں کارپوریشن کی جانب سے رکھی گئی ہیں۔ (۳) پنی دیگر کرسی استعمال کر سکتے ہیں۔ جہاں چاہیں انہیں لے جاکر لوگ آرام لیتے ہیں یا ان پر سو جاتے ہیں ساحل سے قریب دریا کے اندر ایک حصہ میں لوہے کے کھمبوں پر دو وسیع اور طویل تفریح گاہیں بنائی گئی ہیں جن پر جانے کے لیئے لکڑی کے فرش کا راستہ ہے جس پر سے لوگ گزرتے ہیں۔ ان تفریح گاہوں پر جانے کے لیئے جسے انگریزی میں پیئر کہتے ہیں (۲ پنی) کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ ہزارہا مرد۔ عورت اور بچے ان پر گھومتے رہتے یا آرام کرسیاں لے کر ان پر بیٹھے ہوئے سمندر کی سیر کرتے ہیں۔ ان پیئرز پر کھانے کے کمرے۔ سینما ہال۔ چائے خانے موجود ہیں۔ تیز اور ٹھنڈی ہوا چلتی رہتی ہے دریائی پرندے یعنے سی گل پانی پر تیرتے ہوئے بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں یہ پرندے قد و قامت میں بڑے بط کے برابر ہیں۔ دیکھنے میں سفید گد

معلوم ہوتے ہیں۔ لوگ اوپر سے روٹی کے ٹکڑے پھینکتے ہیں تو ہوا میں سے اُتر اُتر کر ان کو جھپٹ لیتے ہیں۔ یہ نظارہ بھی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ایک تفریح گاہ کا نام پیالس پیئر ہے۔ اسی قسم کا ایک اور لکڑی سے بنایا ہوا مقام اس سے بالمقابل کچھ فاصلہ پر ہے۔ جسے ویسٹ پیئر کہتے ہیں آخرالذکر پیئر میں چھوٹی چھوٹی بجلی سے چلنے والی موٹروں میں لوگ تختہ کی زمین پر تفریح کرتے ہیں موٹریں ایک دوسرے سے ٹکرا کر اُلجھ جاتی ہیں تو نکلنے کے لیئے لوگ اپنی موٹروں کو آگے پیچھے کرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور کھیل تماشے بھی ہیں۔ ہم جس وقت ساحل پر پہنچے (۲۵) یا (۳۰) ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ ساحل کی سیر کرنے کے بعد بستی میں ہم نے میڈم تساد کے پتلون کی نمائش دیکھی جہاں مشہور اشخاص کے موم کے پتلے رکھے گئے ہیں جو بالکل اصلی معلوم ہوتے ہیں۔

ساحل کے کنارے کئی کئی منزلہ عمارات ہیں جن میں سے اکثروں میں ہوٹل یا رستوران ہیں۔ شہر کا اندرونی حصہ اور بازار بہت سلیقہ سے بنا ہوا ہے میں نے اس وقت تک جتنے شہر دیکھے ان سب میں برائٹن ہر لحاظ سے نہایت اچھا معلوم ہوا۔ شام کے (۸½) بجے کی گاڑی سے ہم لندن واپس ہوئے چونکہ اتوار کی شام تھی اس لیئے لندن واپس آنے والوں کا بڑا ہجوم اسٹیشن پر تھا پلاٹ فارم پر داخل ہونے کے لیئے ایک طویل قطار میں کھڑے رہنا پڑا۔ گاڑی میں جگہ نہ ہونے سے بہت سارے لوگ گیالری میں کھڑے رہے۔

دوشنبہ ۲۲۔ جولائی	صبح کام کرنے کے بعد کتابیں خرید نے کے لیئے فلیٹ اسٹریٹ گیا واپسی میں عدالتوں کی عمارات پر سے گذر ہوا اجو اسٹرانڈ

اور فلیٹ اسٹریٹ کے درمیان واقع ہیں۔ لنچ کے لیئے ایک گھنٹہ کا وقت تھا اس لیئے پولس والے کی رہبری سے عمارت کے اوپر کے حصہ میں گیا جہاں ہائی کورٹ کے چیف جسٹس لارڈ گوڈارڈ اور دو ججس مقدمات کی سماعت کر رہے تھے عدالت کے کمرہ میں داخل ہوتے وقت سر پر سے ٹوپی نکال لینی پڑتی ہے اندر داخل ہوتے ہی ایک گیلری ملتی ہے جہاں پبلک کے لیئے بنچ رکھے ہوئے ہیں ایک مقدمہ میں وکلاء کی بحث ہو رہی تھی۔ کمرہ میں اس قدر خاموشی تھی کہ ذرا سی آہٹ بھی سنی جا سکتی تھی۔ وکلاء اور ججس اس قدر آہستہ مگر صاف طور پر گفتگو کر رہے تھے کہ ہر لفظ ہر شخص بآسانی سن سکتا تھا۔ ایک خاص سکون فضاء میں پایا جاتا تھا ملزم ایک کٹہرہ میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے تین پولس کے جوان بھی کرسیوں پر بیٹھے تھے یہ کٹہرہ اس دروازہ سے ملا ہوا تھا جس میں سے ملزم کو لایا اور لیجایا جاتا ہے۔ بحث ختم ہونے پر چیف جسٹس نے ملزم سے دریافت کیا آیا وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ ملزم نے جرم پر ندامت ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ایک موقع عطاء کیا جائے تو آئندہ وہ محنت کر کے رزق پیدا کرے گا اور اپنی اصلاح کرے گا۔ چیف جسٹس نے ملزم سے کہا کہ اس سے پہلے تین دفعہ وہ سزا پا چکا ہے کوئی توقع نہیں ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے گا۔ اُسے آزاد کرنا مخلوق کے حق میں سخت ظلم کرنا ہے اس کے بعد فیصلہ سنایا گیا جس میں ملزم کو بجائے ۴ سال کی سزا کے جو تحت کی عدالت نے دی تھی (۸) سال کی قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ پولس کے اشارے پر وہ دروازے سے باہر چلا گیا۔ اس کے بعد دوسرے ملزم کی اپیل کا

مقدمہ سماعت کیا گیا ذیلی عدالت کے فیصلہ کو رد کر کے ملزم کو رہا کر دیا۔
اس موقع پر تینوں جج سرخ گون اور بھورے رنگ کے بالوں کی ٹوپیاں جو کان ٹوپ کی وضع کی تھیں پہنے ہوئے تھے۔ وکلاء سیاہ لباس اور اسی قسم کی بالوں کی ٹوپی میں تھے۔ جو منشی شہادت لکھ رہے تھے وہ بھی سیاہ لباس میں کان ٹوپ پہنے ہوئے تھے۔ جملہ طریق کار کا مجھ پر اچھا اثر ہوا۔
ایک بجے ڈاکٹر کویل کو جو ہائی کمشنر کے دفتر میں شعبۂ تعلیمات کے افسر ہیں سیوائے ہوٹل میں لنچ پر مدعو کیا تھا ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ شام کے (۴½) بجے وفد کے کام سے متعلق کمیٹی میں شرکت کی۔ شب کے کھانے پر میں نے امجد علی صاحب عہدہ دار نشر گاہ بی۔ بی۔ سی کو سیوائے ہوٹل میں مدعو کیا تھا۔ بابو خاں صاحب بھی موجود تھے۔ رات میں سونے سے پہلے سفر کے سامان کو درست کیا کیوں کہ کل شام مانچسٹر کے دورہ پر جانا ہے۔

سہ شنبہ ۲۳۔ جولائی — صبح سے ایک بجے تک کام کرتا رہا سہ پہر میں (۳½) بجے سر اسٹافورڈ کرپس پریسیڈنٹ بورڈ آف ٹریڈ نے ہمارے وفد کو ملاقات کا وقت دیا تھا۔ مولوی لائق علی صاحب ایک بجے بذریعہ ہوائی جہاز ہندوستان روانہ ہو چکے تھے اس لیئے بقیہ تین ارکان اور نواب میر نواز جنگ بہادر معتمد وفد مل بنک روڈ پر ان کے دفتر گئے وہاں معلوم ہوا کہ سر اسٹافورڈ کرپس بوجہ ناسازی مزاج دفتر نہیں آئے ان کے بجائے مسٹر مارکوئینڈ وزیر اور سنیر ٹریڈ منسٹر ہم سے ملاقات کریں گے چنانچہ

صاحب موصوف سے ملاقات ہوئی ان کے دفتر کے تین اور عہدہ دار بھی موجود تھے ایک گھنٹہ تک تبادلہ خیال رہا۔ وہاں سے سیوائے ہوٹل واپس آکر ذریعہ موٹر کار (۵) بجے ہم دورہ پر روانہ ہوئے راستہ میں سپلاشن واٹر نامی رستوران میں لنڈن سے تقریباً تیس میل باہر چائے پی۔ شب کے (۸) بجے لیسٹر بستی کے گرانڈ ہوٹل میں قیام کیا جو یہاں کا سب سے بڑا ہوٹل ہے لنڈن سے یہ مقام (۹۰) میل ہے راستہ کے دونوں جانب سبزہ زار اور خوبصورت سلیقہ سے بنے ہوئے مکانات اور چمن مسلسل ملتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر طرف سبز مخمل کا فرش بچھا ہوا ہے جس میں گلدستے لگے ہوئے ہیں۔ پوری سڑک ڈانبر کی بنی ہوئی مگر بہت پیچدار ہے۔ میں نے راستوں کے پیچدار ہونے سے متعلق بعض انگریزوں سے دریافت کیا تو بیان کیا گیا کہ مویشیوں کے قدیم چلنے کے راستوں ہی کو وسیع کر دیا گیا تھا اور وہی راستے اب بھی قائم ہیں۔ انگریزوں کی قدامت پرستی کا یہ بھی ایک نمونہ ہے۔

گرانڈ ہوٹل میں دو قسم کے کمرے ہیں ایک تو نمبروار ہیں جن کیساتھ غسل خانہ نہیں ہے۔ جن کمروں کے ساتھ غسل خانہ لگا ہوا ہے انھیں نمبر دینے کے بجائے مختلف نام دیئے گئے ہیں مثلاً چرچل۔ سالبری۔ کینٹ وغیرہ مجھے جو کمرہ دیا گیا اس کا نام یارک ہے۔ عجیب اتفاق کی بات ہے کہ میں کراچی سے ہوائی جہاز یارک ہی میں لنڈن آیا تھا۔

چہارشنبہ ۔ ۲۴ ۔ جولائی لیسٹر سے صبح (۹) بجے میانچسٹر روانہ ہوئے۔

ہمارا حالیہ سفر انگلستان کے شمالی حصہ میں ہے اس حصہ میں بھی ہر طرف سرسبزی اور شادابی ہے مگر گاؤں کی بستیاں ایسی نزدیک نزدیک نہیں ہیں جیسی کہ جنوبی حصہ یعنی وارک برمنگھم۔ رگبی وغیرہ کے سفر میں دیکھی گئیں۔ اس حصہ میں اکثر مزرعہ جات ملے۔ جسے انگریزی میں ہیملٹ کہتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے کھیتوں ہی ہی میں کاشتکاروں کے قدیم طرز کے مکان اور ان کے آس پاس جانوروں کے کوٹھے اور مرغیوں کے کھڑاڑے بنے ہوئے ہیں یہ مکانات معلوم ہوتا ہے بہت ہی قدیم ہیں کیوں کہ ان میں کھڑکیاں نہیں ہیں بالکل بند نظر آتے ہیں۔ بڑی بستیوں کے مکانات بھی زیادہ شگفتہ نہیں معلوم ہوئے۔ مثلاً ڈاربی کی بستی بہت بڑی اور وسیع ہے مگر مکانات ایک ہی وضع کے سادے طرز کے ہیں۔ کوئی باہر نکلی ہوئی کھڑکیاں جسے بے ونڈو کہتے ہیں نہیں ہیں بالکل فوجی بارک نظر آتے ہیں۔ انگلینڈ میں گائیوں کو رکھنے کے پختہ کوٹھے اور مرغیوں کے لیئے لکڑی کے ڈبوں کی شکل کے کھڑاڑے نہایت ضروری ہیں ورنہ سردی سے ان کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے راستہ میں مرسی ندی ملی جو گھاٹیوں کی گہرائیوں میں بہتی ہوئی بہت اچھی دکھائی دے رہی تھی۔ دن کے (۱۲) بجے ہم منچسٹر میں داخل ہوئے جو لسٹر سے تقریباً (۷۵) میل ہے یہ شہر نہایت طول طویل اور گنجان ہے صنعتی شہروں میں اس کا اونچا مقام ہے۔ اس کثرت سے کارخانے ہیں کہ سارے شہر کی عمارتیں تقریباً سیاہ ہوگئی ہیں ہوا میں بھی دھویں کی آمیزش صاف طور پر نظر آتی ہے اور سانس لینے میں بھی محسوس ہوتی ہے۔ یہ شہر دوسری بستیوں سے جا کر مل گیا ہے ان سب کی

آبادی ملاکر (۸) لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ ہم سیدھے کارخانۂ میٹرو پالٹین و کرس گئے جہاں قوت برقی کے مشین تیار ہوتے ہیں۔ اس کی ٹکر کا بجلی کی مشینیں بنانے والا کارخانہ اس ملک میں نہیں ہے۔ (۲۱) ہزار مزدور روزانہ کام کرتے ہیں۔ مسلسل تین گھنٹے پھر کر دیکھنے پر بھی ہم پورے شعبوں کا معائنہ نہ کر سکے۔ کارخانوں کے جنرل منیجر اور ڈائرکٹروں نے بے انتہا توجہ سے کارخانہ دکھلایا۔ دوپہر کا لنچ بھی ہم نے کارخانہ ہی میں کھایا۔ ہندوستانی طلباء کو جنہیں حیدرآباد کے دو طلباء شامل ہیں اور جو اس کارخانہ میں عملی تعلیم حاصل کر رہے ہیں شام کی چائے پر ہماری ملاقات کے لیئے کارخانہ کے عہدہ داروں نے مدعو کیا تھا۔ رائٹر کی ایجنسی اور دوسرے اخبارات کے نمایندوں کو بھی جمع کیا گیا تھا متعدد فوٹو بھی لئے گئے۔ شب کے کھانے کی دعوت مڈلینڈ ہوٹل میں جہاں ہم ٹھیرے ہیں مسٹرو پالٹین و کرس کی طرف سے تھی۔

مینچسٹر آتے ہوئے مختلف بستیوں میں دکانوں کے اوپر سرخ و سفید پٹوں سے رنگا ہوا ایک ڈنڈا باہر کی طرف نظر آیا یہ اس ملک کے قدیم طریقہ کی ایک یادگار ہے یہ علامت اصلاح خانوں پر لگائی جاتی ہے۔

میں نے لندن کے اخبارات میں کل پڑھا کہ یہاں کے کسی ساحل پر تیل کے بڑے بڑے ٹینک پھٹ جانے سے دریائی پرند یعنے سی گل کے پروں میں تیل لپٹ گیا ہے اور وہ کثرت سے مر رہے ہیں۔ ان کے پروں کو صاف کرنے کے لیئے چربی اور گھی کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی اور یہ کہ بعض ہمدرد عورتوں نے ساحل پر اس کام کے لیئے مرکز قائم کر دیئے تھے۔

اس خبر کے سنتے ہی لوگوں نے کثرت سے اپنے گھی اور مسکہ کے راشن کارڈ اور بہت ساروں نے گھی اور مسکہ پولس اسٹیشنوں پر داخل کرنا شروع کیا تا آنکہ پولس کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جن لوگوں نے پولس کے تھانوں پر یہ سامان بھیجا ہے اسے واپس لے جائیں کیوں کہ پولس کی جانب سے انہیں وصول کرنا خلاف قانون ہے اس ایک معمولی واقعہ سے دو نتائج بر آمد ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ انگریزوں میں ہمدردی کا جذبہ کس درجہ ہے بالخصوص ایسے زمانہ میں جب کہ خود لوگوں کو راشننگ کی وجہ سے کھانے کے لیئے بہت کم دستیاب ہو رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ پولس قاعدہ اور قانون کی کس درجہ پابند ہے۔ یہاں کی پولس کے متعلق ایک انگریز نے دوران گفتگو میں مجھ سے کہا کہ بادشاہ کے بعد اگر کسی کے حکم کی عزت اور وقعت انگریز کرتا ہے تو وہ پولس ہے جسے لوگ حکومت کا نمائندہ سمجھتے ہیں۔ اس کی وقعت کو برقرار رکھنے میں نہ صرف اہل ملک کا تعاون شامل ہے بلکہ یہاں کی عدالتیں بھی پولس والے کے خلاف جرائم کی سزا بہت سخت دیتی ہیں۔

میٹرو و پالیٹین وکرز کے کارخانہ کے معائنہ کے ضمن میں یہ چیز لائق ذکر ہے کہ دو بجلی کے انڈے ہوا میں آویزاں کئے گئے ہیں دس لاکھ کلو واٹس کی قوت جب ان میں دوڑائی جاتی ہے تو ایک انڈے میں سے بجلی اس طرح نکلتی ہے جیسی آسمان پر چمکتی ہے اور دوسرا انڈا اس کو جذب کر لیتا ہے۔

آج مینچسٹر کی ایک سڑک کے بازو سطح زمین سے تقریباً (۱۲) فٹ

نیچے ایک کھُدائی دکھائی دی جس پر ایک تختہ لگا ہوا تھا کہ یہ دوسری صدی کا رومن فورم ہے جو برآمد ہوا ہے اس فورم کے پایہ کے نشانات واضح طور پر موجود ہیں۔

مانچسٹر میں جو انگریزی بولی جاتی ہے اس میں اور لندن کی انگریزی میں تھوڑا سا فرق ہے مثلاً لندن میں بس کو زبر سے بولتے ہیں اور مانچسٹر میں اس کو پیش کے ساتھ کہتے ہیں۔ بوچر کو مانچسٹر میں زبر کے ساتھ بچر بولتے ہیں اس قسم کے تلفظ کا اختلاف انگلینڈ کے بعض اور حصوں مثلاً ویلس اور یارک شہروں میں بھی بیان کیا جاتا ہے۔

مانچسٹر میں کارخانوں کی کثرت اس لیئے ہے کہ یہاں کوئلہ اور ریلوے کے علاوہ مرسی ندی اور بڑے جہازوں کے چلنے کی نہر بھی موجود ہے جسے شپ کینال کہتے ہیں اور جس کے ذریعہ بھاری بھاری مشینیں روانہ کی جاتی ہیں۔

آج شام نیچے ڈنر کو جاتے ہوئے میں نے اپنے کمرہ کا دروازہ اس لیئے مقفل نہیں کیا تھا کہ اس کی کنجی قدیم وضع کے لوہے کے بڑے ٹکڑے میں تھی جیب میں اس وزن کو لے جانے کے بجائے میں نے اسے کمرہ ہی میں میز پر چھوڑ دیا تھا جب ڈنر سے دس بجے واپس آیا تو کمرہ کو مقفل پایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ملازم نے اسے کھلا پاکر بند کر دیا تھا کیوں کہ ہر ملازم کے پاس ماسٹر کنجی رہتی ہے جو ہر کمرہ کے قفل کو لگ جاتی ہے۔ ہوٹل بڑا اور سیکڑوں کمروں کے لیئے آمد و رفت کی گلیاں کثرت سے

ہیں اس لیئے میں ملازم کی تلاش میں مختلف گلیوں میں پھرتا رہا تقریباً (۱۵) منٹ
صرف کرنے کے بعد نیچے کھانے کے کرہ میں گیا تاکہ کسی ملازم کو وہاں سے لاکر
کرہ کھلواؤں۔ کرہ کھلواکر نماز سے فارغ ہو کر بستر پر لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر
کھٹکھٹانے کی آواز آئی میں اُور کوٹ پہن کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ نواب
زین یار جنگ بہادر جن کا کرہ میرے کرے کے تقریباً مقابل تھا کھڑے ہیں
اُنھوں نے کہا کہ ان کے کرے میں چوری ہوگئی اور تمام سامان غائب ہے۔
ساتھ جاکر دیکھا تو سوٹ کیس کپڑوں سمیت غائب ہے۔ جو کپڑے اور دوسرا
سامان باہر رکھا گیا تھا؛ نہ صرف وہ چوری گیا بلکہ ہینڈ بیگ کے قفل کو توڑ کر اس میں سے
حجامت بنانے کا سامان بھی نکال لیا گیا ہے۔ ہوٹل کے منیجر کو اطلاع کرنے پر
وہ اور پولس کے انسپکٹر آ گئے۔ نواب زین یار جنگ بہادر سے تفصیلی واقعات
دریافت کرتے رہے اور شب کے دو بجے تک ہم سب جاگتے رہے۔
یہ عجیب اتفاق تھا کہ میرے کرے میں آنے کے بجائے جسے میں نے کھلا
چھوڑا تھا چور نواب زین یار جنگ بہادر کے کرے میں گیا جو مقفل تھا۔ دوسری
عجیب بات یہ تھی کہ نیچے کھانے پر نواب زین یار جنگ بہادر چوری اور ہاتھ کی
چالاکی کے قصے بیان کر رہے تھے اور اوپر ان کے کرے میں چوری ہو رہی
تھی۔ لندن میں جنگ کے بعد سے معاشی حالات میں جو تغیر ہوا ہے اُس کی
وجہ سے کثرت سے چوریاں، ڈاکے اور قتل ہو رہے ہیں۔ کپڑوں اور
دیگر مایحتاج زندگی پر جو کنٹرول قائم ہیں اس کی وجہ سے ان کی قدر و قیمت
اس قدر بڑھ گئی ہے کہ ان چیزوں کو چرانے کی ترغیب زیادہ

ہوگئی ہے۔

پنجشنبہ ۲۵۔جولائی | صبح نو بجے ہم ذریعہ موٹر کار پورٹ سن لائٹ روانہ ہوئے جو یہاں سے (۴۵) میل کے فاصلہ پر ہے۔اس حصہ ملک کا دیہاتی منظر اس حصہ سے بہتر معلوم ہوا جو لسسٹر سے ڈارلی ہوتے ہوئے مینچسٹر تک جاتے ہوئے کل نظر آیا تھا۔اس وقت تک میں نے ذریعہ سڑک تقریباً تین سو میل سے زیادہ سفر کیا۔میرا مشاہدہ یہ ہے کہ سارے ملک میں ڈانبر کی پختہ سڑکیں بنی ہوئی ہیں جن کے بازو ہر جگہ پیدل چلنے کے راستے ہیں اور بستیوں کے قریب تو سیکل والوں کے لئے بھی علٰحدہ راستہ بنا ہوا ہے۔ شہر لندن کے باہر کی جملہ بستیوں اور گاؤں کے مکانات بالعموم سرخ اینٹ کے ہیں جو دور سے سبزہ زاروں میں خوبصورت گلدستے معلوم ہوتے ہیں۔ بستی شروع ہونے سے پہلے سڑک پر ہر جگہ ایک گول تختی لگی رہتی ہے جس پر (۳۰) کا ہندسہ لکھا رہتا ہے یعنی اس تختی سے آگے موٹر کاروں کی رفتار (۳۰) میل فی گھنٹہ سے متجاوز نہ ہونی چاہیئے۔بستیاں ختم ہوتے ہی اسی قسم کی گول تختی پر ایک سیاہ حلقہ بنا رہتا ہے جس کے بیچ میں آڑی سیاہ پٹی رہتی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ (۳۰) میل فی گھنٹہ کی پابندی برخاست ہوگئی۔لندن سے باہر کی جملہ دیہاتی سڑکوں پر درمیان میں تین چار گز کے فاصلہ سے ربڑ کے ٹکڑے پیوست ہیں جن میں چار بلور کی گولیاں رکھی ہوئی ہیں۔رات میں موٹر کا کی روشنی میں یہ ایسے چمکتے ہیں جیسے بلی کی آنکھیں۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ شہروں سے باہر جو سڑکیں سیکڑوں میل میدانوں اور جنگلوں میں سے گذرتی ہیں اور جن پر روشنی

کھمبوں کا انتظام نہیں ہے وہاں ان سے اندھیری راتوں میں رہبری ہوتی ہے اور حادثات کا خطرہ کم ہو جاتا ہے دن کے ½۱۲ بجے ہم پورٹ سن لائٹ پہنچے اور سیدھے لیور برادرس کے مشہور کارخانہ صابن سازی کو گئے۔ محض اس کارخانہ کی وجہ سے یہ بستی آباد ہوئی ہے اس کے بانی مسٹر لیور نے ابتداء میں بہت وسیع پیمانہ پر کارخانہ کی بناء (۵۰) سال پہلے ڈالی تھی اور تقریباً (۱۲۰۰) ایکڑ کے رقبہ میں کارخانہ۔ اس کے دفاتر۔ اسٹاف کے مکانات اور بنگلوں کا ایسا بہتر نقشہ ڈالا تھا کہ آج اس کی شکل خوبصورت بستی کی ہو گئی ہے جس میں نہایت عمدہ سڑکیں کھیلنے کے میدان جسے یہاں بولنگ گرین کہتے ہیں۔ مزدوروں کے لئے ہوٹل چرچ۔ کلب۔ ہاسپٹال۔ مدرسہ سب کچھ اس میں موجود ہے۔ مکانات کی تعمیر میں قدیم ٹیوڈر کے زمانہ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مسٹر لیور جو بعد میں لارڈ لیور ہو گئے تھے ان کی قبر اسی مقام پر نہایت شاندار بنائی گئی ہے۔ ان کا مجسمہ بھی بستی کے وسط میں کھڑا کیا گیا ہے سب سے زیادہ قابل دید عمارت وہ ہے جو لارڈ لیور نے اپنی زندگی میں لیڈی لیور کی یادگار میں آرٹ گیالری کے نام سے بنوا کر اس میں اعلیٰ درجہ کے قدیم زمانہ کے مصوری کے شاہکار۔ فرنیچر۔ مجسمے اور دوسرے غیر معمولی قدیم مصنوعات کو یہاں رکھا تھا۔ یہ اب نہایت منتخب نمائش گاہ بن گیا ہے جسے اچھی طرح دیکھنے کے لئے کم سے کم تین گھنٹے درکار ہوں گے ہم نے محض سرسری طور پر اسے دیکھا۔ اس عمارت میں (۳۰) کمرے ہیں جو سب بہتر سے بہتر چیزوں سے سجے ہوئے ہیں ایک کمرے میں نپولین اور اس کی بیوی کا سامان ہے۔ سنگھار دان قابل دید ہے۔ ناخن کاٹنے کا

سامان کنگھی وغیرہ نہایت اچھی حالت میں محفوظ ہیں۔ اس کارخانہ میں مشہور سن لائٹ سوپ۔ لکس سوپ۔ اور ونولیا وہائٹ روز بنتا ہے۔ (۶۰۰۰) مزدور کام کرتے ہیں جن میں سے (۱۶۰۰) عورتیں ہیں۔ سن لائٹ سوپ کے کارخانہ میں مزدوروں کی بھلائی کا جس قدر خیال رکھا جاتا ہے اور جو سہولتیں ان کو یہاں نصیب ہیں وہ میں نے اس وقت تک اس ملک کے کسی کارخانہ میں نہیں دیکھیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کارخانہ میں جو پچاس سال سے قائم ہے صرف ایک مرتبہ مزدوروں نے ہڑتال کی تھی اور وہ بھی بادل ناخواستہ اس لیئے کی تھی کہ ٹریڈ یونین کی جانب سے ایک عام ہڑتال کی ہدایت دی گئی تھی۔ مزدوروں کے کھانے کے وسیع کمرے مردوں کیلئے اور عورتوں کے لیئے علیحدہ بنائے گئے ہیں کارخانہ کے مختلف حصوں میں آلہ مکبر الصوت لگائے گئے ہیں سہ پہر سے کارخانہ کے بند ہونے تک ان کے ذریعہ نشر گاہ کی موسیقی سنائی جاتی ہے۔ گویا مزدور کام بھی کرتے ہیں اور موسیقی بھی سنتے رہتے ہیں مزدوروں کے لیئے کام کی مقدار معین نہیں ہے بلکہ ہر کاریگر کی اجرت مقرر ہے نظم و نسق کا خیال یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مزدور زیادہ مقدار میں کام انجام دیتے ہیں۔ جمعہ کو نصف دن شنبہ کو نصف دن اور اتوار کو سالم دن کی چھٹی دی جاتی ہے تاکہ مزدور آرام لے کر بقیہ ایام میں پھر کام انجام دے سکیں۔ مقدار کام کے تعین نہ کرنے کی بابت مجھے ذرا شبہ ہے کیوں کہ سب انسان ایک طبیعت اور ایک خیال کے نہیں ہوتے طبعاً انسان یہ چاہتا ہے کہ محنت کم کرنی پڑے تو اس سے فائدہ اٹھائے۔

پورٹ سن لائٹ کو جاتے ہوئے ہم چیسٹر بستی میں سے گزرے اس بستی کا

ایک حصہ بہت ہی قدیم زمانہ کی طرز کا نظر آیا تمام مکانات قدیم تیوڈر زمانہ کے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسی زمانہ میں ہیں۔

کارخانہ پورٹ سن لائٹ کے قریب سے مرسی ندی کی جہاز رانی کی نہر جسے شپ کینال کہتے ہیں گزرتی ہے ندی کے پانی کو (۱۰۰) ایکر کے رقبہ میں گھیر کر ایک بندرگاہ بنایا گیا ہے جس میں سمندر کے جہاز بھی آتے جاتے ہیں۔ کارخانہ کے احاطہ میں ایک اسٹیشن پورٹ سن لائٹ کے نام سے موجود ہے جہاں سب گاڑیاں ٹھیرتی ہیں۔ اس کارخانہ کو دیکھنے کے بعد ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کے بانی مسٹر لیور جو بعد کو لارڈ لیور بن گئے تھے نہایت وسیع النظر اور عملی شخص تھے۔ کارخانہ کی جو بنیادیں انھوں نے پچاس سال پہلے رکھی تھیں۔ اور جس پیمانہ پر کارخانہ، دفتر اور صنعتی بستی کا خاکہ قائم کیا تھا اس میں رمق برابر اصلاح کی ضرورت اس وقت تک نہیں ہوئی۔ میرا خیال ہے کہ اگر دنیا کے تمام کارخانے اسی طرح چلائے جائیں تو سرمایہ داروں اور مزدوروں کے جھگڑے بالکل ختم ہو جائیں گے۔ لارڈ لیور بہت بڑے دماغ کے آدمی تھے جن پر انگریز قوم بجا طور پر فخر کر سکتی ہے

تقریباً شام کے ۵ بجے ہم یہاں سے لیور پول گئے جو پورٹ سن لائٹ سے تقریباً (۱۵) میل ہے۔ راستہ میں برکن ہیڈ کا شہر ملا اس کے بعد مرسی ندی کے نیچے کا بھنیارہ ملا جس میں سے چار موٹر کاریں بوقت واحد گزر سکتی ہیں۔ یہ بھنیارہ میرے خیال میں ایک میل طویل ہوگا۔ اس کے اندر چھت کے دونوں بازوؤں پر قریب قریب فاصلہ سے بجلی کی روشنی لگائی گئی ہے جو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے، بھنیارہ کے دونوں جانب ٹول ٹیکس وصول کرنے کی چوکیاں ہیں جہاں ٹول

ادا کرنا پڑتا ہے۔ بجنیارہ سے باہر نکلتے ہی لیورپول کا شہر ملتا ہے جو بہت وسیع اور خوش وضع ہے۔ پورٹ سن لائٹ سے لے کر لیورپول اور مانچسٹر تک متعدد کارخانے تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے قائم ہیں۔ کوئلہ کی کانیں بھی اس راستہ پر اور خود مانچسٹر میں بہت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس خطِ ملک میں کارخانوں کی کثرت ہے صنعتی شہروں میں لندن کے بعد گلاسگو۔ برمنگھم۔ لیورپول۔ مانچسٹر اور وولورہمپٹن اہم ہیں۔ ان مقامات پر جرمنی نے بمباری کی مگر سوائے اس کے کہ کہیں کہیں بعض عمارات کو صدمہ پہنچا اور برمنگھم میں بی۔ اس۔ اے کارخانہ کا ایک ثلث حصہ تباہ ہوا کسی مقام پر کوئی قابل لحاظ نقصان نہیں پہنچا البتہ دو فیصدی سے لے کر (۴۰) فیصدی تک آبادی میں مکانات منہدم ہوئے۔

لیورپول سے مانچسٹر آتے ہوئے راستے میں ایک گھوڑے کی گاڑی ملی جسے مختلف رنگوں سے رنگا گیا تھا (جپسی) باہر بیٹھے گھوڑے کو ہانک رہے تھے اس قسم کی ڈیاگن گاڑیوں میں جپسی لوگ ایک مقام سے دوسرے مقام کو جاتے ہیں اور اس میں رہتے ہیں۔ ہم نے کل مٹروپالیٹن وکرز کے کارخانہ کا جو معائنہ کیا تھا اس کا مختصر حال آج کے اخبار مانچسٹر گارڈین میں چھپا ہے۔

لیورپول کے شہر میں ایک عمارت نظر آئی جس کے باہر تختہ پر پبلک باتھ لکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس قسم کے پبلک غسل خانے انگلینڈ میں ہر جگہ موجود ہیں۔ اور تھوڑی سی رقم دے کر لوگ ان میں غسل کرتے ہیں۔

جمعہ۔ ۲۶۔ جولائی | صبح کے ۹½ بجے ہم ماتھر اینڈ پلاٹ کارخانہ کے

معائنہ کے لیئے روانہ ہوئے جو ہماری ہوٹل سے تقریباً (۲۰) میل ہے۔ یہاں کپڑوں کی گرنیوں کے ڈائنگ اور بلیچنگ مشین تیار ہوتے ہیں اور بجلی کا سامان بنتا ہے آگ بجھانے کے آلے بھی جو جدید طرز کے ہیں بنتے ہیں۔ اپنی نوعیت کا یہ کافی بڑا کارخانہ ہے۔ تیل کو آگ لگ جائے تو اسے بجھانے کا ایک آلہ اس کمپنی نے ایجاد کیا ہے اس آلہ کے مظاہرہ کو میں بچشم خود نہ دیکھتا تو یقین نہیں کرسکتا تھا کہ اتنی بڑی آگ ایسے موثر طریقہ پر چند منٹوں میں بجھائی جاسکتی ہے۔ دوپہر کے کھانے کا انتظام فیکٹری کی طرف سے تھا۔ لنچ کے بعد ہم اولڈ ہیام میں جو یہاں سے قریب ہے پلاٹ برادرس کا کارخانہ دیکھنے گئے جہاں کپڑے بننے کے مشین تیار ہوتے ہیں ایک حصہ میں ہزاروں برس پہلے جس طریقہ پر تاگا کاتا اور کپڑا بنا جاتا تھا اس کا چرخہ اور بتدریج اس صنعت میں جو ترقیات ہوئیں ان کے نمونہ بھی مقابلہ کے لیئے رکھے گئے ہیں جن کو دیکھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہمارے قدماء نے اس فن کو بھی ایجاد کرلیا تھا اور آج ہزاروں سال کے بعد بھی ہم اسی طرح روئی سے تاگا اور تاگے سے کپڑا بناتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم نے مشینوں کے ذریعہ سے رفتار بڑھالی ہے اور محنت کو کم کردیا ہے مگر ایسا نہ کرسکے کہ تاگا کاتے بغیر روئی سے راست کپڑا بنا سکیں یا تانا بانا کا طریقہ بدل دیں۔ البتہ حال ہی میں پلاسٹک سے یا رہڑ سے کپڑے بننے لگے ہیں مگر ان پر لاگت بہت زیادہ آتی ہے۔

شام کے ۴½ بجے ہم اپنے قیام گاہ کو واپس ہوئے۔ آج صبح سے مینچسٹر کا موسم بالکل بارش کا سا موسم ہوگیا ہے ہر طرف پانی ہی پانی ہے۔

شام کے ۴ بجے سے ۷ بجے تک بجلیوں کی کڑک اور بادلوں کی گرج بھی رہی۔
شب کے کھانے پر ہم نے منچسٹر میں مقیم حیدرآبادی طلباء کو جن کی تعداد دس ہے
مڈلینڈ ہوٹل میں بلایا تھا۔ شب کے ۱۱ بجے تک ان سے دلچسپ باتیں رہیں۔

شنبہ ۲۷۔ جولائی | صبح ۹ بجے ہم لیانسل کے کارخانہ مصنوعی ریشم یعنی ریان کا معائنہ کرنے کی غرض سے لنکاسٹر گئے۔ راستہ میں پرسٹن شہر پر سے گزرے جہاں کورٹالڈ کا کارخانہ ریشم سازی واقع ہے۔ صبح سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اس کے باوجود راستے پر ہم نے تعطیل منانے والوں کو سیکلوں موٹرسیکلوں بسوں اور موٹر کاروں میں جاتے ہوئے دیکھا۔ دن کے ۱۱ بجے ہم لنکاسٹر پہنچے اور سیدھے کارخانہ کو گئے تفصیل سے ریان کا تاگا اور اس سے کپڑا بنانے کے عملیات کو دیکھا۔ ۱۲ ½ بجے کارخانہ ہی میں لنچ کھا کر آگے روانہ ہوئے کیوں کہ ہمارے پروگرام کے لحاظ سے آج رات کیسک بستی میں قیام کرنا تھا۔ لنکاسٹر سے دو میل جانے کے بعد سمندر کا کنارہ ملتا ہے تقریباً ایک میل تک ہم سمندر کے کنارے کنارے گزرے۔ مورکامب بستی سے گزرتے ہوئے آئل آف میان کا جزیرہ نظر آتا ہے جو کافی طویل ہے۔ لنکاسٹر سے مسلسل کیسک تک قدرتی مناظر بہت خوبصورت ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انگلینڈ میں اس سے بہتر مناظر کہیں نہیں ہیں اس لئے اس حصۂ ملک کو لیک ڈسٹرکٹ یعنے جھیلوں کا ضلع کہتے ہیں۔ بلند سرسبز پہاڑوں کا سلسلہ اور ان کے دامن میں بڑے بڑے جھیل ہیں۔ جن کے کنارے بنگلے اور چھوٹی چھوٹی بستیاں بنی ہوئی ہیں۔ راستہ میں کنڈل نامی ایک بڑی بستی پہاڑ پر ملی۔ اس سے بھی زیادہ خوبصورت بستی جس میں سے ہمارا گزر ہوا ونڈرمیر ہے

جو ایک جھیل کے کنارے پہاڑ پر واقع ہے۔ سوئٹزرلینڈ کے جن مناظر کا ذکر سنتے آئے تھے اس کا منظر آنکھوں کے سامنے آگیا۔ بڑی چھوٹی دخانی کشتیاں نیز ہاتھ سے چلانے کی کشتیاں کثرت سے کرایہ پر ملتی ہیں۔ جھیل کے درمیان میں دو بڑے جزیرہ اور کئی چھوٹے ٹاپو ہیں۔ ایک بڑے جزیرہ پر لیڈی ہائن کا مکان ہے جو یہیں رہتی ہیں۔ ہم نے بھی ایک کشتی پچیس شلنگ میں ایک گھنٹہ کیلئے لے کر سیر کی اور بڑے جزیرے کا چکر لگا کر واپس آئے۔ راجہ بینالعل جی نے اپنے کیمرے سے ہمارے فوٹو لیئے۔ جھیل کی سیر کے بعد ہم اولڈ انگلینڈ نامی ہوٹل گئے جو لب جھیل واقع ہے اور جس کے اطراف نہایت ہی خوبصورت پھولوں کا چمن اور سبزہ ہے۔ یہاں ہم نے چائے پی اور بادل ناخواستہ اس مقام سے آگے روانہ ہوئے بارش کا سلسلہ جو صبح کو شروع ہوا تھا برابر جاری رہا راستہ میں پہاڑوں پر سے پانی کی چھوٹی چھوٹی نالیوں کو گرتے ہوئے اور پائن کے جنگل کا لطف اٹھاتے ہوئے جو پہاڑوں پر اُگایا گیا ہے شام کے ۵ بجے کسیک پہنچے جو اسی نام کی ندی کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ ہمارا قیام کسیک ہوٹل میں ہوا جو ۱۸۶۸ء میں قائم ہوا تھا۔ اس ہوٹل سے پہاڑوں اور سبزہ زاروں کا ایسا دلکش منظر نظر آتا ہے کہ دل چاہتا ہے کہ بس ان کو دیکھتے ہی رہو۔ ہوٹل اونچے مقام پر ہونے کی وجہ سے بستی کے مکانات بھی پائین میں نظر آتے ہیں۔ میرے کمرہ سے جس کا نمبر (۲۰۵) ہے ندی کا ایک کنارہ بھی نظر آتا ہے۔ [illegible] ہوٹل کا چمن ایسا نظر آتا ہے کہ سبز قالین بچھا ہوا ہے اور اس [illegible]

بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ ونڈرمیر کا اولڈ انگلینڈ ہوٹل اور کیسک کا ہوٹل اپنے مناظر کی وجہ سے مجھے بے انتہا پسند آئے ایسے پُرفضا اور پُرسکون ہوٹل بہت شاذ ہی ہوں گے۔ اس وقت شب کے ۹½ بجے ہیں میرے کمرے سے پہاڑوں پر بادل کھیلتے ہوئے اور سبز کھیتوں کے حصے بہت بھلے معلوم ہورہے ہیں۔ یہاں آفتاب ۹½ بجے شب کے غروب ہوتا ہے مگر اس کے باوجود آسمان پر کافی روشنی سرِ شام کی سی باقی رہتی ہے۔

یکشنبہ ۲۸۔جولائی صبح کے دس بجے نواب زین یار جنگ بہادر۔ راجہ پنالال جی مسٹر جادیری اور میں ٹہلتے ہوئے کیسک بستی میں سے ہوتے ہوئے مقامی جھیل کی سیر کے لیئے گئے جو شہر سے متصل نصف میل کے اندر واقع ہے۔ یہ جھیل بھی پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے جس میں کرایہ کے اسٹیم بوٹ اور دوسری کشتیاں چلتی ہیں۔ ہم بھی ٹکٹ لے کر ایک اسٹیم بوٹ میں بیٹھ گئے (۱۰۰) کے قریب سیر بین مرد اور عورت تھے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جھیل کے اطراف کی سیر کرائی گئی جو بہت پُرلطف تھی۔ جا بجا جھیل کے کنارے بنگلے اور جزیروں میں تفریح کے مقامات بنے ہوئے ہیں۔ انگریز قوم کے لوگ تمام قدرتی مناظر سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور سیکڑوں کی تعداد میں لندن اور دوسرے مقامات سے یہاں ہفتہ کی تعطیل منانے آتے ہیں جس کو ویک اینڈ کہتے ہیں۔ مقامی مجلس صفائی کی جانب سے ہر ایسے دلچسپ مقام پر سیر کرنے والوں کے لیئے قسم قسم کی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ جا بجا بیٹھنے کے لیئے بنچ۔ پینے کے پانی کے نل جا ئے خانے موجود رہتے ہیں۔ ۱۲ بجے

ہم جھیل کی سیر سے واپس ہوئے۔ راجہ پنالعل صاحب نے ہوٹل کے کمپونڈ میں اپنے کمرہ سے ہمارے فوٹو لیئے۔ ½ ۱۲ بجے دوپہر کا لنچ کھاکر ½ ۱ بجے گلاسکو کے لیئے موٹر کار میں روانہ ہوئے جو کیسک سے (۱۲۰) میل ہے۔ (۲۰) میل جانے کے بعد کارلیل بستی سے اسکاٹ لینڈ کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ انگلینڈ کے لیک ڈسٹرکٹ کے علاقہ میں اور اسکاٹ لینڈ کے اس حصہ میں بیّن فرق معلوم ہوتا ہے۔ اسکاٹ لینڈ کے جس حصہ میں سے ہم گزرے وہ زیادہ تر زراعتی ملک ہے۔ ہر طرف کھیت نظر آتے ہیں جن کے درمیان فاصلہ فاصلہ سے کاشتکاروں کے مکانات واقع ہیں۔ یہ مکانات ویسے وضعدار اور خوبصورت نہیں ہیں جیسے کہ انگلینڈ کے علاقہ کے اضلاع میں دکھائی دیتے ہیں۔ کئی کئی میل راستہ طے کرنے کے بعد بعض بڑی بستیاں ملتی ہیں یہ بستیاں اگرچیکہ بڑی ہیں مگر مکانات کی وضع قطع اور چمن بندی کچھ زیادہ دل پسند نہیں ہو اور نہ لوگوں کا معیار زندگی اُتنا بلند معلوم ہوتا ہے جتنا کہ انگلینڈ والوں کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسکاٹلینڈ میں صنعتی بستیاں اس کثرت سے نہیں ہیں جتنی کہ انگلینڈ میں ہیں۔ اسکاٹ لینڈ سے انگلینڈ کو غلہ ترکاری اور میوہ مہیّا کیا جاتا ہے۔ اسکاٹ لینڈ کی سڑکیں اتنی خم دار نہیں ہیں جیسی کہ انگلینڈ کے اضلاع کی ہیں بہت سیدھی بنائی گئی ہیں۔ زیادہ تر حصہ مورم کی سڑکوں کا ہے ان کے بازو ویسے مسلسل پیدل راستے نہیں ہیں جیسے انگلینڈ میں ہیں۔ (۹۰) میل سے زیادہ طویل سفر میں صرف تین یا چار بڑی بستیاں ملیں اگر انگلینڈ ہوتا تو اس فاصلہ کے اندر بیسیوں جگمگاتی ہوئی بستیاں ملتیں۔ آج چونکہ اتوار ہے اس لیئے بستیوں میں بہت ہی کم لوگ چلتے پھرتے

نظر آئے تمام دکانیں۔ بازار۔ چائے خانے اور سینما گھر بالکل بند تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اسکاٹ لینڈ میں رومن کیتھولک مذہب کے عیسائی بہت زیادہ ہیں اس لیئے یہاں اتوار کے دن کوئی کاروبار نہیں ہوتا۔ شام کے ۵ بجے ہم گلاسگو پہنچے جو بہت بڑی صنعتی بستی ہے اور کلائیڈ ندی پر واقع ہے۔ لندن کے بعد انگلینڈ میں بلحاظ وسعت اور صنعت وحرفت اس کا دوسرا نمبر ہے۔ شہر اگرچیکہ بہت وسیع ہے مگر مینچسٹر کے مانند بالکل سیاہ ہے۔ کارخانوں کی کثرت کی وجہ سے بستی کی ساری فضاء میں دھواں پھیلتا ہے جس کی وجہ سے پورا شہر سیاہ پوش ہوگیا ہے۔ ٹرام اور بسوں پر پیلا رنگ نمایاں معلوم ہوتا ہے۔ دکانوں کے اشتہارات وغیرہ میں بھی پیلے رنگ کو زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔ ہمارا قیام سنٹرل ہوٹل میں رہا۔ اور میرے کمرے کا نمبر (۲۵۰) تھا۔

شام کے ٦ بجے راجہ پنا لعل جی کے ساتھ سیر کے لیئے گیا۔ راستہ میں دیکھا کہ ایک سینما کے سامنے جس کا نام "دی پکچر" ہے دونوں جانب لوگوں کی چار چار صف کی قطاریں تقریباً ایک فرلانگ تک لگی ہوئی تھیں اور لوگ اپنی باری کے انتظار میں بارش کی بوچھار میں کھڑے تھے۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ سارے شہر میں اتوار کے دن صرف یہی ایک سینما چالو رہتا ہے کیوں کہ یہ اس دن کی ساری آمدنی خیرات میں دیدیتا ہے۔ یہاں سے کچھ دور پر شہر کا ایک خوبصورت چمن ہے جس کے ایک طرف اسکول آف آرٹ ہے۔ دوسری جانب ذرا دور یونیورسٹی کی عمارت ہے۔ سڑک کے دوسرے طرف ندی بہتی ہے جس کے کنارے پر فضاء چمن کے ایک گوشہ میں بینڈ بج رہا تھا اور سیکڑوں مرد عورت

سنتے کھڑے تھے۔ یہاں کی ٹکسی موٹر کاریں بالکل اسی نمونہ کی ہیں جو لندن میں چلتی ہیں۔ مانچسٹر کے شہر میں اور دوسرے شہروں میں جنھیں ہم نے اس وقت تک دیکھا معمولی موٹر کاریں بطور ٹکسی کے استعمال کی جاتی ہیں۔ شام کے ½۷ بجے سیر سے واپس ہوا اور ½۸ بجے شب کا کھانا ہوٹل ہی میں کھایا۔ آج دن کے ایک بجے تک اچھی دھوپ تھی اس کے بعد مطلع ابر آلود ہوگیا اور بارش کا سلسلہ رات تک رہا۔ موسم میں خاصی خنکی پیدا ہوگئی۔

شب کے ۸ بجے نواب زین یار جنگ بہادر میرے کمرے میں آئے اور کہا کہ ملاقات کے کمرہ سے ٹیلیفون آیا ہے کہ مقامی اخبار کے نمائندے آئے ہیں۔ حیدرآباد کے صنعتی مشن سے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں میں ان سے مل کر بیان دیدوں میں نے نیچے جاکر ان اصحاب سے ملاقات کی اور ان کے استفسارات کا جواب دیا جسے وہ کل یہاں کے مقامی اخبارات میں شائع کریں گے۔ انھوں نے بالاصرار میری تصویر لی۔

دوشنبہ ۲۹ جولائی | صبح کے ۹ بجے ہم کالول اسٹیل ورکس کے معائنہ کے لئے گئے جو یہاں سے (۴) میل ہے۔ دوپہر کا لنچ بھی کارخانہ کی طرف سے تھا۔ یہاں سے ۲ بجے ہم نارتھ برٹش لوکو موٹیوز ورکس گئے جہاں ریلوے کے انجن بنتے ہیں۔ نظام اسٹیٹ ریلوے کے لئے بھی یہیں سے انجن تیار کرا کے منگائے گئے ہیں۔

گلاسگو کے مختلف اخبارات نے اپنی آج کی اشاعت میں میرے بیان کے مختلف اقتباسات شائع کئے ہیں جو میں نے کل صحافت کے نمائندوں کو

دیئے تھے۔ ایک اخبار ڈیلی رکارڈ نے بیان کے علاوہ میری تصویر بھی شائع کی ہے۔

شام کے ½ ۵ بجے نواب زین یار جنگ بہادر اور میں اسکاٹ لینڈ کے مشہور کار ہائے برقابی گیالوے گرڈ دیکھنے کی غرض سے ڈالرائی روانہ ہوئے جو گلاسگو سے ستر میل پر واقع ہے۔ راستہ میں ہم نے دیکھا کہ اسکاٹ لینڈ کا یہ دیہاتی حصہ بھی زیادہ تر زراعتی ہے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے کاشتکاروں کے مکان ہیں جو بہت سادے وضع کے ہیں۔ گائے اور بکرے میدانوں میں چرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ جو انگلینڈ کے گائیوں اور بکروں کی مانند ہیں۔ بکروں کا منہہ اور پیر سیاہ ہے اور جسم سفید ہے۔ ان کی دُم دُنبوں کی دم کے مانند موٹی اور لمبی ہے۔ گلاسگو سے ڈالرائی جاتے ہوئے دو ایک بڑی بستیاں ملیں جن میں سے آیر کی بستی کافی بڑی اور اچھی معلوم ہوئی۔ ڈالرائی موضع کے قریب سے برقابی کاموں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ڈالرائی میں ہم نے لاکنور ہوٹل میں قیام کیا: یہ ہوٹل نہایت پر سکون ہے اس میں سے اطراف کے سرسبز پہاڑوں کا دل کش نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ رات کا کھانا اس دیہاتی ہوٹل میں شام کے ½ ۷ بجے کھلایا جاتا ہے۔ کھانے کے بعد کچھ دور ٹہلنے کے لئے گیا۔ گاؤں سے باہر دو فرلانگ جانے کے بعد میدان میں دو ایک چھوٹی راوٹیاں ایک گھوڑ سے کی گاڑی اور دو موٹر کاریں جن پر کیانوس ڈھانکا گیا تھا نظر آئے۔ درمیان میں آگ سلگی ہوئی تھی جس کے اطراف کچھ مرد۔ عورت اور بچے بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہ جپسیوں کا کیمپ ہے۔ چونکہ سنا تھا کہ یہ لوگ سفاکی سے

چوری کرتے ہیں اور شام بھی ہو رہی تھی اس لیئے میں نے انکے کیمپ میں جانا مناسب نہیں سمجھا۔ اگرچیکہ ان لوگوں نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ کل صبح جا کر ان کے کیمپ کو دیکھنے کا ارادہ ہے۔

اسکاٹ لینڈ کے ملک میں داخل ہونے کے بعد سے اس وقت تک میں نے یہاں کے جو جو مقامات اور بستیاں دیکھیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگ مکانات اور کپڑوں پر زیادہ روپیہ صرف نہیں کرتے۔ اس ملک کے لوگ کنجوس مشہور ہیں یہی وجہ ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے شہروں اور دیہاتی بستیوں میں وہ رونق نہیں پائی جاتی جو انگلینڈ میں پائی جاتی ہے۔

انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کے پہاڑوں کا پتھر سیاہی مائل اور نرم ہوتا ہے انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ بڑے شہر اور بستیاں کسی نہ کسی ندی پر واقع ہیں جن سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جاتا ہے نہ صرف سیر و تفریح کے لیئے بلکہ سامان کے حمل و نقل کے لیئے انہیں استعمال کیا جاتا ہے۔

سہ شنبہ ۳۰ جولائی | صبح کے ۹ بجے موضع کو تفصیل سے دیکھنے کے لیئے گیا۔ اگرچیکہ اس موضع کی آبادی صرف (۹۰۰) ہے مگر نہایت صاف پاک پختہ سڑک اور پیدل چلنے کے راستے بنے ہوئے ہیں۔ کپڑوں جوتوں۔ ترکاری۔ گوشت اور متفرق سامان کی دُکانیں موجود ہیں جن میں سامان کی نمائش کے لیئے آئینے کے چوکھٹے لگے ہوئے ہیں۔ مدرسہ۔ ٹیپہ خانہ تار آفس اور بنک موجود ہے۔ ہر مکان میں برقی روشنی ہے غرض کہ آسائش

کا سب سامان مہیا ہے۔ ہوٹل واپس آکر انگوٹھی۔ گھڑی اور پیسے کا کیسہ ہوٹل میں
مقفل کر کے اس طرف گیا جہاں کل شام جپسیوں کا کیمپ نظر آیا تھا تاکہ ان کے
طریق رہائش کو دیکھوں۔ میں نے قیمتی چیزیں اور پیسے اس لیئے ساتھ نہیں رکھے
کہ مجھ سے کہا گیا تھا کہ یہ بڑی صفائی سے پیسے وغیرہ نکال لیتے ہیں۔ بارش شروع
ہو گئی تھی برساتی اوڑھے ہوئے وہاں پہنچا۔ سڑک کے کنارے سے میں نے
اشارہ سے بتلایا کہ کیمپ میں آنا چاہتا ہوں۔ ایک معمر عورت ایک لڑکی اور
ایک لڑکا میرے قریب آئے۔ میں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا عورت
نے کہا کہ اس وقت بعض لوگ ابھی بستر میں ہیں اس لیئے اگر سہ پہر میں آؤں
تو مجھے کیمپ دکھلایا جا سکے گا۔ جبھی کہہ کر لڑکے نے گھوڑے کو آواز دی
جو قریب میں چر رہا تھا اور جس وقت وہ قریب آیا تو جیب میں سے بسکٹ نکال کر
اُسے کھلایا ایک بڑا کتا کیمپ میں بندھا ہوا تھا۔ نام دریافت کرنے پر عورت
نے کہا کہ وہ مسز اسٹورٹ ہے۔ یہ بھی بیان کیا کہ کیمپ میں دو خاندان کے لوگ
ٹھیرے ہیں۔ مجھ سے دریافت کیا گیا کہ آیا چائے لائی جائے میں نے کہا
کہ ابھی چائے پی کر نکلا ہوں اس لیئے شکریہ کے ساتھ معذرت خواہ ہوں۔
میں نے سنا تھا کہ جپسی لوگ جڑی بوٹیوں کا خاص استعمال جانتے ہیں کہیں ایسا
نہ ہو کہ چائے میں کوئی دوا ملا کر مجھے بے ہوش کر دیں تاکہ مجھے لوٹ سکیں۔
ان خانہ بدوشوں کی گزر بسر پہلے ڈنٹھالوں کا فرنیچر بنانے پر ہوتی تھی مگر اب
جدید قسم کا فرنیچر استعمال میں آجانے سے ان کا یہ ذریعہ معاش بند ہو گیا ہے
ہاتھ دیکھ کر پیشین گوئی بھی کرتے ہیں اور اس طرح کچھ پیسے کما لیتے ہیں۔ معلوم

ہوا کہ یہ لوگ ہزارہا سال پہلے ہندوستان سے نکلے تھے اور بتدریج مغربی ممالک
میں پھیل گئے۔ ان کی زبان رومنی کہلاتی ہے۔ ہندوستانی۔ انگریزی اور دوسرے
ممالک کی زبانیں مل کر عجیب قسم کی بولی ہو گئی ہے جسے یہ لوگ آپس کی بول چال
میں استعمال کرتے ہیں۔ ان کی ایک اور زبان اشاروں کی ہے جس کو صرف
جپسی ہی پہچانتے ہیں مثلاً یہ کہ اپنا کیمپ برخاست کر کے کسی دوسرے مقام کو
جاتے ہوئے ہریالی کی کاڑیوں سے زمین پر اس طرح نشان رکھ دیتے ہیں کہ
دوسرا پیچھے آنے والا قافلہ معلوم کر لیتا ہے کہ کس سمت کو یہ گئے ہیں۔ اسی طرح
زمین پر ایسے نشان کر دیتے ہیں جس سے دوسرے آنے والے قافلہ کو
معلوم ہو سکے کہ اس مقام کے لوگ جپسیوں کے دوست ہیں یا مخالف۔ یہاں
سے ہوٹل واپس ہو کر ملاقات کے کمرہ میں گیا جہاں ہوٹل کے دوسرے مسافر
اخبار پڑھتے ہوئے یا باتیں کرتے ہوئے بیٹھے تھے۔ مسٹر ولیم سن نامی ایک
انگریز سے ہندوستان کے حالات سے متعلق گفتگو ہوئی جو بہت سنجیدہ آدمی
ہیں۔ انھوں نے کافی منگوا کر تواضع کی۔ دوپہر کا لنچ کھا کر [illegible] کارہائے
برقابی کے معائنہ کے لیئے روانہ ہوئے اور مختلف کاموں کو دیکھا۔ برقابی
کاموں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ سامن مچھلی کے لیئے خاص طور پر اس کے چڑھنے
کے سیڑھیاں اور وہاں سے ندی میں جانے کا خاص راستہ بھی کثیر صرفہ سے
بنایا گیا ہے انڈے دینے کے لیئے اس مچھلی کا ندی اور سمندر میں واپس جانا
ضروری ہے ورنہ یہ تلف ہو جاتی ہے۔ اس ملک کی غذا میں مچھلی کو بڑی اہمیت
حاصل ہے اس لیئے اس کی پرورش کا خاص اہتمام بہت بڑے صرفہ سے

سے کیا گیا ہے۔ شام کے ½۷ بجے ہم ونڈرمیر پہنچے اور رات میں یہاں کے اولڈ انگلینڈ ہوٹل میں قیام کیا جو جھیل کے بالکل کنارے پر واقع ہے اور جس کا ذکر میں نے اس سے پہلے کیا ہے یہ مقام دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اس کی دلکشی بیان سے باہر ہے۔ کھانے کے بعد ہم سینما گئے اور رات کے ۱۱ بجے واپس ہوئے۔ خواب میں سر اکبر حیدری مرحوم کو دیکھا بہت خوش نظر آئے۔ صبح میں ان کی روح کو ایصال ثواب کے لئے فاتحہ پڑھی۔

مقامی حکومت نے ونڈرمیر کی جھیل کے باز و تعطیلات منانے والوں کے لئے بعض کھلے مقامات کو مختص کر دیا ہے جہاں لوگ موٹروں میں چھوٹے راؤٹیاں یا ویاگن کار لاکر اتر جاتے ہیں اور دو چار روز تفریح کر کے واپس جاتے ہیں۔ اس قسم کے بعض کیمپ راستہ میں نظر آئے۔

چہارشنبہ ۳۱۔ جولائی صبح ½۹ بجے لندن کے لئے روانہ ہوئے۔ (۲۸۰) میل کا سفر کرنا تھا اس لئے ذریعہ ٹیلیفون راستہ کے ایک ہوٹل اولڈبل کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ دن کے ½۱ بجے اس ہوٹل میں لنچ کھا کر فوراً آگے روانہ ہوئے۔ ½۴ بجے لارنس نامی ہوٹل میں چائے پی اور پھر روانہ ہو کر شام کے ۷ بجے لندن پہنچ گئے۔ اس سفر میں ہاڈس فیلڈ، ہیالی فیاکس۔ ویکیفیلڈ۔ ڈنکاسٹر کی بڑی صنعتی بستیاں ملیں۔ ایک بستی نیوآرک میں سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک کھلے مقام پر سیکڑوں گائیوں کو سلسلہ سے ایک کے پیچھے ایک دو لانبی لکڑیوں کے درمیان جو بطور کٹگرہ کے باندھے گئے تھے کھڑا کیا گیا ہے۔ اور لوگ انھیں دیکھتے پھر رہے تھے۔

معلوم ہوا کہ یہ مویشیوں کے فروخت کا بازار ہے اطراف کی بستیوں سے لوگ آکر جانور خریدتے ہیں۔ انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ میں میں نے دیکھا کہ جن جن مقامات پر صنعتی کارخانے ہیں وہ بہت ترقی یافتہ ہیں ہر طرف دولت کی فراوانی جھاڑ، پہاڑ، اور در و دیوار سے ٹپکتی ہے۔ جن مقامات پر صنعتیں نہیں ہیں وہ اُداس اور تنگ حال معلوم ہوتے ہیں۔ مغربی ممالک میں جو بلند معیار زندگی دکھا جاتا ہے وہ محض صنعت کی وجہ سے ہے۔ شکر ہے کہ مشرقی ممالک نے اب کچھ جد و جہد شروع کی ہے۔ یورپ کی ترقی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ یہاں تعلیم بہت عام ہے (۱۴) سال کی عمر تک ہر بچے کا مدرسہ میں پڑھنا لازمی ہے جو مفت ہے۔ ایک قانون نافذ ہے کہ کسی لڑکے کو کسی سرکاری ادارہ میں یا خانگی ملازمت میں نہیں رکھا جا سکتا جب تک کہ حکومت کا عطا کردہ سرٹیفکٹ نہ پیش کیا جائے کہ اس کی عمر (۱۴) سال سے متجاوز ہے۔

پنجشنبہ
یکم اگسٹ

صبح میں صنعتی مشن کے کام سے متعلق نواب زین یار جنگ بہادر اور نواب میر نواز جنگ بہادر سے تبادلۂ خیال ہوا اور آئندہ کا پروگرام طے کیا گیا۔ ۱۲ بجے نواب زین یار جنگ بہادر۔ خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب اور میں ماری لیبورن گئے۔ (جو سیوائے ہوٹل سے تقریباً ۲ میل کے فاصلہ پر ہے تاکہ) میڈم ٹیسا کے موم کے پتلوں کی نمائش کو دیکھیں ایک بڑی عمارت میں موم سے بنائے ہوئے مجسمے مختلف مقامات پر اس طرح کھڑے کئے گئے ہیں یا بٹھائے یا لٹائے گئے ہیں کہ پہلی نظر میں ان کے زندہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مشاہیر کے پتلے ملبوس حالت میں

رکھے گئے ہیں۔ انگلستان کے تمام بادشاہوں اور خاندان شاہی کے مشہور اصحاب کو ایک علیحدہ حصہ میں بتلایا گیا ہے۔ سابق اور حال کے مشہور وزرا اور وزیر اعظم مصنفین۔ فوجی بری اور بحری عہدہ داروں نیز دوسرے ممالک کے مشاہیر مثلاً ہٹلر اور اس کے رفقاء اسٹالن اور اس کے بعض وزراء مصطفیٰ کمال اتاترک حبش کے بادشاہ ہیلی سلاسی۔ ہندوستان کے مسٹر گاندھی وغیرہ کے مجسمے یہاں موجود ہیں۔ نپولین اور سامنے اس کی بیوی جوزیفائن کو سوتے ہوئے دکھلایا گیا ہے یہاں یہ کمال بھی کیا گیا ہے کہ جوزفین سوتے میں سانس لیتے ہوئے بتلائی گئی ہے۔ ایک حصہ میں جسے ڈین آف هارر یعنے ہیبت ناک غار نام دیا گیا ہے قدیم زمانہ کے وہ طریقے بتلائے گئے ہیں جس کے ذریعہ لوگوں کو جان سے مارا جاتا تھا یا اور طریقوں سے سزا دی جاتی تھی۔ مثلاً میری کوئین آف اسکاٹ کی گردن زدنی کا سین اس طرح دکھلایا گیا ہے کہ گھٹنوں کے بل بٹھلا کر اس کا سر ایک کندہ پر اوندھا رکھا گیا ہے ایک شخص ایک بہت بڑے کتے کو جس کی شکل بڑی کلہاڑی کی ہے مارنے کے لیئے اٹھا چکا ہے اور اطراف میں فوجی پہرہ دار وغیرہ کھڑے ہیں۔

اور دوسرے طریقے مثلاً خار دار پہیے میں انسان کو جکڑ کر پہیہ پھراتے یا زمین پر لٹا کر گھوڑوں سے روندتے یا درخت سے الٹا لٹکا کر ایذا پہنچاتے یا پیٹ میں سے آر پار اکوڑی ڈال کر ٹانگنے کے طریقے دکھلائے گئے ہیں۔ ان مناظر کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جذبہ انتقام کے تحت ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کس قدر وحشیانہ برتاؤ پر اتر آتا ہے۔ زمانہ سابق میں اس قسم کا

عمل ان افراد کی حد تک محدود تھا جنہیں اس قسم کی سزا کا مستوجب اس وقت کے قانون یا حکمران کی مرضی کے تحت قرار دیا جاتا تھا مگر آج کی عروج یافتہ تہذیب کو آپ کیا کہیں گے جب بمب باری کر کے معصوم بچوں عورتوں اور غیر نبرد آزما اشخاص کے گھروں اور ان کی جانوں کو ملیامیٹ کر دیا جاتا ہے گویا یہ تباہ کن بمب کافی نہ تھے کہ اب ایٹم بمب ایجاد کر کے اس کی آزمائشیں ہو رہی ہیں کہ اس کو سمندر میں گرانے سے کتنے جہاز کس کس فاصلہ تک تباہ کئے جا سکتے ہیں چنانچہ حال ہی میں بیکنی جزیرہ کے قریب امریکہ میں اس قسم کی آزمائش ہوئی ہے۔

آج ہی کے دن کے لیئے علامہ اقبال شاعر ہند نے کہا تھا:۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

میرا خیال ہے کہ دنیا میں انسانوں نے اب اس درجہ ایک دوسرے کے لیئے مصیبت کا سامان مہیا کر دیا ہے کہ وہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے استفادہ کے مستحق نہیں رہے۔ چنانچہ ابھی سے انسان زمین کے اندر اپنی رہائش اور زندگی کا انتظام کر رہے ہیں اور وہ دن شاید دور نہیں ہے جب سارے انسان چوہوں اور گھونسوں اور دیگر حشرات الارض کی طرح سطح زمین کے نیچے رہیں گے اور زمین کے اوپر حیوانوں اور پرندوں کا راج ہوگا جو اپنی معصومیت کی وجہ سے خدا کی دی ہوئی نعمتوں چاند۔ سورج۔ بارش اور درختوں کے پھل سے پورا پورا تمتع حاصل کریں گے۔ اس کے بعد بھی اگر انسان آپس میں انسانیت کے ساتھ نہ رہیں گے تو پھر جس طرح سابق میں طوفان نوح آ کر دنیا سے بدکاروں کو

نیست و نابود کر دیا تھا اسی طرح آج کی دنیا بھی تباہ و تاراج ہو جائے گی اور از سر نو نئی دنیا۔ نئی مخلوق کے ساتھ بسائی جائے گی تاکہ دنیا میں پھر امن اور چین کا دور دورہ ہو اور جس غرض سے انسان کی تخلیق ہوئی تھی وہ پوری ہو سکے۔ توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے اور سنبھل جانے کا وقت ہے۔ وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا ہاتھ سے نکل جانے کے بعد پھر واپس نہیں آتا۔ کچھ دن پہلے لندن کے مقامی اخبارات میں مجھے یہ پڑھ کر دلی مسرت ہوئی تھی کہ یہاں کے ہاؤز آف لارڈز میں ایک رکن نے تحریک پیش کی تھی کہ دنیا میں امن اس وقت تک حقیقی طور پر قائم نہیں ہو سکتا جب تک کہ مختلف ممالک جو اس وقت امن کی تجاویز پر غور کر رہے ہیں کرسچین مذہب کے اس مسلمہ اصول پر کاربند نہ ہو جائیں جس میں تلقین کی گئی ہے کہ دوسروں سے وہی برتاؤ کرو جو برتاؤ کہ تم چاہتے ہو دوسرے تمہارے ساتھ کریں۔ اس رکن نے ایوان میں یہ بھی کہا تھا کہ اس بارے میں انگلستان کو پہل کرنی چاہیئے۔ ایوان نے اصولاً اس تجویز کو قبول تو کیا مگر عملاً بعض دشواریوں کے مدنظر اس کو فی الحال ملتوی کر دیا۔ کیا اچھا ہو کہ دنیا کے تمام اقوام اس زرین اصول پر کاربند ہو جائیں کیوں کہ دنیا کا کوئی مذہب اس کے خلاف عمل کو جائز نہیں رکھتا۔

میڈم تساؤ کی نمائش گاہ سے واپس ہوتے ہوئے ہم بانڈ اسٹریٹ میں سے گزرے جو یہاں کے خرید و فروخت کا فیشنیبل مرکز ہے۔ اس بازار میں قیمتی اشیاء کی متعدد بڑی دکانیں ہیں۔ سہ پہر میں بنک آف انگلینڈ گیا۔ یہ ایک چاروں طرف سے بند بلند دیواروں کے اندر قدیم شہر میں

واقع ہے جسے سٹی کہتے ہیں۔ اس حصہ میں دوسرے اور بنک بھی ہیں اور سارا رقمی کاروبار اسی حصہ شہر میں انجام پاتا ہے۔ بنک آف انگلینڈ کا قیام ۱۶۹۴ء میں عمل میں آیا تھا۔ ۱۷۸۰ء میں بلوائیوں نے اس بنک کو لوٹا تھا جس کے بعد قلعہ بند دیواروں سے اسے محصور کیا گیا اور فوجی پہرہ متعین کیا گیا۔ جس عظیم پیمانہ پر بنک کی عمارت کا استحکام عمل میں آیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب یہ کہاوت ہو گئی ہے کہ "ایسا محفوظ جیسا کہ بنک آف انگلینڈ"۔

سر ولیم بارٹن آج اپنی دعوت کی تجدید کے لیئے سیوائے ہوٹل آئے تھے۔ میں نے آئندہ یکشنبہ کو ان کے مکان واقع ہیورڈ ہیتہ کو جانے کا وعدہ کر لیا۔ شب کا کھانا خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب کے ساتھ اسٹرانڈ پیالیس ہوٹل میں کھایا۔ جو سیوائے ہوٹل کے تقریباً محاذی واقع ہے۔

جمعہ ۲۔ اگست — صبح سے ۱۲ بجے تک صنعتی وفد سے متعلق کام کرتا رہا۔ ۱۲ بجے خاں صاحب دوست محمد خاں صاحب آلون اسٹیل اینڈ میٹل ورکس سے متعلق جس کا میں ایک ڈائرکٹر ہوں کچھ کاغذات دستخط کے لیئے لائے۔ کل شب میں شہزادی مارگریٹ بادشاہ کی صاحبزادی سیوائے ہوٹل میں تشریف لا کر ناچ میں شرکت فرمائیں۔ یہ خبر آج لندن کے اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ ایک بجے سیوائے ہوٹل کے اس لنچ میں شریک ہوا جو راجہ بنا لعل صاحب پیٹی نے بیرن کو ہارن کو دیا تھا۔ پونے تین بجے وکٹوریہ اسٹریٹ پر سے ہوتے ہوئے جو لندن کی بہت قدیم سڑک معلوم ہوتی ہے ایبری برج روڈ پر ایبری ہوز میں وزارت لیبر و نیشنل سروس کے دفتر پر

گیا جہاں مسٹر میک ملن نے ملاقات کا وقت دیا تھا۔ حیدرآباد کے طلباء کی ٹریننگ سے متعلق گفتگو ہوئی بہت اخلاق سے پیش آئے۔

آج کل حکومت اور پریس یعنی اخبارات میں کشاکشی ہو رہی ہے۔ حکومت کے بعض نمائندے اخبارات کو الزام دے رہے ہیں کہ وہ خاص خاص سیاسی فرقوں کے زیر اثر حکومت کے کاموں اور عمل سے متعلق خبروں کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اخبارات حکومت پر یہ الزام دھرتے ہیں کہ وہ اندھا دھند اپنی اشتراکیت کی پالیسی کو چلا رہی ہے اور جو وعدے انتخاب کے وقت اس نے پبلک سے کئے تھے انھیں پورا نہیں کر رہی ہے۔ اس ضمن میں یہ امر لائق ذکر ہے کہ بعض چوٹی کے اخبارات کو چھوڑ کر بقیہ اخبارات یہاں کے امرا کی ملک ہیں۔ یا با اثر پارٹیوں کی جانب سے چلائے جاتے ہیں۔ انگلستان کے سیاسیات پر یہاں کے اخبارات کا موثر اثر ہے اس حربہ کو ہمیشہ کوئی نہ کوئی پارٹی اپنے حق میں استعمال کرتی رہی ہے۔ چونکہ عوام خواندہ ہیں اس لئے وہ اخبارات کی تحریرات کا بہت جلد اثر لے لیتے ہیں۔ ایک زمانہ میں لیبر پارٹی نے بھی اپنے زیر اثر اخبارات سے کام لیا تھا۔ اور اب دوسرے ان سے کام لے رہے ہیں۔ عوض معاوضہ گلہ ندارد کا مصداق ہے۔

شب میں گروونیر ہوٹل میں بیرن کوہارن کی طرف سے دعوت تھی ۱۱ بجے واپسی عمل میں آئی۔ بیرن ورن کوہارن امریکہ کی صنعتی سوسائٹی میں بلند مقام رکھتے ہیں (۷۰) سال کی عمر ہے مگر بہت زندہ دل ہیں۔

شنبہ ۲۔ اگست | صبح چند طالب علم ملنے آئے تھے ۱۱ بجے راجہ پنا لعل صاحب پیٹی بعض مسائل کی نسبت گفتگو کرنے آئے۔ ۱۲ بجے
راجہ صاحب کے ساتھ ویسٹ منسٹر ایبی دیکھنے گیا جو ایوان ہائے پارلیمان کے قریب واقع ہے۔ انگلستان کے زمانہ وسطیٰ کے طرز کی شاندار عمارت ہے جس پہ متعدد منارے اور محرابیں بنی ہوئی ہیں۔ اندر بڑے طویل وسیع اور بلند ہال ہیں کھڑکیوں میں قدیم زمانہ کا نقشی شیشہ لگا ہوا ہے یہ صنعت اب تقریباً مفقود ہوگئی ہے اس قسم کے شیشے جسے اسٹینڈ گلاس کہتے ہیں۔ صرف قدیم گرجاؤں اور تاریخی عمارات میں نظر آتے ہیں۔ جس طرح سینٹ پال کیتھڈرل کے اندر فوجیوں۔ ملاحوں اور شاعروں کی قبریں ہیں اسی طرح ویسٹ منسٹر ایبی میں بھی نامور اشخاص کی قبریں اور ان کے مجسمے ہیں اس عمارت کو بطور شاہی قبرستان (رائل میسولیم) کے ہنری سوم نے اڈورڈ کنفیشر کی یاد میں تعمیر کرایا تھا۔ اسکے بعد ہر صدی میں اس میں اضافہ ہوتا گیا قبروں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ عبادت کے لئے بہت کم حصہ رہ گیا ہے۔ اس کو اگر مسقف قبرستان کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ موسم کے اثرات کی وجہ سے عمارت کے گوشے جا بجا جھڑ گئے ہیں مگر انگریزوں کی قدامت پرستی کی وجہ سے انہیں اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا ہے دیکھنے میں دیواریں بہت کثیف معلوم ہوتی ہیں۔ ایک حصہ میں وہ لکڑی کی کرسی ہے جو ایڈورڈ دوم کے زمانہ سے انگلینڈ کے بادشاہوں کی تاج پوشی کے لیئے استعمال ہوتی رہی ہے۔ اس کے نیچے ایک موٹا پتھر رکھا ہوا ہے

جسے اسکاٹ لینڈ سے لایا گیا تھا۔ سوائے ایڈورڈ پنجم کے جو تاج پوشی کی رسم ادا ہونے سے پہلے قتل کر دیا گیا تھا اور ایڈورڈ ہشتم کے جنہوں نے تخت سے دست برداری کر لی، بقیہ تمام بادشاہوں کی رسم تاج پوشی اسی عمارت میں ہوئی۔

میں نے انگریز قوم کی قدامت پرستی کا ذکر کیا ہے اس سے میرا منشاء اس کی مذمت کرنا نہیں ہے بلکہ میں اسے بہت اچھی چیز خیال کرتا ہوں کیونکہ جو قوم اپنے اسلاف کے کارناموں کا احترام اور ان کے بقاء کی کوشش کرتی ہے اس کے کارناموں کا احترام اس کے بعد آنے والے اخلاف بھی کریں گے۔ قدماء کے کارناموں کو زندہ رکھنے میں اور بہت سارے فوائد مضمر ہیں بشرطیکہ انہیں دیکھ کر نتیجہ خیز سبق حاصل کیا جائے اور امنگ پیدا ہو کہ ہم بھی اپنی نسلوں کے لیئے اس قسم کے یادگاری آثار چھوڑ جائیں۔ اس عمارت میں جارج دوم سترھویں صدی تک کے بادشاہ دفن ہیں اس کے بعد سے ونڈسر کیاسل کے سینٹ جارج گرجا میں بادشاہوں کو دفن کیا جاتا ہے۔

ویسٹ منسٹر ایبی کو دیکھنے کے بعد ہم ایوان ہائے پارلیمنٹ کو دیکھنے گئے۔ جن کی تعمیر ۱۸۴۰ء میں ہوئی تھی۔ دونوں ایوان ایک ہی عمارت میں جو باہر سے دو علیحدہ عمارتیں معلوم ہوتی ہیں واقع ہیں۔ ایوان عام کی عمارت کے ایک حصہ پر وہ گھنٹہ گھر قائم ہے جسے بگ بن کہتے ہیں۔ جس وقت ایوان منعقد رہتا ہے تو اس گھنٹہ گھر میں روشنی رہتی ہے۔ جسے دیکھ کر لوگ معلوم کر لیتے ہیں کہ ایوان منعقد ہے۔ ہاؤز آف لارڈز کا

ہال جو اندر سے بہت خوبصورت ہے ہاوز آف کامنز سے چھوٹا ہے۔ ایک سرے پر صدر کی کرسی ہے اور دونوں بازؤں میں ارکان کے بیٹھنے کے لیئے گدی دار صوفے ہیں۔ اوپر گیالریاں بنی ہوئی ہیں جہاں پبلک بیٹھ کر مباحث کو سنتی ہے اس سے متصل بعض کمرے ہیں اور ان کے بعد ہاؤز آف کامنز کا ہال ہے جو کم وبیش اسی طرح سے بنا ہوا ہے جیسا کہ ہاوز آف لارڈز کا ہال ہے۔ اسپیکر کے لیئے ایک سرے پر کرسی اور اس کے سامنے تین کرسیاں کلرکوں کے لیئے ہیں دونوں بازو سلسلہ سے کئی صفوں میں صوفے لگے ہوئے ہیں جن پر ارکان بیٹھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی بڑے کمرے ہیں جن میں سے ایک لابی کا کمرہ ہے ایک ہال میں ممبروں کے استعمال کے لیئے ٹیلیفون کی الماریاں ہیں آخر میں ایک بڑا ہال ہے جسے ویسٹ منسٹر ہال کہتے ہیں۔ ہم جس وقت گئے اس ہال کے اندرونی حصہ کی مرمت ہو رہی تھی۔

اس عمارت سے متصل بم گرے تھے جس کے صدمے سے جا بجا باہر کی دیواروں کے چھلکے نکل گئے ہیں غالباً ان کی مرمت بھی ہو جائیگی بجز اس کے کہ انگریز ان کو جرمنوں کی چیرہ دستی کی یادگار کے طور مجروح حالت میں چھوڑ نہ دیں۔

شام کے $5\frac{1}{2}$ بجے راجہ پنا لعل صاحب پیٹی کے ساتھ پلے ہوز تھیٹر میں انگریزی ڈرامہ دیکھنے گیا جو ساڑھے سات بجے ختم ہوا۔ شب کا کھانا سیوائے ہوٹل میں کھایا۔ راجہ پنا لعل پیٹی صاحب کے ساتھ بمبئی کے ایک بڑے جوہری کے لڑکے مسٹر سوشیلا جاویری ٹھیرے ہوئے ہیں۔ وہ بمبئی

ہمارے ساتھ تھے یہ صاحب یہاں تعلیم کے لیئے آئے ہوئے ہیں چونکہ آج کل یونیورسٹیاں بند ہیں اس لیئے راجہ صاحب کے ساتھ رہ کر ان کی مدد کر رہے ہیں۔ بہت سمجھ دار اور خوش خلق ہیں۔ دوروں میں بھی وہ راجہ صاحب کے ساتھ تھے۔

یکشنبہ ۴۔ اگست | صبح ۱۰ بجے نواب میر نواز جنگ بہادر کو ساتھ لے کر وکٹوریہ اسٹیشن گیا تاکہ ہیورڈز ہیتھ جاؤں جہاں سر ولیم بارٹن سابق رزیڈنٹ نے لنچ کے لیئے مدعو کیا تھا۔ ایک گھنٹے میں ہم ہیورڈ ہیتھ پہنچ گئے۔

سر ولیم اور لیڈی بارٹن موٹر کار لے کر اسٹیشن آئے۔ اسٹیشن سے ان کا مکان تین میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹے سے موضع میں ہے۔ قدیم وضع کا دومنزلہ خوبصورت مکان ہے اطراف میں باغ اور اس سے متصل کئی ایکر کا کھیت بلندی پر واقع ہے جہاں سے میلوں منظر نظر آتا ہے۔ ان کی دو لڑکیوں سے ہمارا تعارف کرایا گیا۔ ایک لڑکی برسلز کے سفارت خانہ میں ملازم ہے اور دوسری کالج میں زیر تعلیم ہے۔ سر ولیم اور لیڈی بارٹن کے ساتھ ہم نے ان کے باغ اور اراضی کی سیر کی۔ باغ میں علاوہ پھول اور ترکاری کے میوہ کے بھی درخت ہیں۔ سیب کے درختوں میں کثرت سے پھل لگے ہوئے تھے۔ ہیزل نٹ کا بہت بڑا درخت میوہ سے لدا ہوا تھا۔ حیدرآباد اور ہندوستان کے مسائل پر بہت دیر تک گفتگو رہی ۱½ بجے لنچ کے لیئے بیٹھے۔ بہت پُرتکلف کھانا تھا۔ لنچ سے فارغ ہوکر

باغ میں زمین پر تکیے اور فرش ڈال کر باتیں کرتے رہے کیوں کہ آج صبح سے آسمان بالکل نیلگوں اور دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ انگلینڈ میں اگر ایسا روشن دن کبھی مل جائے تو گویا عید ہو جاتی ہے۔ اگست کے پہلے ہفتہ میں پیر کو بنک کی چھٹی ہوتی ہے جسے بنک ہالی ڈے کہتے ہیں۔ جمعہ سے لیکر منگل تک کاروبار بند رہتے ہیں اور لوگ ان دنوں میں چھٹی منانے کے لیئے مختلف دلچسپ مقامات کو چلے جاتے ہیں چنانچہ اس سال بھی شہر سے لاکھوں اشخاص باہر نکل گئے ہیں۔ دو روز سے چونکہ موسم بہت اچھا ہے اور دھوپ چمک رہی ہے اس لیئے ان تعطیلات کا لطف دوبالا ہو گیا ہے۔ سوا تین بجے تک ہم سر ولیم اور لیڈی بارٹن کی میزبانی کا لطف اٹھا کر مسٹر شا گورنمنٹ ایجوکیشنل فلم ڈیپارٹمنٹ کے افسر کے ہاں گئے جن سے پہلے سے طے کر لیا گیا تھا کہ سر ولیم کے ہاں سے ان کے گھر جائیں گے جو ہیورڈز ہیتھ سے پانچ میل دوسری طرف ہے۔ مسٹر شا ٹھیک وقت پر ہمیں لینے کے لیئے سر ولیم کے مکان پر آ گئے۔ مسٹر شا کے یہاں بھی باغ میں ہریالی پر فرش کر کے بیٹھے اور سہ پہر کی چائے پینے کے بعد وہاں سے پانچ بجے اسٹیشن آئے تاکہ سوا پانچ کی گاڑی سے لندن لوٹیں۔

ہیورڈز ہیتھ سرے کی کونٹی میں واقع ہے جو انگلینڈ کے خوبصورت مضافات میں خیال کیا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ قصبہ نہایت خوش وضع ہے۔ آبادی کے درمیان میں ایک چھوٹا سا تالاب ہے اور جا بجا سبز وسیع لان اور پارک ہیں۔

شام کے ۶ بجے لندن پہنچ کر ہم سیدھے اپنے اپنے ہوٹل چلے گئے۔
سر ولیم بارٹن کے ہاں ملازمہ نے کھانا کھلایا۔ یہاں صرف امراء نوکر رکھ سکتے ہیں۔ ورنہ بالعموم خود مکان کی مالکہ سب گھر کا کام کر لیتی ہے۔ انگلینڈ کے ملازم اس حیثیت کے نہیں ہوتے جیسے ہندوستان میں ہیں بلکہ بہت خوددار ہوتے ہیں۔ اور ان کے لباس سے بجز اس کے کہ کام کرتے وقت وہ اپنے لباس کی حفاظت کے لیئے ایپرن (سفید کپڑا) پہن لیں، آپ مالک اور نوکر میں تمیز نہیں کر سکتے۔ ملازم سے کوئی کام لینا ہو تو حکم نہیں دیا جاتا بلکہ درخواست کی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ خاندان کے ایک ضروری اور مفید رکن کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت تمام ہوٹلوں کے ملازمین اور پیشہ وروں مثلاً اصلاح سازوں وغیرہ کی ہے۔ اگرچہ کہ یہ اشخاص اجرت لے کر خدمت انجام دیتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ سوسائٹی میں ان کا ضروری اور اہم مقام ہے۔ چنانچہ ہر وقت ان کا شکریہ ادا کرتے رہنا پڑتا ہے۔ اور مزید برآں انعام دے کر خوش کرنا تو لابدی امر ہے۔ ورنہ دوسری دفعہ آپ ان سے خدمت لینا چاہئیں تو وہ متوجہ نہیں ہوتے۔

دوشنبہ ۷۔ اگست آج بھی اگسٹ بنک ہالی ڈے ہے ہر طرف غیر معمولی چہل پہل ہے اِلّا بازاروں کے جو بالکل بند ہیں۔ آج بھی دھوپ علی ہے لوگ گھروں سے باہر باغوں میں ندی کے کنارے۔ دریاؤں کے ساحل پر کھیل کود میں بسر کر رہے ہیں۔ لندن کے لوگ اگر مضافات میں تفریح کر رہے ہیں تو مضافات کے لوگ لندن کی سیر تفریح میں مشغول ہیں۔ شام کے

۲ ۱/۲ بجے سنٹ جیمس پارک گیا سب چمن آدمیوں سے بھرے پڑے تھے
ٹرافلگر اسکویر میں نلسن کے منارہ کے اطراف بہت سارے لوگ ایک شخص کو
گھیرے ہوئے تھے اور وہ اناج ہوا میں اُچھال رہا تھا اور سیکڑوں کبوتر
جو نلسن کالم پر ہمیشہ بیٹھے رہتے ہیں اُتر اُتر کر چگ رہے تھے۔ انگلینڈ میں کوئی
جانور یا پرندہ انسانوں سے خوف نہیں کرتا اس لیئے کہ یہاں کے لوگ کسی پرندہ
کو نہ تو پنجروں میں پالتے ہیں اور نہ انہیں ایذا پہنچاتے ہیں۔ بلکہ جہاں کہیں وہ
انہیں پاتے ہیں روٹی کے ٹکڑے وغیرہ ڈالتے ہیں۔ اور ملاطفت سے پیش آتے
ہیں کبوتر لوگوں کے پیروں میں پھر رہے تھے۔ جس شخص کا میں نے ذکر کیا ہے
اس نے ایک لڑکی کی ہتیلی میں تھوڑا اناج رکھ کر اس کے ہاتھ کو پھیلا کر رکھا اور
کبوتروں کو سیٹی دے کر بلاتا گیا۔ تھوڑی دیر میں کبوتر اس لڑکی کے شانہ
اور ہاتھ پر آکر بیٹھے اور اناج کھانا شروع کیا۔ اس منظر کا اس شخص نے
فوراً فوٹو لے لیا۔ اس کے بعد اس نے مجمع میں سے دو بچوں کو جو ایک سال
کی عمر کے ہوں گے ان کے والدین کی اجازت سے زمین پر بٹھلا دیا اور دونوں
کے اطراف اناج پھیکنے لگا۔ کئی کبوتر ان بچوں کے سامنے اُتر کر اناج کھانے لگے
اس کا بھی اس نے فوٹو لیا۔ ان فوٹوؤں کو وہ بازار میں فروخت کر کے پیسے
پیدا کرے گا۔ سر شام جب میں ہوٹل واپس ہو رہا تھا راستہ میں تین حبشی مرد اور
دو حبشی عورتیں ملیں۔ مردوں اور عورتوں نے یوروپین لباس پہنا تھا۔ عورتیں
انگریزی لباس میں بہت بھونڈی معلوم ہو رہی تھیں۔ اس کے برخلاف بیگم صاحبہ
بھوپال اور دوسری ہندوستانی عورتیں جو یہاں آتی ہیں ساڑی پہنتی ہیں جو

بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ انگریز بھی ان کو اس لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ مردوں میں میں نے سر خضر حیات خاں صاحب کو دیکھا کہ وہ ہمیشہ پنجابی شملہ اور شیروانی اور ہندوستانی پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔

دو تین روز سے مجھے اس خیال سے بہت تکلیف ہو رہی ہے کہ ماہِ رمضان شروع ہو چکا ہے اور میں سفر کی مجبوریوں کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکتا۔ ہوٹل میں صبح کے تین بجے سے پہلے جب کہ آفتاب طلوع ہوتا ہے سحری کا انتظام ممکن نہیں ہے۔ آج کل کے اوقات طلوع اور غروب کے لحاظ سے ۲½ بجے سحری ختم کرنا ضروری ہے کیوں کہ تین بجے سورج طلوع ہو جاتا ہے۔ اور افطار شب کے ۹ بج کر (۲۰) منٹ پر کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح (۱۸) گھنٹوں کا روزہ رکھنا ہے اس لیئے ہمت نہیں ہوئی کہ بے سحری کے روزے رکھ لوں۔

سہ شنبہ ۶۔ اگست صبح سے کمرہ ہی میں کام کرتا رہا۔ ایک بجے نواب زین یار جنگ بہادر کے کمرے میں ڈاکٹر سعید محمدی صاحب کے ساتھ لنچ کھایا جو نظامیہ مسجد کے وقف کے ایک ٹرسٹی ہیں۔ جنگ سے پہلے لندن کے ایک محلہ کنسنگٹن میں ہز ہائی نس والا شان نواب اعظم جاہ بہادر ولی عہد مملکت آصفیہ نے نظامیہ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ جنگ کی وجہ سے یہ کام ملتوی رہا۔ اس مقدمہ میں آج محمدی صاحب سے تبادلہ خیال رہا۔ یہ صاحب لندن میں (۱۶) سال سے بہت کامیاب پریکٹس کر رہے ہیں۔ مسٹر شاکر محمدی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ جن کی لڑکی سے رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر

سابق صدر اعظم مملکت آصفیہ کے ایک فرزند سے شادی ہوئی تھی۔ شام میں کچھ کتابیں خریدنے کی غرض سے چیرنگ کراس روڈ گیا۔ آج پہلی دفعہ اس طرف جانا ہوا۔ اس طولانی سڑک پر کتابوں کی بہت ساری دکانیں ہیں۔ سب سے بڑی دکان فائلز کی ہے جو دو منزلہ ہے۔ لاکھوں کتابیں ہر مضمون کی یہاں ملتی ہیں۔ اسی سڑک سے متصل لیسٹر اسکویر ہے جس کے ایک بازو کوِنٹ گارڈن نامی میوے اور ترکاری کا وسیع مارکٹ ہے۔ میں نے مارکٹ کے اندر اور اس کے اطراف بہت کثافت دیکھی تعجب ہے کہ لندن جیسے شہر میں ان حالات کو کیسے روا رکھا گیا ہے۔ تھوک فروش بڑے بڑے ٹھیلوں میں میوہ کثرت سے لیجا رہے تھے۔

آج راستوں پر غیر معمولی چہل پہل تھی۔ کیوں کہ اگسٹ بنک ہالی ڈے کی وجہ سے تین روز تک بند رہنے کے بعد آج تمام دکانیں کھلی تھیں۔ آج بھی بہت سارے حبشی سڑکوں پر جاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم کچھ بیدار ہوئی ہے۔ کیوں کہ جس قوم کے لوگ دنیا کی سیر و سیاحت نہیں کرتے ان کا نظریہ وسیع نہیں ہوتا اور کسی ملک کی تجارت و حرفت کو اسی وقت فروغ ہوتا ہے جب اس کے افراد اپنے ملک سے باہر نکل کر دوسرے ملکوں کی تنظیم کا مطالعہ اور وہاں کی ضروریات کو معلوم کرتے ہیں۔ اسلام کی تاریخ بتلاتی ہے کہ مسلمانوں نے دور دراز مقامات میں اپنی تجارت کو اس وقت پھیلایا تھا جب کہ آمد و رفت کے وسائل اتنے آسان نہ تھے، جیسے کہ اب ہیں۔ خود ہمارے پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے

مال تجارت دور دور لے جا کر فروخت فرمایا۔ انگلستان میں میرا مشاہدہ یہ ہے کہ بہت کم مسلمان یہاں کاروبار کے ضمن میں نظر آتے ہیں۔ دوسرے اقوام اور مذاہب کے لوگ کثرت سے دیکھے جاتے ہیں۔ یہاں اکثر انگریزوں سے میں نے سنا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات اور موقف سے بالکل واقف نہیں ہیں۔ یہ صورت حال اس لیئے ہے کہ بہت کم تعداد میں مسلم یہاں آتے ہیں۔

چہارشنبہ ۷۔ اگست | صبح ۱۲ بجے تک کام کرتا رہا۔ ایک بجے سر جارج نلس نے گروویز ہاؤس میں لنچ پر مدعو کیا تھا اس میں شریک ہو کر ۳۔ بجے واپس ہوا۔ ساڑھے تین بجے مسٹر جان ٹیلر کے دفتر گیا جو حیدرآباد کے سونے کی کان سے متعلق بہ حیثیت ایجنٹ کے کام انجام دے رہے ہیں۔ میرے ساتھ ہمارے وفد کے رکن راجہ پنالعل جی بھی تھے۔ ساڑھے چار بجے سیوائے ہوٹل واپس ہو کر مسٹر تھانہ والا کے ساتھ راجہ پنالعل جی صاحب کے کمرہ میں چائے پی۔ شب کا کھانا خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب کے ساتھ چیرنگ کراس ہوٹل میں کھایا، جو چیرنگ کراس ریلوے اسٹیشن کے اندر واقع ہے۔

آج سے سیوائے ہوٹل کے ڈائننگ روم میں رات کے کھانے کے وقت ڈریس سوٹ یعنی کالا کوٹ اور کالا پتلون پہننے کا قاعدہ نافذ ہو گیا ہے۔ جنگ سے پہلے انگلینڈ کے کسی بڑے ہوٹل میں کوئی شخص بغیر ڈریس سوٹ کے رات کے کھانے کے لیئے داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

دوران جنگ میں کپڑے کی قلت اور دوسری مشکلات کی وجہ سے اس کا لزوم برخاست کر دیا گیا تھا اور دوسری بہت ساری پابندیاں بھی جو رسمی تھیں اٹھادی گئی تھیں۔ چنانچہ ملک معظم کی گارڈن پارٹی میں اس کی اجازت تھی کہ لوگ روزمرہ کے لباس میں آئیں ورنہ بادشاہ کی دعوت میں رسمی لباس یعنے مارننگ سوٹ سرپہ ٹاپ ہیاٹ اور ہاتوں میں دستانے پہننا لازمی تھا۔ میں نے بعض اصحاب سے دوران گفتگو میں کہا تھا کہ ان پابندیوں کے اٹھ جانے سے سہولت اور آرام ہو گیا ہے۔ اس کی نسبت ان کا کیا خیال ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ وہ اس کو پسند کرتے ہیں کہ قدیم معیار زندگی پھر عود کرے۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی قوم کا معیار زندگی ایک دفعہ بلند ہو جائے تو اس سے نیچے آنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوران جنگ میں عمومیت کے ساتھ ہر ملک کا معیار زندگی جو بلند ہو گیا ہے وہ برقرار رہے گا اور مزدوریوں اور قیمتوں میں کمی کا امکان نہیں ہے۔

پنجشنبہ ۸ ر اگست — صبح ۱/۲ ۱۱ بجے تک بعض حیدرآبادی طالب العلم ملنے آتے رہے۔ ۱۲ بجے وفد کے کام سے متعلق ایک کمیٹی میں شریک ہوا اور ایک بجے سر الکزنڈر راجرز کے لنچ میں جو کلیرج ہوٹل میں دیا گیا تھا شریک ہوا۔ تین بجے واپس ہو کر کچھ کام کیا چھ بجے راجہ پنا لعل جی کے ساتھ ٹہلنے گیا۔ شام کے ۷ بجے ہم سنیما کا ایک کھیل دیکھنا چاہتے تھے ٹکٹ فروخت ہو چکے تھے اس لیئے کل کے لیئے راجہ صاحب نے ٹکٹ خرید لیئے۔ شب کا کھانا راجہ صاحب کے کمرے میں ہوا جس میں خان بہادر عبد الکریم بابو خاں صاحب تھے

بھی شریک تھے۔

حیدرآباد سے مولوی میر لایق علی صاحب کا تار آیا کہ وہ ۲۰ ستمبر سے پہلے لندن واپس نہیں ہو سکتے اس لیئے وفد کے کام کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا راجہ پنا لعل جی اور میں سابقہ پروگرام کے لحاظ سے سوئٹزرلینڈ اور فرانس جائیں گے اور نواب زین یار جنگ بہادر مولوی لایق علی صاحب کے ساتھ سویڈن جائیں گے امریکہ کو بھی یکے بعد دیگرے دو پارٹیاں جائیں گی۔

جمعہ ۹۔ اگست

آج دن بھر کمرہ ہی میں کام کرتا رہا۔ راجہ پنا لعل پٹی صاحب نے میرے اور خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب کے لیئے اسٹرانڈ تھیٹر میں سیٹ رزرو کرائے تھے۔ اس لیئے شام کے ۶½ بجے ہم تینوں پیدل روانہ ہوئے۔ ۱۵ منٹ تک چہل قدمی صرف کرنے کے بعد ۷ بجے تھیٹر گئے۔ ہیرلڈ گرین ان ففٹی ففٹی کا ڈرامہ دیکھا۔ جس میں انڈسٹریل ڈیما کریسی (صنعتی جمہوریت) کا نقطۂ نظر نہایت پر مذاق طریقہ پر پیش کیا گیا ہے۔ دوران ڈرامہ میں انگلستان کی حکومت کے بعض وزراء پر مذاحیہ پیرایہ میں نکتہ چینی بھی کی گئی ہے۔ شب کے ۹½ بجے ڈرامہ ختم ہوا۔ باہر نکلے تو دیکھا کہ بارش ہو رہی ہے۔ دیر تک ٹکسی کار لینے کے انتظار میں کھڑے رہنے کے بعد ٹیلیفون کے ذریعہ سیوائے ہوٹل سے ٹکسی کار طلب کرنے کی غرض سے راجہ صاحب نے ٹیلیفون کے آلہ میں دو پنی ڈال کر اُسے استعمال کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اس لیئے رائے ہوئی کہ کسی طرح پیدل ہی ہوٹل کو پہنچ جانا چاہیئے۔ کیوں کہ دس بج رہے تھے۔ بارش ہی میں تیزی سے ہوٹل واپس ہوئے جو

دو فرلانگ پر ہے۔ بھیگے ہوئے کپڑوں کو فوراً بدل کر راجہ صاحب کے کمرے میں کھانا کھایا۔ یہاں کے تھیٹر باہر سے لندن کی دوسری عمارتوں کی طرح سیاہ ہیں مگر اندر جانے کے بعد دیواروں چھتوں اور دروازوں کی آرائش و زیبائش قابل دید ہوتی ہے تمام عمارات کا یہی حال ہے۔ باہر سے کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا کہ عمارت اندر سے اتنی شاندار ہوگی۔ لندن کے تھیٹروں میں ایک ایک سال بعض دفعہ دو سال تک ایک ہی کھیل روزانہ دکھلایا جاتا ہے۔ اس پر بھی تھیٹر تماشائیوں سے بھرے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کھیل کا اشتہار عمارت پر مستقل لوہے یا لکڑی کے حرفوں سے لگا دیا جاتا ہے۔ ٹکٹ کی قیمتیں بھی بہت زیادہ ہیں مثلاً جس تھیٹر میں آج ہم گئے اس کا بکس کا ٹکٹ تین پونڈ چار شلنگ یعنی ۴۵ روپے کے قریب اور اس کے نیچے کے درجے کا جسے اسٹال کہتے ہیں ساڑھے تیرہ شلنگ یعنی تقریباً (۹) روپیہ اس کے بعد ۵ شلنگ اور ۲ شلنگ گیلری کا ٹکٹ ہے، یعنی سب سے کم ٹکٹ ایک روپیہ آٹھ آنے کا ہے۔ جس کھیل کو ہم نے دیکھا وہ اس قدر مقبول ہے کہ کچھ روز پہلے ملک معظم اور ملکہ معظمہ بھی اسے دیکھنے آئے تھے۔

آج کے ڈرامہ میں جہاں بعض وزراء کا مضحکہ اُڑایا گیا تھا وہاں ونسٹن چرچل کا نام جس وقت آیا تو مجمع نے تالیاں بجائیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عوام کے دلوں میں ونسٹن چرچل سابق وزیر اعظم کے لئے خاص جگہ ہے اور جنگ کے ہیرو اور ٹوری جماعت کا بڑا قائد ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی ہی میں قوم انہیں داد تحسین دینا چاہتی ہے چنانچہ کل کے اخبارات نے

زیر عنوان چرچل کا باؤنٹا یہ خبر شایع کی ہے کہ انگلستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ ملک معظم کی خاص منظوری سے لارڈ وارڈن آف سنک پورٹس کا باؤنٹا مسٹر چرچل کے مکان پر جو وسٹر ہیام میں واقع ہے نصب کیا گیا۔ حالانکہ رواج اور قاعدہ کے لحاظ سے یہ باؤنٹا لارڈ وارڈن کے مکان پر صرف سنک پورٹ کے حدود کے اندر لہرایا جا سکتا ہے۔ دوسری خبر جو اخبارات میں شایع ہوئی وہ یہ ہے کہ جس مکان میں مسٹر چرچل بیس سال سے مقیم ہیں اسے خرید کر قوم نے ایک ٹرسٹ بنا دیا ہے تاکہ چرچل کی وفات کے بعد یہ یادگار ہمیشہ کے لیئے قائم رہ سکے۔ یہ مثالیں زندہ قوموں ہی میں پائی جاتی ہیں کہ قومی خادموں کی خدمات کا اعتراف کرتی ہیں۔ جس سے دوسروں کے لیئے ترغیب ہوتی ہے کہ اپنی خدمات سے قوم کو فائدہ پہنچائیں۔

آج کے اخبارات میں میں نے پڑھا کہ انگلینڈ میں چھوٹے بچوں پر فالج کا حملہ کثرت سے ہوتا ہے اس کی وجہ تیرنا اور گنجان مقامات مثلاً سیناؤں کو جانا بتلائی جاتی ہے۔ آج کل شمالی انگلستان میں یہ مرض بطور وباء کے پھیل گیا ہے اور ایک شہر میں بچوں کے سہ پہر کے میٹنی سینما کے کھیلوں کو بند کر دیا گیا ہے۔ یہاں کی سوسائٹی کا ایک پہلو مجھے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا وہ یہ کے یہاں کثرت سے زن و شوہر میں طلاق واقع ہوتا ہے چنانچہ آج کے اخبار میں اس خبر کو نمایاں مقام دیا گیا ہے کہ آیندہ سہ شنبہ کو عدالت طلاق ایک دن میں تین ہزار طلاق کے مقدموں میں فیصلہ کرے گی۔ خبر میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے ایک نیا رکارڈ قائم ہو جائے گا۔ میری رائے میں اس قسم کے رکارڈ کا قائم

ہو جانا کوئی لائق تحسین امر نہیں ہے۔ جس پر اہل برطانیہ فخر کر سکیں۔ جہاں حکومت بہت ساری سیاسی گتھیوں کو سلجھانے میں اپنا وقت دیتی ہے اگر معاشرتی اصلاح کی جانب بھی تھوڑی توجہ کرے تو اچھا ہو گا۔

شنبہ ۱۰۔ اگسٹ

صبح ۱۰ بجے تک کام کرتا رہا اس کے بعد راجہ پنا لعل جی اور اور مسٹر شیشل جاوری کے ساتھ برٹش میوزیم اور لندن یونیورسٹی دیکھنے گیا۔ برٹش میوزیم کی عمارت کچھ بہت شاندار نہیں ہے رومن طرز تعمیر ہے بڑے بڑے ستونوں پر عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ قدیم زمانہ کے تمدن و تہذیب سے متعلق بہت نایاب اور نادر اشیاء کو آئینے کی الماریوں میں سلیقہ سے رکھا گیا ہے۔ دو ہزار سال قبل مسیح سے لے کر آج تک کے مختلف اشیاء مثلاً کھانے پینے کے برتن۔ زیور۔ مجسّے۔ کتب۔ گھڑیاں۔ گھنٹے غرض کہ ہمہ قسم کے استعمالی اور زیبائشی اشیاء کی بہت بہتر نمائش کی گئی ہے۔ ہر چیز کے متعلق مختصر احوال تختیوں پر تحریر کئے گئے ہیں۔ اس عجائب خانہ کے صرف ایک حصہ کو ہم نے دیکھا کیوں کہ دوسرے حصوں کی اشیاء دوران جنگ میں دوسری جگہ منتقل کر دی گئی تھیں۔ جو ابھی جمائی نہیں گئی ہیں۔ اس میوزیم میں زائل چارٹر اصل حالت میں اور نلس کے ہاتھ سے لکھے ہوئے کاغذات بھی ہیں کیوں کہ اس زمانہ میں ٹائپ ایجاد نہیں ہوا تھا۔

میوزیم کو دیکھنے کے بعد ہم نے لندن یونیورسٹی کی عمارت کو دیکھا جو قریب ہی واقع ہے۔ اس عمارت کی وضع امریکن عمارات کی سی ہے درمیان میں بیس منزلہ عمارت کا ایک حصہ ہے اور بقیہ حصہ سات یا آٹھ منزلہ ہے۔

دیکھنے میں یہ عمارت شہر لندن کے ماحول میں اچھی نہیں معلوم ہوتی کیوں کہ دوسری تاریخی اور بڑی عمارتیں مثلاً ایوان ہائے پارلیمنٹ ویسٹ منسٹر ابی وغیرہ گاتھک وضع کی ہیں۔ دوپہر کے لنچ پر مسٹر گمنس اور ان کی دو لڑکیوں کو میں نے سیوائے ہوٹل میں مدعو کیا تھا۔ راجہ پنا لعل جی اور مسٹر جادیری بھی شریک تھے۔ دوران لنچ میں نواب میر نواز جنگ بہادر اور خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب بھی آ گئے جن کے ساتھ راجہ پنا لعل جی کے کمرے میں سہ پہر کی چائے ہوئی۔ سہ پہر سے لے کر رات کے ۹ ½ بجے تک کمرہ میں کام کرتا رہا۔ آج فیلڈ مارشل اکنلک کمانڈر انچیف انڈیا ہندوستان سے ایک فوجی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے لندن آئے۔ سیوائے ہوٹل میں ٹھیرے ہیں۔ میں نے اپنا ملاقاتی کارڈ ان کے کمرہ پر چھوڑا۔

یکشنبہ ۱۱ اگست ساڑھے دس بجے نواب زین یار جنگ بہادر۔ مسٹر سعید شاکری ٹرسٹی نظامیہ مسجد لندن اور میں ریجنٹ پارک میں اس مکان اور اراضی کو دیکھنے گئے جو حکومت برطانیہ کی دس ہزار پونڈ کی امداد سے حکومت مصر نے چندہ کی رقم شریک کر کے اس غرض سے خریدا ہے کہ مسلم کلچر کا مرکز اور مسجد بنائی جائے۔ ہز ایکسلنسی حافظ وہیبہ صاحب نے جو لندن میں سفیر ہیں عہدہ دار متعلقہ کو اطلاع دیدی تھی کہ ہمیں معائنہ کرایا جائے۔ ڈاکٹر عبدالقادر صاحب مصری نے نہایت اخلاق کے ساتھ مکان اور متعلقہ زمین دکھلائی مکان دو منزلہ نہایت اچھا ہے۔ اطراف میں وسیع کمپونڈ ہے عقبی حصہ میں بہت بڑا چمن ہے جو لندن جیسے شہر میں بہت کم مکانات کو میسر ہے

پایا جاتا ہے۔ مسجد بنانے کا مجوزہ مقام بھی ہمیں دکھلایا گیا۔ مکان میں کئی وسیع ہال ہیں۔ اور سب اعلیٰ درجہ کے فرش و فرنیچر سے آراستہ ہیں۔ ایک ہال میں نماز کا انتظام کیا گیا ہے۔ دوسرے میں کتب خانہ ہے۔ ڈائننگ ہال اور آفس کے علاوہ دوسری ضروریات کے لئے بھی علحدہ علحدہ کمرے مختص کئے گئے ہیں۔ تمام کمروں کی دیواروں پر اعلیٰ درجہ کی لکڑی کا استر ہے۔ محل وقوع کے لحاظ سے یہ عمارت لندن کے بہترین حصہ میں بڑی شاہراہ پر واقع ہے۔ معلوم ہوا کہ مہینے میں ایک جلسہ ہوتا ہے جس میں اسلام پر تقاریر ہوتی ہیں ہر یکشنبہ کو بچوں کا کلاس ہوتا ہے جس میں اسلامی درس دیئے جاتے ہیں۔ مجھے اس عمارت کو اور اس کے انتظامات کو دیکھ کر جس درجہ خوشی ہوئی بیان سے باہر ہے۔ صدق دل سے بارگاہ باری تعالیٰ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ اس تجویز کے بانیوں کے ارادے کو بدرجہ اتم پورا کرے۔ آمین۔

شہر کے اس حصہ میں لندن کا عجائب خانہ ہے۔ کل انشاءاللہ فرصت کے اوقات میں اس کو دیکھوں گا کیونکہ یہ محلہ مجھے بہت بارونق معلوم ہوا۔ واپسی میں ہم کنسنگٹن گئے جہاں حضرت ولی عہد سلطنت آصفیہ ہز ہائی نس والاشان پرنس آف برار نے جنگ سے پہلے نظامیہ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا تھا۔ تقریباً ایک ایکڑ زمین کے ایک گوشہ میں چھوٹا سا مکان ہے جس میں ایک شخص کرایہ سے رہتا ہے۔ اس مکان سے متصل چار موٹر خانے ہیں جو سب کرایہ پر ہیں۔ سابق میں جب یہ اراضی خریدی گئی تھی آبادی گنجان نہ تھی اب اطراف میں عمارتیں بن جانے سے چوطرف سے

گھر گئی ہے۔

دوپہر کا کھانا نواب زین یار جنگ بہادر کے کمرے میں ڈاکٹر محمدی صاحب اور نواب میر نواز جنگ بہادر کے ساتھ کھایا۔ نواب زین یار جنگ بہادر نے اپنے باورچی سے جسے وہ حیدرآباد سے لائے ہیں بہت اچھے دیسی کھانے پکوائے تھے سبھوں نے نہایت شوق سے مزے لے لے کر کھایا۔ تین بجے نواب زین یار جنگ بہادر۔ راجہ پنالعل صاحب۔ سلامت علی صاحب فرزند نواب زین یار جنگ بہادر اور مسٹر شوشل جاویری اور میں وہپسنیڈ گئے جو لندن سے تقریباً ۵ میل ہے۔ اور جہاں انگلینڈ کا مشہور زو یعنے جانور خانہ ہے۔ یہ زو ایک وسیع ٹیلہ پر بنایا گیا ہے۔ جس میں میلوں سڑکیں ڈالی گئی ہیں ہر راستہ کے دونوں جانب مختلف جانوروں چرندوں اور پرندوں کے لیئے وسیع میدان اور پانی کے حوض وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ بعض نایاب جانور یہاں دیکھنے میں آئے اس ٹیلہ پر سے ایک جانب پانچ دس میل تک کا نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ جو بہت دلکش ہے۔

شام کے ۵ بجے واپسی میں حسن اتفاق سے واٹر سپلاش نامی رسٹوران ملا جہاں ہم نے منچسٹر جاتے ہوئے کچھ ہفتے پہلے چائے پی تھی۔ یہ رسٹوران ایک وسیع چمن میں واقع ہے۔ جس کے ایک گوشے میں نہانے کا حوض ہے۔ چائے پی کر ہم نے اسے تفصیل سے دیکھا (۱۴۰) فٹ لمبا اور (۳۰) فٹ چوڑا ہے۔ دونوں بازوؤں میں کپڑے بدلنے کے کمرے ہیں جن پر پردے لگے ہوئے ہیں۔ غوطہ مارنے کے تختے اور ایک جانب چمن میں کرسیاں پڑی ہوئی

ہیں۔ رسٹوران کیا ہے گویا تفریح کا مرکز ہے۔ جانوروں کے عجائب خانہ سے متعلق یہ چیز لائق ذکر ہے کہ فی کس دو شلنگ داخلہ کا ٹکٹ مقرر ہے۔ موٹر کاروں کو کھڑا کرنے کے لیئے فی موٹر ایک شلنگ ادا کرنا پڑتا ہے۔ کئی سو موٹریں اس وقت موجود تھیں۔ اور تقریباً (۱۵) ہزار اشخاص سیر کر رہے تھے۔ گویا اس ایک دن میں تقریباً تیس ہزار شلنگ کی آمدنی ہوئی جس سے سالانہ آمدنی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ ایک قسم کا تفریحی ٹکس ہے۔ جس کے ذریعہ حکومت آمدنی حاصل کرتی ہے۔

دوشنبہ ۱۲۔ اگست صبح سے بارش کا سلسلہ ہے ابر چھایا ہوا ہے۔ یورپ کے صنعتی مقامات کے دورہ پر ہم ۱۵۔ اگست کو جا رہے ہیں۔ اس ضمن میں پاسپورٹ کے لیئے ایک تازہ فوٹو کی ضرورت تھی جسے آج ہی داخل کرنا تھا اس لیئے دس بجے بارش ہی میں باہر گیا اور ایک فوٹوگرافر کے پاس اسٹرانڈ اسٹریٹ میں فوٹو کھچوایا نصف گھنٹہ میں تیار شدہ فوٹو مل گیا۔ ۱۱½ بجے راجہ پنا لعل جی اور میں نے تھامس کک کے دفتر جاکر فوٹو داخل کیئے اور ضروری کاغذات پر دستخط کر دیئے۔ ایک بجے ڈاکٹر فیبرا اور نواب زین یار جنگ بہادر کے ساتھ سیوائے ہوٹل میں لنچ کھایا۔ شام کے ۴½ بجے وفد کی جانب سے حیدرآبادی طلباء کو سیوائے ہوٹل میں چائے پر مدعو کیا گیا تھا۔ بعض سربرآوردہ انگریزوں کو بھی دعوت دی گئی تھی تقریباً ۵۴ طلباء آئے بہت پرلطف پارٹی رہی۔ چھ بجے مہمان رخصت ہوئے۔ شام کے ۷½ بجے راجہ پنا لعل پِٹی صاحب، خان بہادر عبدالکریم بابو خان صاحب اور میں ویمبلی گئے تاکہ

کتوں کی گھوڑ دوڑ جسے ہاؤنڈ ریس کہتے ہیں اسٹیشن کی ایک خاص چیز ہے بگیس ویلانو کے حصے
میدان کے ٹکٹ ایک پونڈ سے دو شلنگ تک مقرر ہیں۔ اندر داخل ہوتے ہی ہزاروں
اشخاص کا ایک مجمع نظر آیا جو کتوں پر اسی طرح بازی لگا رہا تھا۔ جیسا کہ گھوڑ دوڑ
میں گھوڑوں پر بازی لگائی جاتی ہے۔ شرط بازی کے ٹکٹ گھر اور جیتی ہوئی
رقم لینے کے مقامات سلسلے سے بنے ہوئے ہیں کئی سو اشخاص ٹکٹ خریدنے
میں یا اپنی جیتی ہوئی شرط کے پیسے لینے میں مصروف تھے۔ سیڑھیوں پر چڑھ کر
اندر کی طرف جاتے پر ایک نہایت وسیع ہریالی کا میدان دکھائی دیتا ہے
جس کے اطراف لکڑی کے سیڑھی نما سیٹ بنے ہوئے ہیں۔ اور ان ہی
سیڑھیوں کے درمیان جا بجا چبوترے بنے ہوئے ہیں۔ جن پر کوچ کرسیاں
رکھی ہوتی ہیں۔ بڑی بڑی روشنی کے بجلی کے ہنڈے ہر طرف لگے ہوئے
ہیں ان کا ٹکٹ خاص ہے۔ ہریالی کے میدان کے اطراف کتوں کے
دوڑنے کا راستہ بنا ہوا ہے۔ سارے میدان میں قوت دار بجلی کی
روشنی کے گولے لگے ہوئے ہیں۔ روشنی کا انتظام اس لئے کیا جاتا ہے کہ
سہ پہر سے لے کر شب کے ۱۰½ بجے تک شرطیں دوڑائی جاتی ہیں۔ تقریباً
پچاس ہزار تماشبین موجود تھے۔ ہر دوڑ سے پہلے چھ چھ کتوں کو جن کے
جسم پر تیلی جھول ہوتی ہے اور نمبر لکھے رہتے ہیں ایک جگہ سے ایک میدان
میں گھمایا جاتا ہے تاکہ تماشبین انہیں دیکھیں۔ اس کے بعد کتوں کو لکڑی کے
کٹہرے میں علٰحدہ علٰحدہ بند کر دیا جاتا ہے۔ ایک مصنوعی خرگوش کو بجلی کے
تار پر بہت تیز میدان کے اطراف دوڑایا جاتا ہے۔ جب خرگوش ایک چکر

لگا کر اس کٹہرے کے سامنے آتا ہے جس میں کتے ایک سیدھ میں بند ہیں تو کٹہرے کے دروازوں کو ایک ساتھ کھول دیا جاتا ہے کتے نہایت تیزی کے ساتھ خرگوش کو پکڑنے کے لیئے دوڑتے ہیں۔ پورا چکر لگانے کے بعد ایک مقام پر جب کتے پہنچتے ہیں تو سلسلہ کے لحاظ سے نمبر اول۔ دوم سوم قرار دئے جاتے ہیں۔ دوڑ کے نتیجے کا اعلان لوڈ اسپیکر کے ذریعہ کیا جاتا ہے تختوں پر بھی لکھ کر نمایاں کیا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے ان کتوں پر شرط لگائی تھی وہ پیسے لینے کے لیئے مختلف کھڑکیوں پر جا کر اپنی رقم لے لیتے ہیں۔ ہم دو دوڑوں کو دیکھ کر واپس ہوئے۔ ایک عجیب بات جو یہاں دکھائی دی وہ یہ تھی کہ شرط لگانے والے ایک دوسرے کو ہاتھوں کے مختلف اشاروں سے اطلاع دیتے ہیں کہ کس کتے پر شرط لگائی جا رہی ہے۔

مسٹر سوشیل جاویری جو راجہ پنالال جی کے ساتھ سیوائے ہوٹل میں ٹھیرے ہیں بیان کرتے تھے کہ انھوں نے اپنا پتلون استری کے لیئے ہوٹل کے ملازم کو دیا تھا۔ جس وقت ہوٹل کے دھوبی خانہ سے دوسرے روز یہ پتلون واپس کیا گیا تو اس پر ایک چٹھی نمایاں طور پر لگائی گئی تھی جس میں لکھا تھا کہ پتلون کے جیب میں کچھ رقم ہے۔ دیکھا تو اس میں بیس پونڈ تقریباً تین سو روپئے) کے نوٹ تھے جسے وہ نکالنا بھول گئے تھے۔ انگریزوں کی دیانت داری کا ایک واقعہ محمد یعقوب صاحب مالک بسکٹ فیکٹری حیدرآباد نے بھی مجھ سے بیان کیا وہ یہ کہ بس میں دو لڑکے سوار ہوئے

جب کہ ٹکٹ کلکٹر پیسے وصول کرنے کے لیئے بس کے اوپر کی منزل میں گیا ہوا تھا۔ ان لڑکوں کے اترنے کا مقام اس اثناء میں آگیا تو بس کا کرایہ اپنی نشست پر رکھ کر اتر گئے ٹکٹ کلکٹر نے نیچے آنے کے بعد پیسے اٹھا لیئے اور ٹکٹ کی کتاب سے دو ٹکٹ چاک کر کے بس کے باہر پھینکدیا۔ دوسری اقوام کو ان مثالوں سے سبق لینا چاہیئے۔

سہ شنبہ ۱۲۔ اگست | ساڑھے دس بجے تک کام کر کے ریجنٹ پارک گیا تاکہ جانوروں کا عجائب خانہ دیکھوں۔ راستہ میں ریجنٹ اسٹریٹ ملتی ہے جس میں بہت ساری بڑی بڑی دکانیں ہیں۔ ان میں سے قابل ذکر آسٹن اینڈ ریڈ اور لفائٹ ہیں جو کئی حصوں پر مشتمل ہیں اور جن میں ہر قسم کا سامان ملتا ہے۔ بیکر اسٹریٹ سے ذرا آگے جانے کے بعد زو یعنے عجائب خانہ ملتا ہے جس میں داخلہ کے دو شلنگ ادا کرنے ہوتے ہیں۔ ایک بہت وسیع احاطہ میں چمن اور اس کے اطراف ہمہ قسم کے جانوروں کے پنجرے اور مقامات بنے ہوئے ہیں۔ جا بجا چائے خانے بھی ہیں۔ آج میں نے پہلی دفعہ اس عجائب خانہ میں عقاب دیکھے جو تقریباً (۱۲) یا (۱۴) قسم کے تھے۔ سب سے بڑے عقاب کا نام منکی ایٹنگ ایگل یعنے بندر کھانے والا عقاب ہے۔ بکرے کے بچہ کے برابر ہے۔ نہایت خم دار چونچ ہے۔ یہاں سے واپس آکر سیوائے ہوٹل میں اس لنچ میں شریک ہوا جو ہز ایکسلنسی حافظ شیخ وہابہ سفیر عربستان کے اعزاز میں ہمارے وفد کی طرف سے نواب زین یار جنگ بہادر نے دیا تھا۔ سر تودک امیر علی

اور ڈاکٹر سعید شاکر محمدی بھی موجود تھے۔ حافظ وہابہ صاحب بہت سنجیدہ اور خوش خلق ہیں انگریزی بھی بول لیتے ہیں۔

سہ پہر میں بعد نماز عصر یورپ جانے کے ضمن میں سفر کا سامان درست کر رہا تھا کہ خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب آئے اور کہا کہ انہوں نے ۱۵۔ اگست کو حیدرآباد واپس جانے کا انتظام کر لیا ہے اس اثناء میں مسٹر گگوشن یونائٹیڈ پریس آف انڈیا کے مقامی نمائندے سے ملنے آئے۔ ان سے باتیں کر رہا تھا کہ نواب میر نواز جنگ بہادر بھی آ گئے۔

آج شب کے کھانے پر راجہ پنالعل جی نے مسٹر برلا کو مدعو کیا تھا۔ ارکان وفد کے علاوہ خان بہادر عبدالکریم بابو خاں صاحب بھی دعوت میں شریک تھے۔

ایک صحبت میں میں نے یہ سوال چھیڑا تھا کہ انگلینڈ کے باشندوں کو کتنے درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ نواب زین یار جنگ بہادر کی رائے تھی جس سے مسٹر ویب ایک انگریز بھی متفق تھے کہ انہیں چار درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (۱) پوور کلاس یعنے غریب طبقہ (۲) لوور مڈل کلاس یعنے کمتر درمیانی طبقہ (۳) اپر مڈل کلاس یعنے بالاتر درمیانی طبقہ (۴) رِچ کلاس یعنے امیر طبقہ۔ میرا خیال تھا کہ یہ تقسیم ہندوستان جیسے ملک کے لئے مناسب ہو سکتی ہے۔ مگر انگلینڈ کے لئے جہاں کا معیار زندگی بہت ہی بلند ہے صرف تین درجے قائم کئے جا سکتے ہیں (۱) ورکنگ کلاس یعنے مزدور طبقہ جس میں کارخانوں کے مزدور اور دفتری کام کرنے والے

نشی شامل ہیں۔ (۲) مڈل کلاس یعنے درمیانی طبقہ اور (۳) اپر کلاس یعنے امیر طبقہ۔ یہ دلچسپ بحث بہت دیر تک رہی۔ اور اتفاق رائے نہ ہوسکا۔

چہارشنبہ ۱۱۔ اگست | صبح سے دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ کل ہم یوروپ کے دورہ پر روانہ ہو رہے ہیں اس لیئے آج دفتری کام کو نپٹنے میں مشغول رہا۔ ایک بجے سر فرانک براؤن کے ساتھ سیوائے ہوٹل میں لنچ کھایا۔ یہ صاحب یہاں کے با اثر لوگوں میں ہیں۔ اخبارات پر ان کا خاص اثر ہے۔ حیدرآباد کے معاملات سے بہت دلچسپی رکھتے ہیں۔

اس وقت تک میں نے لندن اس کے مضافات اور انگلینڈ کے جن اضلاع کو دیکھا ہے ان کی تقسیم اس طرح ہوسکتی ہے کہ لندن کے اس حصہ میں جسے سٹی آف ویسٹ منسٹر کہتے ہیں بادشاہ اور وزیر اعظم کے رہائشی مکانات کے علاوہ وہائٹ ہال سے موسوم سڑک پر ایک جانب نظم ونسق کے کل شعبوں سے متعلق سرکاری دفاتر ہیں اس کے دوسرے جانب ٹیمس ندی کے کنارے ویسٹ منسٹر برج سے متصل ایوان ہائے پارلیمنٹ ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ گویا سلطنت کا دماغ ہے۔ تجارتی مرکز لندن کے اس قدیم حصہ میں ہے جسے سٹی کہتے ہیں۔ یہیں گلڈ ہال بھی ہے جہاں قدیم رسومات کے ساتھ لارڈ میر کا جلوس اور فریڈم آف دی سٹی آف لندن وغیرہ کے اعزاز عطا کئے جاتے ہیں۔ اسی حصہ میں اسٹاک اکسچیج بنک آف انگلینڈ اور دوسرے بہت سارے بنک واقع ہیں۔ کارخانے اور صنعتی مراکز

ایسٹ اینڈ اور لندن کے شمال مشرق میں واقع ہیں۔ تمدنی اور معاشرتی مرکز ویسٹ اینڈ ہے جہاں اچھے طبقہ کے لوگوں کے رہائشی مکانات۔ تفریح گاہیں سینما۔ تھیٹر۔ ہوٹل اور بڑے بڑے فیشنیبل بازار یہ واقع ہیں۔ حمل ونقل کا مرکز ٹیمس ندی ہے جہاں وزنی مال لانے لیجانے کے لیئے وہارف یعنے گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ لندن کے مضافات میں اوسط طبقہ کے ملازمین یا پنشن پانے والے رہتے ہیں۔ لندن کے حدود بلدیہ سے ملحق کونٹیس ہیں۔ جنکی حالت قدرے مشترک ہے۔ یعنے ان میں رہائشی رقبے اور کارخانہ ساتھ ساتھ ہیں۔

انگلینڈ کے اضلاع میں سے بعض تو بالکلیہ صنعتی شہر ہیں مثلاً گلاسگو۔ برمنگھم لیورپول۔ مینچسٹر۔ وولور ہامٹن۔ لنکاشیر۔ بعض اضلاع تعلیمی مرکز بن گئے ہیں مثلاً آکسفورڈ اور کیمبرج۔ بعض زیادہ تر زراعتی ہیں۔ جس میں بڑے بڑے چراگاہیں یا جنگل۔ کچھ اضلاع ایسے ہیں کہ اطراف میں پہاڑ واقع ہونے سے جا بجا خوبصورت تالاب اور جھیل ہیں انھیں لیک ڈسٹرکٹ کہا جاتا ہے۔ بعض ساحلی اضلاع ہیں مثلاً برائٹن ان مقامات کو ہالی ڈے ریسارٹ یعنے چھٹی منانے کا مقام کہا جاتا ہے۔ بعض شہر محض تاریخی ہیں مثلاً ونڈ سر یا ہیا ملٹن کورٹ جہاں قدیم آثاری عمارات ہیں بہ حیثیت مجموعی انگریزوں نے اپنے معاشی اور قدرتی وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے جو مقام جس مقصد کے لئے سہولت بخش نظر آیا اسے ان ہی اغراض کو پیش نظر رکھکر ترقی دی گئی ہے۔

کل لندن کے مشہور مصنف ایچ۔ جی۔ ویلس کا انتقال ۷۹ سال کی

عمر میں ان کے مکان واقع ریجنٹ پارک میں ہوا۔ بہت مقبول ادیب اور پچاس سال سے تصنیف و تالیف میں مشغول تھے لندن کے اخبارات نے آج ان پر بڑے بڑے مضامین شائع کئے ہیں۔ انھوں نے اس وقت تک نو د کتابیں لکھی ہیں۔ علاوہ چھوٹے مضامین اور رسالوں کے۔ انگریزوں کا خیال ہے کہ موجودہ زمانہ میں ان سے زیادہ کتابیں کسی مصنّف نے نہیں لکھیں۔ ان کی کتابوں کے کئی کئی اڈیشن باربار چھپ چکی ہیں۔ اس کے باوجود مانگ میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

ایک بجے سر فرانک اور مسٹر رچرڈ کے ساتھ سیوائے ہوٹل میں لنچ کھایا ڈھائی بجے تھامس کک کمپنی نے ذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی کہ ایمسٹرڈم جانے کے لیئے ہالینڈ کے پولٹیکل آفس کو ساڑھے تین بجے سے پہلے جاکر وہاں کا اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہے چنانچہ راجہ بنا لعل جی اور میں فوراً وہاں پہنچے۔ کئی اشخاص پہلے سے قطار باندھے کھڑے تھے۔ مسٹر شوشل جاوبری نے ایک افسر سے کہا کہ ہم حیدرآباد کے صنعتی وفد کے ارکان ہیں جن میں وزراء کے درجہ کے لوگ شریک ہیں۔ یہ سن کر سفیر نے اپنے کمرہ میں بلا لیا اور دریافت کیا کہ آیا ہمارے پاس کسی کا تعارف نامہ بھی موجود ہے جس کا پیش کرنا پروانہ جاری کرنے سے پہلے ضروری ہے، میں نے کہا کہ ہمارے متعلق جملہ اطلاعات ہائی کمشنر فار انڈیا کے دفتر میں موجود ہیں وہاں سے تصدیق کر لی جاسکتی ہے۔ چونکہ میں خود حیدرآباد کا ایک وزیر ہوں اس لیئے میری تحریر کافی سمجھی جاسکے تو میں دے سکتا ہوں۔

یہ سن کر سفیر خود نیچے گیا اور ماتحت عہدہ داروں کو پروانہ جاری کرنے کی اجازت دی۔ ہم نیچے گئے تو معلوم ہوا کہ دو فارم کی خانہ پُری ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ دو فوٹو بھی داخل کرنے لازمی ہیں۔ جس کے بغیر پروانہ اجرا نہیں ہو سکتا۔ میں نے کہا کہ فارم تو ہم اُسی وقت پُر کر دیتے ہیں البتہ فوٹو اور ہائی کمشنر کا تعارفی خط کل ان کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ میری خواہش ہے کہ اسی بنا پر پروانہ جاری کر دیا جائے کیونکہ کل صبح کے ۸ بجے کے ہوائی جہاز میں ہمیں جگہ ملی ہے افسر متعلقہ نے کہا کہ ہمارے اس وعدہ کے اعتماد پر وہ قاعدہ سے ہٹ کر پروانہ جاری کرے گا۔ کل ان امور کی تکمیل لازماً ہونی چاہیئے۔ چنانچہ اس نے اپنی مہربانی سے دس منٹ میں پاسپورٹ پر اجازت کی شرح لکھ کر دے دی جس کا شکریہ ادا کر کے ہم چلے آئے۔ شام میں میں نے ہائی کمشنر فار انڈیا کو خط لکھ کر خواہش کی کہ کل ہمارے فوٹو اور تعارفی خط وہاں بھیج دیئے جائیں۔ اس موقع پر مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ تھامس کُک کے اس دفتر نے جو بارکلے اسٹریٹ میں واقع ہے ہمارے معاملات میں شروع سے غلطیاں کیں حالانکہ ہم دو روز پہلے اس دفتر کو گئے تھے۔ اور بار بار میں نے وہاں کے افسر سے کہا کہ جن جن امور کی تکمیل کی ضرورت ہے وہ سب اسی وقت ہم سے کرا لی جائے۔ جواب میں کہا گیا تھا کہ سب امور کی تکمیل ہو چکی ہے انتظام ہو جائیگا۔ جس وقت ہم باہر آ کر موٹر میں سوار ہو چکے تو اس کا آدمی دوڑا ہوا آیا۔ اور کہا کہ ایک فارم تکمیل طلب رہ گیا ہے چنانچہ ہم پھر واپس گئے اور

اس کی تکمیل کر کے کہا کہ کوئی امور اور تشنہ ہوں تو ان کی تکمیل کر لی جائے
اس پر جواب ملا کہ اب کوئی امر تکمیل طلب نہیں ہے۔ تھامس کک کے دفتر
کی بے توجہی یا عدم کارکردگی سے آج ڈھائی بجے سے ساڑھے چار بجے
تک جو پریشانی ہوئی وہ حد درجہ لائق افسوس ہے۔ میں نے اس واقعہ
سے متعلق شکایت لکھ کر نواب میر نواز جنگ بہادر معتمد وفد کے پاس بھیجی
ہے۔ تاکہ وہ اسے تھامس کک کے صدر دفتر تک پہنچائیں۔ مجھے حیرت
ہے کہ تھامس کک جیسی مشہور اور معروف کمپنی کی اس شاخ میں ان حالات کو کس طرح
روا رکھا گیا ہے۔

شام کے ساڑھے ۶ بجے میں نے اس سامان کو جو ہالینڈ ساتھ نہ
جائے گا سیوائے ہوٹل کے اسٹور کے کمرہ میں بھجوا دیا کیونکہ کل علی الصبح
ہوائی اڈہ پر پہنچنا ہے۔

پنجشنبہ ۱۵ اگست | صبح پونے آٹھ بجے راجہ پنالعل جی۔ مسٹر شوشل جاویری اور
میں ہوائی جہاز کے ٹکٹ گھر گئے جہاں پاسپورٹ کے معائنہ
کے بعد ایسٹرڈم ہالینڈ کے دارالخلافہ کا ٹکٹ دیا گیا اور ایک خاص کوچ میں
ساڑھے آٹھ بجے تمام مسافروں کو ہوائی اڈہ پر پہنچا دیا گیا جو لندن سے
تقریباً (۱۲) میل ہے۔

پونے دس بجے ہمارے ہوائی جہاز نے پرواز کی۔ پرواز سے
پہلے کپتان نے حادثہ کی صورت میں کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں بیان کئے۔
نصف گھنٹے کی پرواز کے بعد تقریباً پون گھنٹہ تک بحر شمالی یعنے نارتھ سی

پر سے طیارہ اڑتا رہا کیونکہ ہم لندن سے ترچھے ہالینڈ کے ملک کی طرف سفر کر رہے تھے۔ سمندر میں جا بجا دخانی جہاز جاتے ہوئے دکھائی دیئے۔ نصف راستہ طے کرنے کے بعد کپتان نے ایک ٹائپ شدہ نوٹ مسافروں کی اطلاع کیلئے گشت کرایا جس میں لندن سے روانگی کا وقت۔ جس بلندی اور رفتار سے جہاز اُڑ رہا ہے۔ سردی کا کیا درجہ ہے اور کتنے بجے ایمسٹرڈم پہنچیں گے اس کی صراحت کی گئی تھی۔ چنانچہ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے جیسا کہ اس نوٹ میں درج تھا ہمارا طیارہ منزل مقصود پر اترا۔ جہاز میں سے ایمسٹرڈم کا بہت وسیع اور اچھا منظر ملا۔ جس چیز کا سب سے پہلے دل پر اثر ہوتا ہے وہ یہاں کی سرزمین کا نظارہ ہے اس سے پہلے فرانس اور انگلینڈ پر سے پرواز کرتے ہوئے وہاں کی سرزمینی کیفیت کے دیکھنے کا موقع ملا تھا مگر وہاں کے مقابلہ میں یہاں یہ دیکھا گیا کہ کھیتوں کو بہت سیدھا بنایا جاتا ہے سڑکیں اور نہریں میلوں بالکل سیدھی چلی گئی ہیں۔ ذرا سا بل بھی اوپر سے نظر نہیں آتا۔ ایک مستطیل شطرنج یا چیپسی بچھی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ ایمسٹرڈم کے ہوائی اڈہ سے شہر تقریباً ۵ یا ۶ میل ہے۔ کروڑگیری کی تنقیح بالکل برائے نام تھی۔ مسافروں ہی سے دریافت کر کے کہ کوئی محصول طلب چیز ساتھ تو نہیں۔ عہدہ دار سامان پر تنقیح کے نشان کر رہے تھے۔ ہوائی اڈہ سے ایک خاص کوچ میں مسافروں کو شہر پہنچایا گیا۔ شہر کے درمیان میں سے نہر بہتی ہے اور بعض جگہ تو بالکل مکانوں کے چمن اور دیواروں سے لگی ہوئی ہے۔ اس میں دخانی کشتیاں جا بجا کھڑی تھیں اس ملک میں موٹر کاریں اور دوسری سواریاں سیدھے جا

چلائی جاتی ہیں۔ اس لیئے تمام موٹر کاروں میں چلانے کا پہیہ بائیں جانب ہے سیکلیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ جن کے لیئے بڑے راستہ سے متصل بعض راستوں پر علیحدہ چھ فٹ چوڑے راستے بنے ہوئے ہیں۔ سڑکیں نہایت سیدھی اور چوڑی ہیں۔ مکانات تین یا چار منزلہ بہت ساد ے مگر ہوادار بنے ہوئے ہیں۔ بعض راستوں پر ایسے مکانات جن میں کھڑکیوں کے آگے بیٹھنے کے چھجے نکلے ہوئے ہیں نظر آئے۔ من حیث المجموع یہ شہر بہت خوشگوار معلوم ہوا۔ لندن کی کاروباری فضا، جہاں سڑکوں پر ہر وقت موٹر کاریں بسیں وغیرہ مسلسل چلتی رہتی ہیں اور پیدل راستوں پر آدمیوں کا جو رکیلا رہتا ہے وہ یہاں نہیں ہے۔ لندن کے مضافاتی مکانات پر سبز بیلیں چڑھانے کا طریقہ ہے۔ بعض مکانات پر اس خوبی سے بیلیں چڑھائی گئی ہیں کہ صرف کھڑکیوں اور دروازوں کو کھلا چھوڑ کر پورا مکان سبز پوش نظر آتا ہے۔ ایسٹرڈم کے شہر میں کئی بڑے بڑے مکانات ایسے دیکھے گئے کہ سوائے کھڑکیوں اور دروازوں کے بقیہ پورا مکان سبز بیلوں سے ڈھکا ہوا ہے بازاروں میں پھول اور میوے بہت اچھے قسم کے دکھائی دیئے۔ دوپہر کے کھانے میں ہم نے یہاں کے شفتالو کھائے۔ رس ٹپک رہا تھا۔ آج دو مہینے کے بعد میں نے لنچ میں تازہ انڈے کا آملٹ کھایا۔ لندن میں راشننگ کی وجہ سے مہینہ میں صرف ایک انڈا ملتا ہے۔ ہمیں تو وہ بھی نہ ملا کیونکہ ہوٹل میں کھانا کھاتے تھے۔ عین شہر میں سے نہریں دوڑتی ہیں اس لیئے ان پر جا بجا کھلنے اور بند ہونے والے بڑے بڑے پل بنائے گئے ہیں تا کہ کشتیاں اور جہاز

گزریکیں۔ ہمارا قیام ڈولین ہوٹل میں ہے۔

جس وقت ہم یہاں اترے کچھ بارش ہو کر کہر آ گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں مطلع صاف ہو گیا اور دھوپ چمکنے لگی۔ سردی معتدل اور خوشگوار ہے۔ اس کے برعکس لندن کی سردی مرطوب ہوتی ہے اور ذراسی ہوا لگ جانے سے زکام ہو جانے کا ہمیشہ اندیشہ لگا رہتا ہے۔ ایسٹرڈم میں ڈچ زبان بولی جاتی ہے ویٹر وغیرہ کچھ کچھ انگریزی بھی بول لیتے ہیں۔ لوگ ملنسار اور خوش مزاج معلوم ہوئے۔ گھوڑے کی یکہ اور جوڑی کی لینڈو گاڑیاں بھی یہاں دکھائی دیں۔ دوکانیں صاف ستھری اور سلیقہ سے سجی ہوئی ہیں مگر اس بڑے پیمانہ کی نہیں ہیں جیسی لندن میں ہیں۔ اس ملک میں نیدرلینڈ بنک کے ایک گلڈن ڈھائی گلڈن اور دس گلڈن کے نوٹ رائج ہیں۔ ایک گلڈن تقریباً ڈیڑھ شلنگ کا ہوتا ہے۔"

سہ پہر میں ہم نے ایک گائیڈ کو ساتھ لے کر موٹر کار میں شہر کے مقامات دیکھے۔ سارے شہر میں نہریں ہیں جن کے دونوں جانب راستے۔ مکانات اور دکانات ہیں۔ مکانوں کی طرز تعمیر سادہ مگر دلفریب ہے۔ ملکہ کے رہنے کا محل شہر کے عین وسط میں واقع ہے۔ یہ چار منزلہ عمارت ہے کوئی خاص بات اس میں نہیں ہے۔ بلاکمپونڈ کی عمارت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ملکہ زیادہ تر ہیگ میں رہتی ہیں جو ایک صنعتی شہر ہے۔ قانونی تکمیل کی غرض سے سال میں کچھ دنوں کے لیئے ہالینڈ کے دارالخلافہ اسٹرڈیم میں آکر رہتی ہیں۔ بندرگاہ چھوٹا اور معمولی ہے۔ چونکہ موسم گرما میں یہاں سردی زیادہ

نہیں ہوتی اور خوشگوار خنکی رہتی ہے۔ اس لئے ہوٹلوں اور چا ہے خانوں کے باہر پیدل راستوں پر میز کرسیاں بچھا دی جاتی ہیں جن پر زیر سما بیٹھ کر لوگ شام کی چائے پیتے ہیں۔ بعض رسٹوران خوبصورت کیا نوپین کی تہیہ ہونے والی چھت بھی لگا دیتے ہیں۔ جا بجا چھوٹے چھوٹے چمن اور پارک بنے ہوئے ہیں۔ آبادی آٹھ لاکھ بتائی جاتی ہے۔ بمقابلہ لندن کے تمول کم ہے لوگ غریب معلوم ہوتے ہیں مگر خوش حال ہیں۔ ایک ڈچ کو دیکھا کہ سڑک کے کنارے ایک بچے کو پاخانہ کرا رہا تھا۔ یہ بات لندن میں مفقود ہے جہاں شہر کی جملہ بڑی سڑکوں پر مردوں اور عورتوں کے لیئے طہارت خانے بنے ہوئے ہیں۔

رات میں مسٹر جاویری اور میں ایک ڈرامہ دیکھنے گئے۔ ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آئی کہ تماشبین ڈرامہ کرنے والوں سے بعض دلچسپ موقعوں پر فقرہ بازی کرتے ہیں اور ان کے ساتھ گاتے بھی ہیں۔

ڈچ لوگ دیانت دار معلوم ہوئے۔ شام میں میوہ خریدتے وقت میری جیب سے سفری چک یعنے ٹراویلرز چک کی کتاب گر گئی میں باہر جانے ہی کو تھا کہ کسی نے اٹھا کر اسے میرے حوالہ کیا۔

اس شہر میں آتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں ایسے مقام پر آ گیا ہوں جہاں زندگی پرسکون ہے۔ ہوا صاف اور ستھری ہے۔ اس میں جلے ہوئے پٹرول کی وہ بو نہیں ہے جو لندن کے قیام میں دماغ میں سرائت کر گئی تھی۔ ایمسٹرڈم میں بھی آفتاب رات کے ساڑھے تین بجے طلوع ہو کر شب کے

ساڑھے نو بجے غروب ہوتا ہے۔ جس طرح لندن میں اکثر مکانات کے نیچے بڑے بڑے تہہ خانے ہیں یہاں بھی موجود ہیں۔

معلوم ہوا کہ پچھلی جنگ میں تقریباً (۵) سال تک ایمسٹرڈم پر جرمنوں کا قبضہ رہا اور یہاں کے باشندوں کو جرمنوں نے بہت تکلیفیں دیں۔ بلا کسی جنگ کے شہر کا قبضہ دیدیا گیا تھا۔ اس لیئے عمارات وغیرہ محفوظ رہیں البتہ بعض عمارات آگ کے لگ جانے سے جل گئیں۔ ایک بارہ منزلہ خانگی عمارت ہے جسے یہاں کا اسکائی اسکریپر کہتے ہیں۔

جمعہ ۱۶ اگست — صبح ساڑھے نو بجے ہم موٹر ٹکسی لے کر شہر میں گھومنے گئے لوگ ڈچ زبان بولتے ہیں۔ ہر جگہ زبان نہ جاننے کی وجہ سے بہت مشکل سے ہم اپنا منشاء سمجھا سکے۔ بعض دفعہ اشاروں سے مطلب ادا کرنا پڑا۔ ایمسٹرڈم زیادہ تر بجلی کا سامان اور بالخصوص بجلی کی روشنی کے گولے بنانے میں مشہور ہے۔ راستوں پر لوگ ٹھیلوں میں میوہ اور گوشت بیچتے پھرتے ہیں خریداروں کی اطلاع کے لیئے پکارتے بھی رہتے ہیں۔ شہر میں ایمسٹیل ندی سے نہریں لائی گئی ہیں۔ اور اسی وجہ سے ایمسٹرڈم شہر کا نام بھی پڑا ہے دن کے ایک بجے کی گاڑی سے ہم برسلز بلجیم کے دارالخلافہ کے لیئے روانہ ہوئے۔ فرسٹ کلاس میں دو دو چار چار آدمیوں کے بیٹھنے کی کرسیاں اور ان کے بیچ میں چھوٹا سا میز جس پر ٹیبل لیمپ اور سگریٹ کا گلدان رکھا رہتا ہے سلیقہ سے رکھے ہوئے ہیں۔ ڈائننگ کار بھی ساتھ ہی لگی رہتی ہے۔ البتہ سب مسافروں کے لیئے ہر درجہ میں ایک ہی طہارت خانہ

رہتا ہے۔ گاڑی کی رفتار بہت دھیمی تھی۔ جنگ میں چوں کہ بعض پلوں اور راستوں کو نقصان پہنچا تھا جو ابھی درست نہیں ہوئے ہیں اس لئے سیدھے راستے کی بجائے چکر کاٹ کر سفر کرنا پڑا جس کی وجہ سے بجائے چار گھنٹوں کے تقریباً نو گھنٹے کا سفر رہا۔ ریل میں سے سارا ملک مسطح اور نہروں کا جال بچھا ہوا دکھائی دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہوائی جہاز سے کھیتوں کی تقسیم باقاعدہ اور سیدھی معلوم ہوئی۔ کیونکہ نہریں ہر کھیت کے بازو سے بالکل سیدھی نکالی گئی ہیں۔ ہر کھیت کے اطراف لکڑی کے کھمبوں اور تار کی حصار ہے۔ کاشتکاروں نے اپنے اپنے کھیتوں ہی میں مکان بنائے ہیں جو پختہ اور آرام دہ ہیں۔ بعض پر کویلو اور بعض پر گھاس کی چھتیں ہیں۔ ہر مکان سے متصل گھاس اور اناج رکھنے کے کوٹھے ہیں جنہیں یہاں بارن کہتے ہیں۔ مکان کے بازو چھوٹا سا باغ اور چمن ہے۔ ناگر کی گاڑی، گھوڑا، بکرے اور مرغیاں ہر گھر کے اطراف دیکھے گئے۔ بکرے گائی کے بچھڑوں کے برابر ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملک زیادہ تر زرعی ہے۔ کاشتکار پانی کی نالیوں کو صاف کرتے ہوئے یا کھیت میں کام کرتے ہوئے پائے گئے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے ونڈ مل یعنے ہوائی چکی نظر آتے رہے۔ ہوائی چکی سے اناج کو صاف کرنے اور باؤلی سے پانی کھینچنے کا کام کثرت سے لیا جاتا ہے۔ ریل میں سے کاشتکاروں کے کھیت مکان اور سیب کے وسیع باغات مسلسل نظر آتے ہیں۔ بڑے بڑے سیب کے درختوں پر جو قلمی آم کے درخت کے برابر ہوتے ہیں کثرت سے سیب لدے ہوئے تھے۔ اس ملک میں میوہ کثرت سے اور اچھا پیدا ہوتا ہے۔

انگور کی کاشت یہاں اتنے بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے کہ سارے یوروپ کو بھیجے جاتے ہیں۔ جرمنوں نے اس ملک کے دیہاتی حصوں اور ریلوے اسٹیشنوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ ہر اسٹیشن پر بہت سارے انجن اور مال کے ڈبے شکستہ حالت میں کھڑے تھے جو بظاہر ناقابل مرمت دکھائی دیئے اسٹیشنوں کی چھتوں کو جو بمب باری سے گر گئی تھیں ابھی تک درست نہیں کیا گیا ہے اس سفر میں ریل رہائن ندی پر سے گزری جو بڑی ندی ہے۔ جس وقت ریل گاڑی ہالینڈ کے آخری اسٹیشن روزن ڈال پر پہنچی تو مسافروں کو اپنا سامان لے کر اسٹیشن کے ایک بڑے ہال میں جانا پڑا جہاں چھپے ہوئے فارم میزوں پر رکھے ہوئے تھے۔ بڑی مشکل سے ہم نے لوگوں کی امداد سے ان کو لکھا کیونکہ ڈچ زبان سے ہم ناواقف تھے۔ اس کے بعد سلسلہ سے پاسپورٹ، اور ان فارموں کو دیکھ کر سامان پر تنقیح کا نشان کر دیا گیا۔ کسٹم کی تنقیح محض تکمیل ضابطہ کے لیئے ہوتی ہے کیونکہ کسی کا سامان کھول کر نہیں دیکھا گیا۔ یہاں سے ریل روانہ ہونے کے بعد بلجیم کے علاقہ کے پہلے اسٹیشن ریشن پہنچے تو وہاں بھی کسٹم کے مرحلہ سے گزرنا پڑا اس علاقہ کو بھی جرمنوں نے بم باری سے بہت نقصان پہنچایا۔ اسٹیشن بہت تاراج ہوا اور اب بھی اسی حالت میں موجود ہے۔ بلجیم کے لوگوں میں وہ باقاعدگی نہیں پائی جاتی جو انگلینڈ میں ہے۔ بے ترتیب سلسلہ بندی سے لوگوں کو شور کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ شام کے ۸ بجے ہم اینٹورپ کے شہر سے گزرے جو بڑا معلوم ہوا ہماری گھڑیوں کے مطابق رات کے دس اور بلجیم کے مقامی وقت کے لحاظ سے

گیارہ بجے ہم برسلیز کے اسٹیشن پر اُترے۔ گویا لنڈن اور بلجیم کے وقت میں ایک گھنٹے کا فرق تھا۔ یہ اسٹیشن بھی تباہ شدہ حالت میں پایا گیا۔ ہم جس وقت اترے بارش ہو رہی تھی اور چھت جگہ جگہ سے ٹپک رہی تھی۔ اسٹیشن پر کافی روشنی تھی۔ پورٹر (قلی) پیٹھ پر سامان لاد کر اسٹیشن سے باہر پہنچا دیتے ہیں بڑی مشکل سے (۱۵) یا (۲۰) منٹ کے انتظار کے بعد موٹر ٹکسی ملی ہم گرانڈ ہوٹل کاسما پولیٹ گئے جہاں تھامس کک نے ہمارے قیام کا انتظام کیا تھا راستہ میں شہر بہت روشن معلوم ہوا۔ ہوٹل کے لوگ اور ملازم زیادہ تر فرانسیسی بولتے ہیں۔ نوکروں کو اشارے سے سمجھانا پڑا۔ بعض دفعہ اشاروں سے بھی مطلب ادا کرنے میں مجھے ناکامی ہوئی۔ مثلاً میں نے نہانے کا کمرہ معلوم کرنا چاہا تاکہ کل علی الصبح غسل کرنے میں دشواری نہ ہو مگر ملازم سمجھ نہ سکا میں نے مزید تردّد بے فائدہ سمجھ کر غسل کرنے کا خیال ہی ترک کر دیا۔ یہ صورت پیش نہ آتی اگر کمرے کے ساتھ ہی غسل خانہ لگا ہوا ہوتا۔

شنبہ ۱۷ اگست	صبح کے ۷ بجے جس وقت ملازم چائے لایا تو میں نے اشاروں سے اور انگریزی میں پھر غسل خانہ دریافت کیا۔

اس وقت وہ سمجھ گیا اور لیجا کر غسل خانہ دکھلایا۔ رات میں کافی سردی محسوس ہوئی۔ صبح سے دھوپ نکلی ہوئی ہے اور موسم خوشگوار ہے۔ ایمسٹرڈم کے ہوٹل کا بل دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہاں کے اخراجات لندن سے کسی طرح کم نہ تھے بلکہ بڑھے ہوئے تھے۔ ہم تین آدمیوں کا بل (۲۴) گھنٹوں کی قیام کے بابتہ (۲۲) پونڈ یعنے تقریباً تین سو روپیے ہوا۔ یعنے فی کس

ایک سو روپیئے کے برابر خرچ ہوا۔

صبح ۹ بجے کھانے کے کمرہ میں ناشتہ کیلئے گیا تو وہاں کی گھڑی میں دس کا وقت دیکھ کر یاد آیا کہ رات میں اپنی گھڑی کو مقامی وقت کے لحاظ سے بدلنا بھول گیا تھا فوراً گھڑی درست کی تاکہ وقت کے اختلاف کا جھگڑا باقی نہ رہے ناشتہ سے فارغ ہو کر راجہ پنا لعل صاحب مسٹر جاویری اور میں تھامس کک کے دفتر گئے تاکہ ٹراولرز چکوں کو بھنا کر مقامی سکہ یعنی بلجین فرانک حاصل کریں کیونکہ یہاں انگریزی سکہ قبول نہیں کیا جاتا۔ لوگوں کا تانتا لگا تھا ہم بھی قطار میں کھڑے ہو گئے کہ اپنی باری پر رقم حاصل کریں۔ عین جب میری باری آئی اور میں نے چک دکھلائے تو کہا گیا کہ وقت ہو چکا ہے دو بجے آکر رقم لی جا سکتی ہے۔ وہاں سے نکل کر ہوٹل آتے ہوئے دکانوں پر نظر ڈالی۔ ایمسٹرڈم کے مقابلہ میں یہاں کے بازار بڑے اور مال بھی ان میں زیادہ نظر آیا۔ ٹرام اور موٹر کاروں کی آمد و رفت بھی یہاں زیادہ ہے لندن سے نکلنے کے بعد ایمسٹرڈم میں جو سکون نظر آیا تھا وہ پھر مفقود ہو گیا۔ ہر طرف بڑے بڑے رسٹوران ہیں جن کے سامنے پیدل چلنے کے راستوں سے متصل سیکڑوں میز کرسیاں بچھی ہوئی ہیں جہاں لوگ چائے خوری کرتے ہیں۔ یہاں کا موسم بھی سخت نہیں ہے اس لیئے لوگ کھلی ہوا میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ یکایک ۱۱ بجے بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ہر طرف ابر چھا گیا سردی میں بھی قدرے اضافہ ہو گیا۔ مگر اس کی وجہ سے ناخوشگواری محسوس نہیں ہوئی۔

۲ بجے سہ پہر میں ہم ایک ٹورسٹ کار میں گائیڈ کے ساتھ برسلز کے

مشہور مقامات دیکھنے نکلے۔ گرجا۔ کیتھڈرل۔ یونیورسٹی۔ ایوان پارلیمان۔ ٹاؤن ہال بادشاہ کے رہنے کے محلات عدالت کی عمارت۔ مقتولان جنگ سنہ ۱۹۱۴ء کی یادگاریں دیکھیں۔ یہ عمارتیں نہایت قدیم اور عظیم الشان ہیں۔ بادشاہ کے مکانات کچھ بہت زیادہ شاندار نہیں ہیں۔ ایک محل کے اطراف وسیع پارک ہے لوہے کی حصار تقریباً بالکل اسی وضع کی ہے جیسی کہ حیدرآباد کے باغ عام کی ہے۔ شہر کے بیچ میں بادشاہ کا جو محل ہے وہ بکنگھم پیالیس سے مشابہ ہے مگر اس سے ذرا بہتر ہے۔ سب سے قدیم اور تاریخی عمارتیں جو چودھویں اور پندرھویں صدی کی ہیں وہ ٹاؤن ہال اور اسی کے تین بازوؤں کی عمارتیں ہیں جو ایک مربع چمن کے چاروں طرف بنائی گئی ہیں۔ ٹاؤن ہال کی عمارت لندن کے ایوان ہائے پارلیمنٹ کے طرز کی ہے۔ دوسری عمارتیں بھی چودھویں صدی کی وضع کی اسی کی مناسبت سے نہایت نازک اور خوبصورت ہیں۔ باہر کے حصہ میں سونے کا جو ملمع ستون وغیرہ پر کیا گیا تھا بعض حصوں پر اب تک بہت اچھی حالت میں موجود ہے۔ عدالت کی عمارت بہت بلند اور قدیم ہے اس پر جو گنبد ہے وہ بھی بہت بڑا اور شاندار ہے۔ دور سے یہ عمارت بلندی اور شان میں لندن کے مشہور سینٹ پال کے گرجا جیسی معلوم ہوتی ہے۔ پارلیمان کی عمارات بڑی ہیں مگر کوئی خاص بات ان میں نہیں ہے۔ اس کے متصل یہاں کے وزراء کے دفاتر ہیں۔

شہر سے باہر نکلتے ہی سڑک کے دونوں جانب نہایت خوبصورت اور گنجان جنگل ہے جو میلوں چلا گیا ہے۔ ایک مقام پر چھوٹا سا گرجا ہے

جس کے متعلق بیان کیا گیا کہ بیس اکیس سال کی عمر کی لڑکیاں ہر مہینے کے پہلے اتوار کو یہاں آکر دعا مانگتی ہیں تو اسی سال ان کی شادی ہو جاتی ہے۔ شہر سے چھ سات میل پر ایک چھوٹی پہاڑی ہے جس کے دامن میں ایک گول عمارت ہے جسے پنورما کہتے ہیں۔ اس میں جانے کے لئے، فرانک کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ بلجیم کا ایک فرانک ہندوستان کے سوا آنہ کے مساوی ہوتا ہے بازار میں اسی سکہ میں قیمتیں لی جاتی ہیں ایک فرانک سے لے کر ایک لاکھ فرانک یا اس سے زاید قیمت کی اشیاء اسی سکہ میں فروخت کی جاتی ہیں۔ پنورما کی عمارت میں داخل ہو کر اوپر چڑھنے کے بعد ایک گول سطح پر پہنچ جاتے ہیں۔ جو مسقف ہے اور جس کا قطر غالباً (۶۰) یا (۷۵) فیٹ ہو گا۔ چھت میں روشنی کا انتظام اس طرح کیا گیا ہے کہ چاروں طرف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر طرف کم از کم (۱۵) میل کے ملک کا منظر اور فرانس اور انگلستان کی فوجوں کو واٹرلو کی جنگ کرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فوجیں مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہیں گھوڑے اور سامان حرب کے ساتھ خندقوں کی لڑائی بعینہ دکھلائی گئی ہے مردہ گھوڑے اور انسان اس طرح گرے ہوئے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے کہ لڑائی کے ختم ہونے کے چند گھنٹوں کے بعد سارے میدان کارزار کو آپ دیکھ رہے ہیں۔

تھوڑی دیر کے لئے عقل حیران ہو گئی کہ کیا ماجرا ہے غور سے دیکھنے اور دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اطراف میں پختہ گول دیوار تقریباً ستر فیٹ کے فاصلہ پر تقریباً تیس فٹ اونچی ہوئی

گئی ہے اور اس پر واٹرلو کی لڑائی کا منظر دکھلایا گیا ہے۔ میں نے اس عظیم پیمانہ مصوری کا یہ کمال اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ یہ عمارت اسی مقام پر بنائی گئی ہے جہاں سنہ ۱۸۲۵ء میں واٹرلو کی مشہور جنگ برطانیہ اور فرانس میں ہوئی تھی اور جس میں آخری وقت جنگ کا پانسہ ڈیوک آف ولنگڈن برطانیہ کے جنرل کے حق میں اور نپولین کے خلاف پلٹا تھا۔ پنوریا کی عمارت سے متصل ایک پہاڑی ہے جس پر جانے کی سیڑھیاں موجود ہیں۔ کل (۲۲۶) سیڑھیاں ہیں۔ اس پہاڑی سے سارے برسیلز کا نظارہ دور دور تک ملتا ہے۔ پائین میں رسٹورانٹ ہیں جہاں پہاڑی سے اترنے کے بعد ہم نے چائے پی۔ ان رسٹوران میں پیتل کا مختلف سامان جس میں نپولین اور ولنگڈن کے شبیہہ بنائے گئے ہیں فروخت ہوتا ہے بطور یادگار کے میں نے ایک پیتل کی گھنٹی خریدی۔ شہر کو واپس ہوتے ہوئے راستہ میں ایک بستی ملتی ہے جس میں وہ مکان موجود ہے جہاں ولنگڈن نے لڑائی کے زمانہ میں اپنا مستقر رکھا تھا اور اسی میں رہتا تھا۔ اس عمارت پر ایک کتبہ لگا ہوا ہے۔ اسی سے قریب تھوڑے فاصلہ پر وہ عمارت ہے جس میں لارڈ بیرن انگلینڈ کا مشہور شاعر جلاوطنی کے زمانہ میں رہتا تھا۔ اس پر بھی کتبہ لگا ہوا ہے۔ شہر برسیلز کی آبادی میں سے پانی کی دو ایک نہریں بہتی ہیں جن کے ذریعہ جہازیں برسیلز سے فرانس تک جا سکتے ہیں۔ میں نے اس شہر کے جن حصوں کو دیکھا اس سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ شہر ایمسٹرڈم سے زیادہ وسیع اور زیادہ شاندار ہے۔ تجارت و حرفت بھی بڑھی ہوئی ہے اور لوگ زیادہ خوش حال ہیں۔ آبادی سوا آٹھ لاکھ ہے۔ آج ہم نے دو نادر نایاب عمارتیں

برسلز میں دیکھیں۔ ایک عمارت چینی طرز کے پگوڈا کی ہے جو خالص لکڑی کی ہے
اس میں عجائب خانہ ہے۔ اس سے متصل ایک اور عمارت بالکل جاپانی طرز کی ہے
وہ بھی لکڑی کی ہے۔ باہر سے اس پر بہت خوبصورت کام لکڑی میں کندہ ہے
اندر جانے کے لئے دو فرانک کا ٹکٹ مقرر ہے۔ جاپانی طرز کا چینی کا سامان
اور فرنیچر رکھا گیا ہے۔ آئینوں پر جو رنگین کام کیا گیا ہے وہ قابل
دید ہے۔

جس طرح ایمسٹرڈم میں شہر سے باہر راستوں سے متصل سیکل سواروں
کے لیئے علحدہ راستے ہیں برسلیز میں بھی اسی قسم کے راستے موجود ہیں۔
اگرچہ یہاں سیکلیں اس کثرت سے نہیں ہیں جیسی کہ ایمسٹرڈم میں ہیں۔ رات میں روشنی
وسیع پیمانہ پر ہوتی ہے بالخصوص ہماری ہوٹل کے سامنے کا وسیع مربع میدان
جس کے اطراف دوسری ہوٹلیں اور شاپیں رات میں بقعۂ نور بنا رہتا ہے۔
سفید اور سُرخ حرکت کرنے والی روشنی بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ موزوں
مقامات پر بہت وسیع مربع میدان یا گول حلقہ کھلا رکھا گیا ہے۔ جس سے
نہ صرف موٹر کاروں کے ٹھیرانے میں سہولت ہے بلکہ شہر کی خوبصورتی
بھی بڑھ گئی ہے۔ راستوں کی چوڑائی۔ ان کا سیدھا پن جا بجا مربع اور
مدور اراضی کا کھلا رکھا جانا اور عمارتوں کی تعمیر کا سلیقہ بتلا رہا ہے کہ نہ فقط
اس شہر کو ایک معینہ اور غور کردہ خاکہ کے بموجب بسایا گیا ہے۔ بلکہ توسیع
میں بھی اسے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

یکشنبہ۔ ۱۸۔ اگسٹ | صبح نو بجے ہم ٹورسٹ کار میں جس کا ٹکٹ

کل شب ہی میں خرید لیا گیا تھا ان غاروں اور بستیاروں کو دیکھنے گئے۔ جو لاگروٹے دی ہان کے نام سے مشہور ہیں اور جو دنیا کے عجائبات میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ غار برسلیز کے جنوبی حصہ ملک میں دارالخلافہ سے تقریباً (۶۰) میل دور واقع ہیں۔ برسلیز کے شہر سے باہر نکلتے ہی راستہ کے دونوں جانب کئی میل تک نہایت خوبصورت شاداب اور سلیقہ سے لگائے ہوئے جنگل ملتے ہیں۔ تقریباً دوسو فٹ چوڑی سڑکیں ان جنگلوں میں ڈالی گئی ہیں۔ موٹروں کے لیئے ایک طرفہ آمدورفت کی وسیع دو سڑکوں کے علاوہ سیکل رانوں کیلئے درمیان میں راستہ اور بڑی سڑکوں کے بازو پیدل چلنے کے راستے ہیں۔ ان چاروں راستوں کے بازو سلسلہ وار درخت ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک باغ میں سے گزر رہے ہیں۔ تقریباً (۱۵) میل کے بعد پہاڑوں کا سلسلہ دونوں جانب شروع ہوتا ہے۔ پہاڑوں پر سرسبز جنگل اور جابجا چھوٹی بڑی بستیاں نہایت دلاویز معلوم ہوتی ہیں جس راستہ سے ہم گئے اسی پر تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے چھوٹے بڑے گاؤں ہیں۔ سڑک سے متصل جو مکانات ہیں بالعموم ان کے آگے جیسا کہ انگلینڈ کے علاقہ میں دیکھا جاتا ہے چمن نہیں ہے البتہ بازو میں یا عقب میں باغ یا چمن ضرور ہے۔ اکثر گاؤں سڑک سے ہٹ کر ایک میل یا دو میل کے فاصلہ پر واقع ہیں جو کافی بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ آج علاوہ ان بکروں کے جو دنبہ کی شکل کے ہیں اور جو بہت فربہ ہوتے ہیں بعض مکانات کے احاطوں میں چھیلی کی قسم کی بکریاں نظر آئیں۔ جو ہندوستان کی بکریوں سے ذرا بڑی ہیں مگر وضع قطع بالکل ویسی ہے۔

کاشتکاروں کے گھروں کے اطراف اکثر سفید مرغیاں نظر آئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں زیادہ تر سفید نسل کی مرغیاں پالی جاتی ہیں۔ بعض بڑے قصبات بھی ملے جن میں کئی کئی منزلہ پختہ مکانات وسیع سڑکیں ہمہ قسم کے سامان کی بڑی بڑی دکانیں موجود ہیں۔ ان بستیوں کا مقابلہ ہمارے ہاں کے صوبہ کے مستقر بھی نہیں کر سکتے۔ آج اتوار تھا اس لیئے بڑی بڑی بستیوں سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ مرد، عورت ہاتوں میں بائیبل لیئے ہوئے جارہے تھے یا واپس ہورہے تھے۔ مجھے اس وقت علامہ اقبال کا جواب شکوہ یاد آیا جس میں انھوں نے فرمایا ہے ؎

زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا، تو غریب
جاکے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا، تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی ہمارا، تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی تمہارا، تو غریب

اُمرا نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

یوُرپ میں میرا مشاہدہ یہ ہے کہ صرف دیہاتوں ہی میں لوگ خدا کی عبادت کی طرف مائل ہیں۔ شہروں کے رہنے والے ہر ہفتہ اتوار کی تعطیل کا انتظار اس لیئے نہیں کرتے کہ اس روز خانہ خدا میں جاکر عبادت کریں بلکہ ہفتہ کے دن صبح ہی سے سارا خاندان اس تیاری میں رہتا ہے کہ ویک اینڈ یعنے ہفتہ کا آخری حصہ کس مقام پر کس طرح منایا جائے گا۔

آج راستہ میں تقریباً (۲۵) یا (۳۰) سیکل سوار ملے جو مختلف رنگوں کے لباس میں سینوں اور پشت پر نمبر لگائے ہوئے تھے۔ اور سیکلوں کی دوڑ ہورہی تھی۔ سارا راستہ روکے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے لوگ کئی موٹر کاروں میں دوڑ کر دیکھ رہے

تھے۔ دو ایک میل تک ہماری موٹر کار بھی ان کے پیچھے جاتی رہی۔ اس کے بعد ہم دوسرے راستہ کی طرف مڑ گئے۔ اس لئے دوڑ کے نتیجہ کو دیکھ نہ سکے۔ دن کے (۱۲) بجے ہم اس موضع کو پہنچے جہاں ہیان کے غار واقع ہیں۔ تقریباً دو سو سیر بین مختلف موٹر بسوں میں آئے تھے۔ سبھوں نے پہلے اس موضع کے ایک رسٹوران میں دوپہر کا کھانا کھایا جس کے بعد سیر کرنے والوں کو ٹرام پر سوار کرایا گیا کیونکہ پہاڑ پر جانے کا صرف ٹرام ہی کا راستہ ہے۔ پہاڑوں پر جب ٹرام کار خراماں خراماں چڑھتی ہے تو نیچے کے میدانوں کا دلفریب منظر نظر آتا ہے۔ تقریباً تین میل طے کرنے کے بعد پہاڑ کے ایک دھانہ کے قریب ٹرام کار رک گئی۔ یہاں سے دو تین رہبر مسافروں کو پہاڑ کے ڈھلوان راستوں پر سے نیچے لیجاتے ہیں۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچنے کے بعد ایک دہانہ میں سے زمین کے اندر ڈھلوان راستہ جاتا ہے۔ زمین کے شکم میں اترتے ہوئے ایسے عجیب مناظر دکھائی دیتے ہیں کہ الفاظ میں ان کی تصویر نہیں کھینچی جاسکتی راستوں میں جابجا بجلی کے گولے لگے ہوئے ہیں۔ راستہ ٹیڑھا بانکا ہے۔ اور سطح بھی ناہموار ہے راستہ کی چوڑائی کہیں چھ سات فٹ ہے تو کہیں (۳۰) فٹ چھتیں بھی کہیں کہیں چھ فٹ اونچی ہیں تو کہیں (۴۳) فٹ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس پہاڑ کے اندر ابتداء میں کوئی خلاء تھا۔ پانی کے ٹپکنے سے اندر سے زمین کھوکلی ہوتی گئی اور مختلف شکل کے راستے اور ہال اس میں خود بخود پیدا ہوتے گئے۔ پتھر نرم قسم کا ہونے سے پانی کے قطروں سے اس طرح گھس گیا ہے کہ نرم حصے بہہ گئے ہیں۔ اور سخت حصوں کی شکل عجیب و غریب ہو گئی ہے۔ بعض حصے ایسے منقوش ہو گئے ہیں کہ جیسے بھٹے پر دانے ہوتے ہیں۔

یا گولر کے درخت پر گولر۔ بعض مقامات پر نرم پتھر اس طرح بہہ گیا ہے کہ سخت پتھر کے چھوٹے بڑے کھونٹے اکھڑے رہ گئے ہیں۔ چھت کا یہ حال ہے کہ کہیں بالکل صاف ہے تو کہیں اس میں سے پتھر کے چھوٹے بڑے جھالر لٹکتے ہوتے ہیں جیسے بڑھ کے درخت کی پارمبیاں نیچے کی طرف لٹکتی رہتی ہیں۔ بعض جگہوں پر پتھر کے اس قدر باریک ریشے لٹک رہے ہیں کہ موٹی سیویاں معلوم ہوتی ہیں۔ کہیں اتنا بڑا خلاء ہے کہ کئی سو فیٹ لمبا گول یا کسی اور شکل کا ہال بن گیا ہے، ایک ہال کی چھت کے ایک حصہ میں کنول کے پھول کی شکل کا پتھر لٹک رہا ہے۔ چھت کے بعض حصے ایسے ہیں کہ گویا باریک کاغذ یا کپڑا اٹکا ہوا ہے۔ ہم چوٹی سے تقریباً (۵۰۰) فٹ نیچے زمین کے شکم میں مختلف گہرائیوں کے لانبے اور چوڑے خلاء میں سے گزر رہے تھے جو کثرت سے اور مسلسل ہیں۔ تقریباً (۲) میل کا راستہ ان عجائبات کو دیکھنے میں طے کیا گیا۔ بعض مقامات میں پانی جمع ہو کر چھوٹے کنٹے بن گئے ہیں ایک حصہ میں پانی کا بڑا نالہ تقریباً (۲۰) فٹ چوڑا بہہ رہا ہے۔ ایک مقام پہ تقریباً (۵۰۰) فٹ اونچا اور (۷۰۰) فٹ چوڑا خلاء ہے۔ اس خلاء میں دو سو فٹ سے زیادہ بلند ایک پہاڑی ہے اس پہاڑی کی چوٹی سے بھی کئی سو فیٹ اونچی زمین کی چھت ہے۔ بجلی کی روشنی میں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک اور آسمان زمین کے اندر ہے۔ ایک رہبر نے اس پہاڑی پر چڑھ کر روشنی جلائی، نیچے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اندھیری رات میں ایک بلند پہاڑی پر ایک شعلہ جل رہا ہے۔ ایک اور بڑا خلاء تقریباً دو سو فٹ چوڑا اور ساٹھ فیٹ اونچا ہے جس میں ایک گہرا نالہ

بہتا ہے۔ اس نالہ کے کنارے سے اونچی سطح پر دو تین سو کرسیاں اور میزیں بچھی ہوئی تھیں جہاں کافی فروخت ہوتی ہے۔ سیر بینوں نے یہاں بیٹھ کر کافی پی۔ بغیر شکر اور دودھ کے کافی دی جارہی تھی اس لیئے میں نے نہیں پی۔ اس وقت میں سوچتا رہا کہ کرۂ زمین کے ایک ذرّہ برابر حصہ کے اندر جانے سے یہ نادر العقول مناظر نظر آرہے ہیں تو انگریزی زبان کے فقرہ کے مطابق ' زمین کی آنتوں کی اور گہرائیوں میں جانے سے کیا کیا کائنات نہ ملے گی۔ اور آیا اس کو دیکھنے کی تاب انسان لا بھی سکے گا یا نہیں ؟ چائے سے فارغ ہونے کے بعد ہم نیچے اُتر کر نالہ کے کنارے گئے۔ جہاں متعدد بڑی بڑی کشتیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ایک ایک کشتی میں جسے ڈوئی سے چلایا جارہا تھا تقریباً (۵۰) اشخاص سوار ہوئے۔ بالکل اندھیرے بھنیارے میں سے تقریباً دس پندرہ منٹ تک کشتیاں چلتی رہیں جس کے بعد یکایک سامنے اودی روشنی اور جھاڑ اور پل نمودار ہوئے۔ میں نے سمجھا کہ زمین کے اندر کوئی سینما کا پردہ لگا کر یہ سین دکھلایا جارہا ہے۔ دو سکنڈ کے بعد کشتی جب غار سے باہر نکلی تو معلوم ہوا کہ ہم زمین کے اوپر آ گئے ہیں۔ اور جو منظر ہم نے دیکھا وہ یہی تھا۔ یہ سماں ہمیشہ یاد رہے گا کیونکہ آن واحد میں خدا کی قدرت کے دو جلوے دیکھے۔ ایک شکم زمین کے اندر دوسرا زمین سے باہر۔ العظمۃ للّٰہ۔

غاروں کی سیر کے بعد اسی ہوٹل میں آئے جہاں بارہ بجے کھانا کھایا تھا۔ یہاں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہماری میز سے قریب بعض عورتیں

کھانا کھارہی تھیں۔ ان میں سے ایک پر راجہ پنالعل جی کی نظر پڑی۔ انھوں نے کہاکہ یہ عجیب عورت معلوم ہوتی ہے۔ میں نے دیکھ کر کہاکہ یہ جیسی عورت ہوگی کیونکہ ہاتھ میں ریشم کا فیتہ باندھی ہوئی ہے۔ سر کے بالوں پر بھی ریشم کے فیتہ کی ٹائی ہے۔ کان میں بڑے بڑے آویزے لٹک رہے ہیں۔ اور لہنگا بھی لمباڑنیوں کا سا ہے۔ مگر غور سے اس کو دیکھنے سے پایا گیا کہ موچھ اور داڑھی منڈی ہوئی ہیں۔ خیال ہوا کہ یہ مخنث ہے۔ ساتھ ہی دوسری میز پر دیکھا کہ پانچ یا چھ عورتیں سرخ کاغذ کی ٹوپیاں پہنے جن پر چھوٹا مسالہ اور طرہ لگا ہے کھانا کھارہی ہیں۔ ان کو دیکھ کر خیال ہوا کہ یہ سب لوگ کسی کھیل کے لیئے روپ بنائے ہیں کیونکہ کسی مخنث کو زنانہ ملبوس میں رہنے کی قانوناً ممانعت ہے۔ سیر کرنیوالوں کو واپسی میں دوسرے راستہ سے لایا گیا۔ کئی بڑے شہر ملے مگر قابل ذکر دیناان ہے۔ جو لیستی ندی اور میوس ندیوں پر واقع ہے۔ ندی کے کنارے بڑی دور تک خوبصورت بنگلے اور رسٹوران ہیں جہاں سے کشتی رانی کا اچھا نظارہ ملتا ہے۔ پہاڑ کا ایک حصہ بالکل بستی سے لگا ہوا ہے جس پر ایک زبردست قلعہ ہے۔ دیناان سے تھوڑی دور آگے ریویر کی بستی ہے جو سانبر ندی پر واقع ہے۔ اس کے دونوں جانب اونچے اونچے پہاڑ میلوں چلے گئے ہیں پہاڑوں کے دامن میں اور ان کی چوٹیوں پر نہایت خوبصورت بنگلے بنے ہوئے ہیں۔ ایسا دلفریب نظارہ کم دیکھنے میں آیا۔ میرا خیال ہے کہ جس طرح لیک ڈسٹرکٹ مناظر کے لحاظ سے انگلینڈ میں بے نظیر ہے برسلیز کا یہ مغربی حصہ اپنا جواب نہیں رکھتا۔ قدرت کا حسن یہاں نکھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

شام کے ساڑھے نو بجے ہم برسیلز واپس ہوئے۔ برسیلز اور بلجیم کی دوسری بستیوں میں میں نے دیکھا کہ کثرت سے ہوٹل اور رسٹوران ہیں۔ ان کی یہ کثرت ایمسٹرڈم میں نہیں دیکھی گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگ اپنے گھروں میں کھانا نہیں کھاتے بلکہ ہوٹلوں ہی میں کھاتے ہیں ورنہ باہر کے مسافروں کے لیئے اتنی تعداد میں ان کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

ایمسٹرڈم اور برسیلز کے جن شہروں۔ اسٹیشنوں اور بستیوں میں سے ہم گزرے ہم نے دیکھا کہ جرمنوں نے کم و بیش ہر آبادی پر بم گرائے اور مکانات کو نقصان پہنچایا مگر کہیں بھی پندرہ بیس فیصدی سے بڑھ کر صدمہ نہیں دکھائی دیا۔ شہر برسیلز میں میں نے دو موقعوں پر دیکھا کہ ٹھیلہ میں دو بڑے کتوں کو جوتا گیا ہے۔ آدمی ٹھیلے کے ڈنڈلوں کو صرف سنبھالا رہتا ہے اور کتے اسے کھینچتے ہیں۔ یہ ٹھیلے چھوٹے تھے۔ قاہرہ میں میں نے چھوٹی گاڑیوں میں گدھوں کو بھی استعمال ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہندوستان میں اس جانور کو صرف دھوبی کپڑے لادنے کے لیئے یا اینٹ بیچنے والے تھیلوں میں اینٹ بھر کر ان کی پیٹ پر لادتے ہیں اور اس قدر بے دردی سے ان پر بوجھ لادا جاتا ہے کہ یہ ٹیڑھے یا پھر جاتے ہیں۔ اگر انہیں اچھی خوراک دیجائے تو ان سے بار کھینچنے کا کام عمدگی سے لیا جاسکتا ہے۔

دو شنبہ ۱۹۔ اگسٹ | صبح سے خوب دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ ۹ بجے کے بعد ہم ریلوے اسٹیشن گئے اور دس بجے کی گاڑی میں پیارس کے لیئے روانہ ہوئے۔ بلجیم کے افسران کسٹم نے ڈبہ میں آ کر

سرسری طور پر سامان کی تفتیش کی جس وقت گاڑی ویڑھ گھنٹہ کے بعد فیناٹس کے اسٹیشن پر پہنچی تو تمام مسافروں کو سامان اور پاسپورٹ کا معائنہ اسٹیشن کے ایک ہال میں کرانا پڑا۔ فرانسیسی افسر اس کام کو انجام دے رہے تھے بالکل سرسری طور پر سامان دیکھ کر جانے کی اجازت دیدی گئی اور ہم اپنے ڈبے میں واپس آئے۔ بلجیم کی سرحد پار کرلے کے بعد فرانس کے علاقہ میں سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ گاؤں بہت بے ترتیب ہیں۔ کوئی رونق دیہاتی بستیوں میں نہیں دیکھی گئی۔ بنڈی کے کچے راستے جا بجا نظر آئے۔ بعض راستے ہندوستان کے بنڈی کے راستوں سے کسی طرح بہتر نہیں ہیں۔ گائے اور بکریاں انگلینڈ کے مویشیوں سے مشابہ ہیں۔ چھیلیاں بھی دکھائی دیں۔ ایک گاؤں میں بنڈی اور ناگر میں بیلوں کو جتے ہوئے دیکھا۔ اس سے پہلے یوروپ کے کسی اور مقام پر بیلوں سے یہ کام لیتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ سین ندی ریل کی پٹریوں کے ساتھ ساتھ بہتی ہوئی دکھائی دی مگر کہیں بھی اس کے کنارے پر خوبصورت بستیاں یا چمن یا مکانات نظر نہیں آئے۔ بھدّے قسم کے گاؤں کے مکان کہیں کہیں موجود ہیں۔ اس قسم کے موقعوں سے انگلینڈ ہالینڈ اور بلجیم میں پورا پورا فائدہ اُٹھایا گیا ہے جہاں تفریح کے لیئے راستے۔ چمن۔ کشتی رانی کے مقامات رسٹوران اور ہوٹلیں بنائی گئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرانس میں دیہاتی زندگی کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے۔ اور کاشتکاروں کا معیار زندگی پست ہے۔ ہماری گھڑیوں کے لحاظ سے تین بجے اور پیارس کی گھڑیوں کے لحاظ سے چار بجے سہ پہر میں

ہم پیرس پہنچے۔ پیرس کے اسٹیشن سے شہر کا جو پچھلا حصہ نظر آتا ہے وہ بہت خراب ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی قدیم اور ویران بستی ہے۔ راستہ میں ہر اسٹیشن پر ریل کے انجن اور مال کے ڈبے تباہ اور تاراج حالت میں دیکھے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جرمنوں نے اپنے قبضہ کے زمانہ میں بہت بے دردی سے اس ملک کے وسائل کو استعمال کر کے تباہ کر دیا۔ اسٹیشن پر حمال کھادی کے نیلے کپڑوں میں تھے۔ جو پھٹے ہوئے پیوند دار تھے۔ اس سے یہاں کے ادنیٰ طبقہ کی خستہ حالی ظاہر ہوتی ہے۔ پیٹرزبرگ ہوٹل میں تھامس کک نے ہمارے ٹھیرنے کا انتظام کیا تھا۔ یہ بہت معمولی قسم کا ہوٹل تھا۔ اس لیئے راجہ بنالعل جی اور میں نے فوراً تصفیہ کیا کہ کسی اچھے آرام دہ ہوٹل میں جلد سے جلد منتقل ہو جانا چاہیئے۔ انگلینڈ میں دو مہینے تک موٹر کاروں کے ہارن سنائی نہیں دیئے تھے۔ یوروپ میں داخل ہوتے ہی ان کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ پیرس میں تو پولس کی سیٹیوں کا بھی اضافہ ہو گیا۔ پیارس کی پولس سیاہ وردی اور چپٹی ٹوپی پہنتی ہے۔ ہاتھ میں بالکل اسی قسم کا ڈنڈا (جس پر سفیدہ لگا ہوا ہے) رہتا ہے جو حیدرآباد کی پولس کے کمر کے پیچھے لٹکا رہتا ہے۔ موٹروں کے آتے جاتے وقت بار بار سیٹی بجائی جاتی ہے جو ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ یہاں کے راستے نہایت وسیع اور سیدھے ہیں۔ شانزلیزے کی سڑک تقریباً دو سو فیٹ چوڑی ہے جو چار حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ دو پیدل چلنے کے وسیع راستے اور دو یکطرفہ راستے موٹر کاروں کی آمد و رفت کے لیئے بنائے گئے ہیں۔ پیدل راستوں سے متصل چھوٹی چھوٹی کھاونوں

اور دوسرے سامان کی عارضی دکانیں لگی ہوئی ہیں۔ کچھ کھیل تماشوں کے اسٹال بھی موجود ہیں۔ ایمسٹرڈم اور برسیلز کی طرح ہوٹلوں اور رسٹوران کے باہر پیدل راستے پر میز اور کرسیاں بچھائی جاتی ہیں اور ہزار ہا آدمی یہاں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔ شب کے کھانے کے بعد ہم خالی برجے تھیٹر گئے جس کے متعلق اکثر احباب سے سنا تھا کہ پیرس کے ناچ کا قابل دید مرکز ہے۔ ہم نصف گھنٹہ دیر سے پہنچے۔ تمام نشستیں بھر گئی تھیں لارڈ میئر جنہوں نے اپنے لیئے دو نشستیں محفوظ کرائی تھیں نہیں آئے تھے اس لیئے یہ دو سیٹ ہمیں دید یئے گئے (۱۳۵) فرانک کا ٹکٹ ہے۔ (ایک انگریزی پونڈ کے (۴۸۰) فرانک ہوتے ہیں) اس تھیٹر میں قابل دید دو چیزیں ہیں ایک تو لباس جو ہر کھیل کے موقع کے لحاظ سے ایکٹر پہنتے ہیں۔ دوسری اداکاری ایک چیز جو ناقابل دید ہے وہ جسم کی عُریانی ہے جبکہ بعض مواقع پر اداکار صرف ایک لنگوٹی میں اسٹیج پر آتے ہیں۔ واپسی میں ٹکسی موٹر کار نہ ملنے کی وجہ سے ہم کرایہ کی وکٹوریہ فٹن میں آئے۔ اس وقت تک یورپ کے جن دارالخلافہ شہروں کو ہم نے دیکھا گھوڑے کی کرایہ کی گاڑیاں سوائے پیرس کے کہیں اور نظر نہیں آئیں۔ ٹکسی فٹن کو لوہے کے پٹے تھے۔ اسی ایک مثال سے یہاں کی تاراجی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے پیرس میں اس وقت ایک افلاس کا عالم ہے۔ کل شام میں جس وقت ہم اپنے ہوٹل کے کھانے کے کمرے میں چائے پینے گئے تو دودھ ندارد۔ کہا گیا کہ یہاں دودھ کی قلت ہے جو کچھ ملتا ہے وہ بچوں کے لیئے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔

سہ شنبہ ۲۰ اگست

صبح دس بجے مسٹر سوشیل جاویری مسٹر سوتاریہ کو ساتھ لیکر جو بمبئی کے باشندے ہیں اور پیارس میں (۴۵) سال سے مقیم ہیں کسی اچھی ہوٹل کی تلاش میں گئے۔ دن کے بارہ بجے ہم نے اپنا سامان پلیس دی پیرا مید ریجنا ہوٹل میں منتقل کر دیا۔ یہ ہوٹل پچھلے ہوٹل سے بدرجہا بہتر ہے۔ پیرس میں آج کل اکیس (۲۱) اقوام کے نمایندوں کی صلح کانفرنس ہو رہی ہے اس لیئے اول درجہ کے تمام ہوٹل بھرے ہوئے ہیں۔ جس نئے ہوٹل میں ہم آج آئے اس کے بالکل سامنے گھوڑے پر جون آف آرک کا مجسمہ ہے۔ جس نے فرنچ فوج کی کمان لے کر سولھویں صدی میں انگریزی فوجوں سے جنگ کی تھی۔ اس عورت کو جس کی عمر (۱۹) سال کی تھی ایک مذہبی حیثیت دی گئی ہے۔ اور اس کی کئی یادگاریں پیارس میں قائم کی گئی ہیں گرجاؤں میں بھی اس کے مجسّمے نصب ہیں۔

سہ پہر میں (۴½) بجے ہم مسٹر سوتاریہ کے ساتھ پیارس کے تاریخی اور قابل دید مقامات دیکھنے گئے دنیا کا مشہور و معروف ایفل ٹاور شہر کے ایک جانب وسیع میدان میں واقع ہے لوہے کا بنا ہوا ہے۔ تین ہزار کیلو میٹر یعنے ۱۰۰۰ فیٹ بلند ہے۔ یہ مینار چار لوہے کی کمانوں پر جو غالباً دو سو فیٹ چوڑی ہوں گی کھڑا کیا گیا ہے۔ اوپر جانے کے لیئے بجلی کے لفٹ لگے ہوئے ہیں جس میں لوگوں کو بٹھا کر لیجایا جاتا ہے۔ ٹاور پر تین مرحلے ہیں پہلے مرحلہ تک جانے کا ٹکٹ (۲۵) فرانک۔ دوسرے مرحلہ کا (۵۰) فرانک اور تیسرے مرحلہ کا (۷۵) فرانک ہے۔ راجہ پنا لعل جی اور

مسٹر جاویری اس پر گئے میں منارے کے اطراف کے وسیع میدانوں میں پھرتا رہا۔

آج پیرس کے جن حصوں کو دیکھنے کا موقع ملا اس سے اس امر کا اندازہ ہوا کہ اس شہر کا خاکہ بڑی وسیع النظری سے ڈالا گیا ہے۔ ہر جگہ وسیع میدان چوکونی حصے جسے اسکوائر کہتے ہیں اور گول وسیع جیسے چوراستوں کے درمیان بکثرت موجود ہیں۔ پلیس دی کنکارڈ میں اتنا بڑا اسکوائر چھوڑا گیا ہے کہ دنیا کے کسی شہر میں اتنا بڑا چوگوشہ نہیں ہے۔ بعض سڑکیں دو سو فیٹ چوڑی اور دوسری تمام سڑکیں بھی بہت چوڑی اور سیدھی ہیں۔ شانزالیزے اور بولیوا یہاں کے بہت بڑے بازار ہیں۔ ایک وسیع باغ میں اس عمارت کا عقبی حصہ ہے جسمیں آج کل صلح کی کانفرنس کے اجلاس ہو رہے ہیں۔ میونسپالٹی کی عمارت نہایت شاندار اور وسیع ہے۔ اس کے قریب نوٹرڈیم کا مشہور گرجا واقع ہے۔ بازو سے سین ندی بہتی ہے۔ چیمبر آف ڈیپوٹیز یعنی پارلیمان کی عمارت ہائی کورٹ اور دوسری عدالتوں کی عمارات بھی اسی حصہ میں ہیں۔

شہر کے ایک جانب پہاڑی پر ایک بہت ہی قدیم گرجا ہے یہاں سے پیارس شہر کے ایک حصہ کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ خوبصورتی اور وسعت کے لحاظ سے پیارس لندن سے کہیں زیادہ شاندار ہے۔ صحیح معنوں میں پیارس دنیا کا عروس البلاد کہلانے کا مستحق ہے۔ راستوں پر لوگوں کی وہ کثرت نہیں ہے جو لندن میں دکھائی دیتی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ جنگ میں کثرت سے لوگ مارے گئے ہیں اس لیئے آبادی میں کمی ہو گئی ہے یا یہ کہ پیارس

اپنے عروج کو پہنچ کر اب زوال کی جانب جا رہا ہے. جیسا کہ اس سے پہلے دنیا کے بعض بڑے شہروں کا حشر ہوا۔ اس خیال کو میں نے یہاں کے ایک باشندے پر ظاہر کر کے جو انگریزی جانتے ہیں تصدیق چاہی میں نے کہا کہ اس شہر کی آبادی جو پچاس ساٹھ لاکھ بیان کی جاتی ہے شہر کی وسعت کے لحاظ سے بہت ہی کم ہے۔ کم از کم کروڑ ڈیڑھ کروڑ ہونی چاہیئے تھی۔ کیونکہ لندن جسکی وسعت پیارس کے مقابلہ میں کم ہے اس کی آبادی (۸۰) لاکھ ہے انھوں نے کہا کہ لندن میں کثرت سے کارخانے ہیں جہاں کام کرنے کیلئے مضافات سے روزانہ ٹرینوں اور بسوں وغیرہ میں لوگ صبح میں آجاتے ہیں اس کی وجہ سے دن میں وہاں لوگوں کی بے انتہا کثرت رہتی ہے۔ شام میں کارخانے اور دفاتر بند ہو گئے ہیں تو یہ سب لندن سے واپس چلے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس پیارس کے شہر میں کارخانے زیادہ نہیں ہیں اور جو لوگ مستقل طور پر رہتے ہیں وہی ہر وقت نظر آتے ہیں۔ مجھے یہ بات معقول معلوم ہوئی۔ فرانس کے دیہات کی پس ماندہ حالت سے متعلق جس کا ذکر میں نے پہلے کیا ہے انھوں نے کہا کہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد سے یہاں کوئی مستقل حکومت قائم نہ ہو سکی ہر وقت جماعت بندی کے جھگڑے ہوتے رہے جس کی وجہ سے کسی حکومت نے بھی مستقل منصوبہ کو سامنے رکھ کر کام نہیں کیا اسی لیئے ملک کی حالت میں انحطاط پیدا ہوتا گیا۔ کمیونسٹ پارٹی بتدریج قوت پکڑ رہی ہے اور توقع ہے کہ مستقبل قریب میں ایک قومی جمہوریت یہاں قائم ہو کر حالات کی اصلاح ہو جائے گی۔ آج شام میں ہم نے دوسرے

وہ عمارت بھی دیکھی جس میں نپولین مدفون ہے۔ یہ ایک وسیع اور بلند عمارت ہے جس پر بڑا سنہری قبہ ہے میں نے یہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ اس مدفن کو چھوڑ کر میں نے پیارس میں نپولین کا مجسمہ کہیں نہیں دیکھا اس کی کیا وجہ ہے بیان کیا گیا کہ جمہوریت پسند لوگوں میں اور حکمرانوں میں یہاں سخت اختلاف رہا ہے جنرل ڈیگال جنکا مسلک جمہوری نہیں ہے۔ انھیں بھی اب یہاں کے جمہوریت پسند لوگوں کی تائید حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ وہ حکومت سے بے دخل کر دیئے گئے ہیں۔

رات میں ہم نے میاکسول رسٹوران میں کھانا کھایا کیونکہ پیارس کی ہوٹلوں میں صرف رہائش اور صبح کے ناشتہ کا انتظام ہے بجز چند ہوٹلوں کے جو انگریزی طرز پر چلائی جاتی ہیں میاکسول رسٹوران میں ایک بلند شہ نشین پر آٹھ عورتیں مختلف باجے بجا رہی تھیں اور باری باری سے گا بھی رہی تھی۔ پیارس کی راتیں دوسرے یوروپی ممالک کے مقابلہ میں اب بھی بہت جگمگاتی رہتی ہیں۔ میں نے ایک صاحب سے فالی برجے اور اس قسم کے دوسرے مقامات کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار کیا جس کے جواب میں انھوں نے وضاحت کی کہ فطرتہً پیارس کے باشندے نفاست پسند اور آرٹ اور فنون لطیفہ کے دلدادہ ہیں چنانچہ یہاں کی خاص صنعتوں میں۔ عطر سینٹ۔ نفیس کانچ کا سامان۔ نفیس ریشم اور مخمل کے لباس کو بہت زیادہ اہمیت ہے۔ ناچ گھروں میں عریانی کا منشایہ نہیں ہے کہ لوگ اس سے حیوانی حظ نفس حاصل کریں چونکہ انسان خدا کی بہترین مخلوق ہے اس لیئے اسکے

جسم کی ساخت کا مظاہرہ ایک آرٹ کے طور پر کیا جاتا ہے۔

پیارس کا کھانا بہت لذیذ ہوتا ہے فرنچ باورچی یوروپ میں اچھے پکانے والے تصور کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ لندن کی بڑی ہوٹلوں میں سوئز یا فرنچ باورچی رکھے جاتے ہیں۔ سیوائے ہوٹل کا ہیڈ ویٹر سوئز ہے اور دوسرے کھانا کھلانے والے ملازم بھی فرنچ ہیں۔ فرانس میں روٹی کے رول ایک ہاتھ لانبے اور ڈھائی انچ موٹے بنتے ہیں۔ جن کے چھوٹے ٹکڑے کاٹ کر دئیے جاتے ہیں۔ ڈبل روٹی یہاں اور لندن وغیرہ میں ہندوستان کی روٹی کے جیسی مگر ذرا بڑی بنتی ہے۔ انگلینڈ سے باہر یوروپ میں میں نے انعام دینے کا طریقہ اس شدت سے رائج نہیں دیکھا جیسا کہ لندن میں ہے اس کے باوجود میں نے دیکھا کہ بعض ہندوستانی یہاں بھی بہت فیاضی سے ٹپ دیتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ جب خود یہاں کے لوگ اس پیمانہ پر ٹپ نہیں دیتے تو ہندوستانیوں کو بھی ان کی تقلید کرنی چاہیے اور حدود اعتدال سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔ جواب ملا کہ زیادہ مقدار میں ٹپ دئیے جائے تو یہاں کے لوگ خوش ہوتے ہیں بعض ہندوستانی اصحاب کو میں نے دیکھا کہ رسٹوران میں اپنے پڑوس میں کمسن بچوں کو دیکھ کر چاکلیٹ خرید کر ویٹر کے ہاتھ روانہ کرتے ہیں اور جس وقت ان کے ماں باپ سر ہلا کر بطور اظہار تشکر مسکراتے ہیں تو ہندوستانی صاحب بہت خوش ہو جاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس قسم کے طرز عمل سے ہندوستانیوں کی نسبت اچھا خیال کرنے کے بجائے لوگ انھیں بیوقوف خیال کرتے ہوں گے۔ یہ مسلم ہے کہ یوروپ کے ممالک کے

مقابلہ میں ہندوستان ایک غریب ملک ہے اور اس کا معیار زندگی سب سے زیادہ پست ہے ہندوستانی اپنا پیسہ اس قسم کی جھوٹی نمائش میں صرف کرنے کے بجائے کسی محتاج کی امداد کریں یا کسی مستحق ادارہ کو رقم دیں تو مستحسن ہوگا۔ مجھے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ سارے یورپین لوگوں کے معیار سے ہٹ کر ہندوستانی اپنی داد و دہش کا بیجا مظاہرہ اس طرح کیا کریں۔ لندن میں انگریزوں کو یہ شکایت کرتے ہوئے سنا کہ امریکی لوگوں نے بڑے پیمانہ پر ٹپ دے کر لندن کے ہوٹل کے ملازمین کی عادتوں کو بگاڑ دیا ہے اور وہ دوسروں سے بھی اس کی توقع کرنے لگے ہیں اگر ٹپ نہ دی جائے تو بے اعتنائی کرتے ہیں۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستانیوں میں میں نے یہ عیب دیکھا کہ دوسروں کی تقلید کرنے میں وہ حدود اعتدال سے بہت تجاوز کر جاتے ہیں جس سے غلامانہ ذہنیت ظاہر ہوتی ہے۔

چہارشنبہ ۲۱۔ اگسٹ | صبح دس بجے ہم وارسائی گئے جو پیارس سے (۱۵) میل ہے۔ یہاں ہم نے اس شاہی محل کو دیکھا جہاں ۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء کی جنگ کے صلحنامہ پر دستخط ہوئے تھے۔ یہ محل ٹیلہ پر واقع ہے۔ اسے اٹھارویں صدی میں لوئی چہاردہم نے تعمیر کیا تھا اس عمارت کے اندر (۱۴۷) قسم کا سنگ مرمر اندر کے کمروں میں استعمال ہوا ہے۔ کمروں کی چھتوں پر مصوری کا بہترین کام ہے دیواروں پر مختلف رنگوں کا سنگ مر لگایا گیا ہے۔ بہت بڑے بڑے ہال اور کمرے ہیں۔ اندر کا صحن بہت وسیع اور خوبصورت ہے۔ ہریالی کے تختوں کے حاشیہ پر رنگ برنگ کے

پھولوں کی کیاریاں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ قالین بچھے ہوئے ہیں۔ چمن سے آگے جہاں تک نظر کام کرتی ہے۔ میدان اور درخت نظر آتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس دنیا کے ایک گوشہ میں یہ محل ہے اور کوئی اور مکان یا بستی کہیں نہیں ہے اس وقت تک انگلینڈ اور براعظم کے بہت سارے محل ہم نے دیکھے مگر یہ نظارہ کسی محل کے چمن میں دکھائی نہیں دیا۔ جس میز پر ورسائی کے معاہدہ صلح پر دستخط ہوئے تھے وہ یہاں محفوظ ہے۔

ورسائی سے واپس ہونے کے بعد مسٹر سوتاریہ کو ساتھ لے کر اس دفتر پر گیا جہاں پیارس سے سامان باہر روانہ کرنے کے لیئے اجازت نامہ حاصل کرنا ہوتا ہے میں نے بعض کانچ کی چیزیں خریدی تھیں اور چاہتا تھا کہ ان کو حیدرآباد روانہ کردوں اس دفتر کو دیکھ کر میں نے محسوس کیا کہ یہاں کے دفاتر میں کوئی اچھی تنظیم نہیں ہے۔ کارکن اگرچہ کہ خلیق ہیں لیکن بہت سُست اور باتونی ہیں۔ دفتر کے کمروں میں اہل غرض اور اہلکاروں میں گھنٹوں بحث مباحثہ ہوتا رہتا ہے اور کام انجام نہیں پاتا۔ ہمارے دو گھنٹے کا غذات کی خانہ پُری میں اور گفتگو میں صرف ہو گئے اور بالآخر کہا گیا کہ دو روز بعد آئیں۔ جب ان سے کہا گیا کہ میں کل پیارس سے جا رہا ہوں تو بڑے افسر سے مل کر اجازت حاصل کرنے کے لیئے کہا گیا۔ بڑے افسر کے کمرے میں اہل غرض گھنٹوں اپنے کاروبار سے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور کئی لوگ باہر منتظر تھے۔ آدھا گھنٹہ یہاں انتظار کرنے کے بعد میں نے مسٹر سوتاریہ سے یہ کہا کہ ان حالات میں میں زیادہ انتظار کرنا مناسب نہیں خیال کرتا لہذا ایسا

اس سامان کو یہاں سے ساتھ لیجا کر سوئٹزرلینڈ سے یا لندن سے ہندوستان
بھیجوں گا۔ اگرچہ کہ اس میں شکست ریخت کا اندیشہ رہے گا اور مجھے کئی ملکوں
میں محصول ادا کرنا ہوگا چنانچہ ہم اپنا سامان یکے بعد دیگرے دکھلانے کے لیئے ساتھ
لائے تھے واپس جارہے تھے کہ مسٹر سوتاریہ نے عملہ والوں سے کہا کہ میں دو
گھنٹے ضائع کرنے اور دس فرانک درخواست کے کاغذ کی خریدی اور تقریباً
تین سو فرانک موٹر کار کے کرایہ پر صرف کرنے کے بعد واپس ہو رہا ہوں لہذا
کچھ امداد کی جائے۔ اس وقت ایک کارکن ہم سے کاغذات لے کر خود
افسر کے کمرہ میں گیا اور دس منٹ میں اجازت لادی ہم نے اس کا شکریہ
ادا کیا اور واپس ہوئے۔ اس قسم کی چیزوں کے مشاہدے کے بعد مجھے
ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مغربی ممالک اپنے بام ترقی کو پہنچنے کے بعد اب
شائد زوال کی طرف جارہے ہیں۔

پنجشنبہ ۲۲۔ اگسٹ صبح دس بجے لوُرا آرٹ گیلری گیا جو دنیا کے مشہور گیالریوں
میں سے ہے۔ جنگ کی وجہ سے صرف ایک چوتھائی گیالری
کھلی تھی۔ بقیہ حصہ میں وہ سامان جو دوران جنگ میں یہاں سے منتقل کر دیا گیا تھا
ابھی جمایا نہیں گیا ہے۔ اس گیلری میں نادر الوجود اشیاء ہیں۔ قدیم بادشاہوں
کا تاج بھی ہے۔ جس میں لاکھوں کی قیمت کے جواہرات جڑے ہوئے ہیں
مصوری کے اعلیٰ شاہکار مجسمے اور سنگ مرمر کی پچیکاری کا میز قابل دید ہیں۔
سہ پہر میں لورا اسٹور گیا جو یہاں کی سب سے بڑی دکان ہے اس کے کئی
منزل ہیں اور ہمہ قسم کا سامان اس میں فروخت ہوتا ہے۔ بجلی سے چلنے والی

کئی سیڑھیاں ہیں۔ اس قسم کی اور بھی دکانیں پیارس میں ہیں۔ مگر انہیں دیکھنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ شام کے (۴ ½) بجے راجہ پنا لعل جی کے اصرار پر کہ مجھے ایفل ٹاور پر چڑھ کر پیارس کا منظر ضرور دیکھنا چاہیئے وہاں گیا اتفاق سے اس وقت کئی سو اشخاص قطار باندھے لفٹ پر جانے کے انتظار میں کھڑے تھے۔ راجہ صاحب اور میں واپس ہو گئے کیونکہ رات کی ریل گاڑی سے جنیوا جانا تھا اور سامان وغیرہ درست کرنا تھا۔ میں نے راجہ صاحب سے کہا کہ یہاں انسان کا ارادہ بے کار ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم اس ارادہ سے آئے تھے کہ ٹاور پر جائیں گے مگر اسباب کچھ ایسے بنے کہ ہم جا نہ سکے۔ اس میں خدا کی کوئی مصلحت ضرور ہوگی انگریزی میں مقولہ ہے "آدمی منصوبے باندھتا ہے مگر فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے"۔ ایفل ٹاور کے ایک جانب ترکادیرو کی عمارت ہے جو اونچائی پر واقع ہے۔ سنہ ۱۹۳۶ء کی نمائش یہاں ہوئی تھی اس وقت اس مقام کی بہت کچھ ترمیم کر کے ایک وسیع چبوترہ اور اس کے نیچے مختلف سطحوں پر سیکڑوں خوبصورت فوارے اور وسیع حوض بنایا گیا ہے، اس حوض کے بیچ میں ایک گائے اور بچھڑے کا مجسمہ ہے اور اطراف میں بھی انسانوں کے مجسمے بنائے گئے ہیں۔ اس مقام سے ایفل ٹاور کا بہت اچھا منظر ملتا ہے۔ یہاں راجہ پنا لعل جی نے ہماری تصویر لی سہ پہر میں ہم نے نپولین کا مسولیم دیکھا جہاں وہ دفن ہے۔ نہایت عالیشان عمارت پر ایک بلند اور بڑا گنبد ہے۔ جس پر سنہری رنگ کیا گیا ہے۔ اس قبہ کے نیچے اندر نپولین کی سنگ مرمر کی قبر ہے اور اس کے اوپر تقریباً

(۲۰) فٹ اونچائی پر اطراف میں گیالری ہے جس پر سے لوگ قبر کو دیکھ سکتے ہیں۔ قبر کے اطراف ستونوں پر مجسمے ہیں جن کے بازوؤں پر کھوٹے لگے ہوئے ہوئے ہیں۔ ان کو فرشتوں سے نامزد کیا جاتا ہے۔ اطراف میں نہایت وسیع کمرے میں جس میں نپولین کے بھائی اور دوسرے نامور فوجی افسروں کی قبریں ہیں۔ قبر کے ہال کے عقب میں ایک عالیشان گرجا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی یہ اپنی وضع کی بہترین عمارت ہے اس میں جانے کے لیئے (۵) فرانک کا ٹکٹ مقرر ہے۔

شام کے (۷ ½) بجے ہم اسٹیشن گئے اور اٹھ بجے کی گاڑی سے جنیوا روانہ ہوئے۔ براعظم کی ریل گاڑیوں میں درجہ اول اور سوم کے بجائے جیساکہ انگلینڈ کی گاڑیوں میں انتظام ہے درجہ اول۔ دوم اور سوم تین درجے ہیں۔ درجہ اول کے ڈبہ میں ہم سفر کر رہے تھے اس کی گلیاری میں اور خود ڈبہ میں قالین کا فرش تھا ہر ڈبہ میں صرف دو مسافروں کو جگہ دی گئی تھی کیونکہ رات بھر سفر کرنا تھا۔ اسکو سلیپر کار کہتے ہیں بیٹھنے کیلئے ایک بڑا مخمل کا صوفہ رہتا ہے جس کی نشست کو رات میں اوپر اٹھاکر اکو دیوال میں اس طرح لگا دیا جاتا ہے کہ ایک پلنگ نیچے اور ایک پلنگ اوپر بن جاتا ہے۔ سیٹ کے نیچے توشکیں تکئے چادر اور بلانکیٹ رہتے ہیں۔ (۹ ½ بجے) ملازم آکر بستر لگا دیتا ہے اور ایک مخمل کی سیڑھی جو سیٹ ہی کے نیچے رہتی ہے۔ اوپر کے پلنگ پر چڑھنے کے لیئے کھڑی کر دیتا ہے۔ ہر ڈبہ میں بند ہونے والا ہاتھ دھونے کا بیسن دو تو ال پانی پینے کے دو گلاس

اور ایک کانچ کی صراحی میں پینے کا پانی مہیا رہتا ہے جسے مسافر رات میں استعمال کرتے ہیں۔ پاخانہ کا علیحدہ کمرہ نہیں ہوتا بلکہ گلیاری کے ختم پر دو تین پاخانے کے کمرے رہتے ہیں۔ ہر ڈبہ میں ریڈیٹر لگا ہوا ہے جسے سردی کے وقت چلایا جاتا ہے تاکہ ڈبہ گرم رہے۔ صبح (۶) بجے سے پہلے ایک ملازم نے دروازہ کھٹکھٹا کر جگا دیا اور کہا کہ بلگراڈ آنے والا ہے۔ جہاں سامان اور پاسپورٹ کی جھڑتی ہو گی۔ مسافر کپڑے پہن کر تیار ہو گئے اور (۶) بجے بلگراڈ کے اسٹیشن پر جو فرانس کے علاقہ کا آخری اسٹیشن ہے سب مسافر اپنا سامان لے کر ایک ہال میں جمع ہو گئے جہاں پاسپورٹ اور سامان کی سرسری تنقیح کر کے ہال ہی میں مسافروں کو روک لیا گیا تاکہ کسٹم کے افسر ڈبوں میں جا کر دیکھ لیں کہ کسی مسافر نے کوئی قابل محصول مال اپنے ڈبہ میں تو نہیں چھوڑا ہے۔ گاڑی کا معائنہ کرنے کے بعد مسافروں کو ہال میں سے جانے کی اجازت دیدی گئی اور ہم پھر ریل میں سوار ہو گئے۔ بلگراڈ اسٹیشن پر اترتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ ہم کسی دوسری دنیا میں آ گئے ہیں۔ ہندوستان سے ۱۳۔ جون کو نکلنے کے بعد مڈیٹرنین یعنی (بحر روم) میں نیلا آسمان نظر آیا تھا اس کے بعد آج صبح کے (۶) بجے ایسا صاف نیلگوں آسمان نظر آیا کہ جی خوش ہو گیا۔ ہوا میں خاص خنکی بلکہ سردی تھی مگر اس سردی سے مختلف تھی جو ہم نے لندن میں یا فرانس میں محسوس کی تھی۔

فرانس کے سرحد سے پار ہوتے وقت پھر مجھے خیال آیا کہ جرمنوں نے اپنے چند سال کے قبضے کے دوران میں اس کو اتنا تاراج کر دیا کہ

ہر طرف افلاس نظر آتا ہے کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کرنے کے لیئے میرا
خیال ہے کہ کم از کم پانچ سال لگیں گے بشرطیکہ اس اثناء میں تیسری عالمگیر
جنگ نہ شروع ہو جائے جس کے آثار پائے جاتے ہیں۔ آج ہی کے اخبارات
میں امریکہ کے (۳۶) گھنٹے کے الٹیمیٹم کی اطلاع شائع ہوئی ہے جو اس نے
یوگوسلاویہ کی حکومت کو بعض امریکن طیاروں کو گرانے اور طیارچیوں کو گرفتار
کرنے کے ضمن میں دیا ہے۔

پیارس کا شہر یوروپ میں سب سے بڑا اور عظیم الشان شہر ہے
میرا خیال ہے کہ اگر کسی قدیم شہر کی آرائش کرنی ہو یا کوئی نیا شہر بسانا ہو تو
پیارس کا بغور معائنہ نہایت ضروری اور مفید ہوگا۔ فرانس کا ذکر ختم کرنے
سے پہلے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یہاں کے لوگ طبعاً آرٹ
کے دلدادہ ہیں اس کی جھلک پیارس کے در و دیوار سے اور خود لوگوں
کی زندگی سے ہویدا ہے۔ جس کثرت سے یہاں مرد عورت کیمرہ لئے ہوئے
مناظر قدرت کے فوٹو لیتے پھرتے ہیں وہ لندن اور دوسرے مقامات میں
نہیں دیکھے گئے۔ یہی آرٹ پرستی پیارس میں بعض خرابیوں کا بھی باعث
ہوئی ہے۔ اور حدود اعتدال سے بڑھ کر عیش و عشرت تک
پہنچ گئی ہے۔

جمعہ ۲۳ اگسٹ

صبح (۶) بجے بلگر اڈ سے روانہ ہو کر ٹھیک (۸) بجے
ہماری ٹرین جینوا پہنچی۔ بلگر اڈ سے لے کر جو فرانس کی جنوبی
سرحد کا آخری اسٹیشن ہے سرسبز اور بلند پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے

جس کے پائین سے رہون ندی بہتی ہے پہاڑوں کے دامن میں مکانات اور کھیتوں کا دلفریب منظر سنیما کے پردے کے طور پر نگاہوں کے سامنے سے گزرتا رہتا ہے یوروپ کے کسی خطہ میں ایسا پر لطف منظر نہیں ملتا۔ جنیوا کے اسٹیشن پر پاسپورٹ اور سامان کا معائنہ کرا کے جس وقت ہم باہر نکلے تو نواب میر نواز جنگ بہادر جو لندن سے کل شام یہاں آچکے تھے ملے ان کے ساتھ ہم پیدل ہوٹل لے برگ گئے یہ ہوٹل لاک لیا جھیل کے سامنے جس پر جینوا کا شہر واقع ہے بنا ہوا ہے۔ اطراف کے پہاڑوں سے جو پانی اور برف پگھل کر بہتی ہے وہ سب اس جھیل میں جمع ہوتا ہے اور رہون ندی کا پانی بھی اسی میں بہہ کر مڈیٹرنین میں مارسیلز کے قریب جاکر سمندر میں گر جاتا ہے اس جھیل کے دو حصہ ہماری ہوٹل کے سامنے ہیں اور ان کے درمیان ایک چھوٹا سا جزیرہ بنا کر اس میں درخت اور سیر کرنے والوں کے لیئے لوہے اور لکڑی کے بنچ اور کرسیاں ڈالے گئے ہیں۔ جھیل میں پلے ہوئے بط اور قاز ہمیشہ تیرتے رہتے ہیں ان کے لیئے بھی جزیرہ کے سرے پر سردی سے بچنے کے لیئے ایک پختہ چھجہ بنا ہوا ہے۔ شہر کا یہ حصہ سارے کا سارا ایک خوشنما باغ معلوم ہوتا ہے۔ بہت سلیقہ سے مکانات اور سڑکیں بنائی گئی ہیں۔ اور جھیل پر کئی جگہ پل بھی بنے ہوئے ہیں اس جھیل میں دخانی جہاز آتے جاتے ہیں ان میں بیٹھ کر سوئزر لینڈ کے بعض مقامات مثلاً لوزان۔ مانترو یا فرانس کی سرحد کے مقام دیویان کو لوگ آتے جاتے ہیں یہاں بھی لوگ کثرت سے سیکل استعمال کرتے ہیں پیدل راستوں کے کنارے ان میں

سیکلوں کے رکھنے کے لیئے کچھ شگاف بنا دیئے گئے ہیں ــــــ جہاں سیکلوں کو رکھ کر لوگ

دکانوں وغیرہ میں جاتے ہیں۔ دُکانوں میں سامان بہت سلیقہ سے جمایا جاتا ہے اس کثرت سے گھڑیوں کی دکانیں ہیں اور اتنے قسم کی گھڑیاں یہاں ملتی ہیں کہ خریدار پریشان ہو جاتا ہے کہ کس قسم کی گھڑی کا انتخاب کرے ایک سے ایک بہتر اور خوبصورت گھڑیاں ہر دکان میں موجود ہیں گھڑی سازی اور سگریٹ لائٹر یہاں کی گھریلو صنعت ہیں۔ میں نے اپنے پروگرام میں یہاں کی گھریلو صنعتوں کا معائنہ بہ طور خاص رکھا ہے۔ شہر چھوٹا ہونے کی وجہ سے کرایہ کی موٹریں لوگ بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ خوبصورت ٹرام کار اور ٹرالی بس یہاں چلتے ہیں۔ بشرہ سے لوگ بہت شریف الطبع اور صلح پسند معلوم ہوتے ہیں۔ اور سادہ مگر ستھرہ لباس پہنتے ہیں۔ جنیوا پہلے بذات خود ایک چھوٹا سا آزاد خطہ تھا۔ چونکہ یہ فرانس کی سرحد سے بالکل ملا ہوا ہے اس لیئے سترھویں صدی کی ابتداء میں فرانسیسیوں نے رات میں اس پر قبضہ کرنا چاہا تھا مگر یہاں کے لوگوں نے جان توڑ لڑائی کر کے فرانسیسیوں کو پسپا کر دیا تھا آج تک ہر سال اس جنگ کی یاد منائی جاتی ہے۔ جنیوا ہی وہ پہلا ملک تھا جہاں سے پروٹسٹنٹ مذہب کی ابتداء ہوئی اور وہ سارے یوروپ میں پھیلایا گیا۔ ریڈکراس (صلیب احمر) کی تحریک کا آغاز بھی یہیں سے ہوا۔ وہ مکان جن میں اس تحریک کے بانیوں نے اجلاس کئے تھے اب تک محفوظ ہے اس شہر کی آبادی ڈیڑھ اور دو لاکھ کے درمیان ہے۔ سوئزرلینڈ میں تین قسم کے لوگ

بستے ہیں شمالی مشرقی حصہ جو اٹلی سے ملا ہوا ہے اس میں اٹالین نسل کے لوگ آباد ہیں۔ اور اٹالین زبان بولتے ہیں۔ شمالی مغربی حصہ جو جرمنی سے ملا ہوا ہے اس میں جرمن نسل کے لوگ رہتے ہیں اور جرمنی زبان استعمال کرتے ہیں۔ جنوبی حصہ فرانس سے ملا ہوا ہے اس میں فرانسیسی نسل کے لوگ آباد ہیں فرانسیسی زبان بولتے ہیں۔ سوئس قوم کی کوئی خاص زبان نہیں ہے ان تینوں نسل کے لوگوں نے اٹھارویں صدی میں جمہوری وفاق قائم کیا۔ جس کی یادگار ہر سال سارے ملک میں منائی جاتی ہے۔ یوروپ میں اس قسم کے اتحاد اور ملاپ کی یہی ایک بے نظیر مثال ہے۔ حقیقی معنی میں یہاں جمہوریت کار فرما ہے۔ اور امارت اور غربت کا وہ امتیاز جو ہر ملک میں پایا جاتا ہے یہاں مطلق نہیں ہے ہر شخص خوش حال ہے۔ یہاں کے قوانین کے لحاظ سے کوئی شخص مقررہ مقدار سے زیادہ اراضی نہیں رکھ سکتا۔ اور کوئی اراضی بلا کاشت کے افتادہ نہیں رکھی جا سکتی۔ دولت کی تقسیم جملہ اشخاص میں تقریباً مساوی ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ فرانک سالانہ (ایک فرانک بارہ آنے کے مساوی ہوتا ہے) کی آمدنی والے یہاں (۲۰) سے زائد نہیں ہیں۔ اس ملک میں آکر فی الحقیقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے ایک دوسرے ہی نظام میں آ گئے ہیں۔ سارے سوئزرلینڈ کی آبادی چالیس لاکھ ہے یہ ملک فرانس۔ جرمنی۔ اور اٹلی کے درمیان میں واقع ہے جس کی وجہ سے ان ممالک میں تصادم نہیں ہوتا۔ اس لئے یوروپ میں اس خطہ ملک کو امن کا گہوارہ تصور کرنا چاہیئے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ لیگ آف نیشن کا مستقر

نہیں تھا پچھلی اور موجودہ جنگ میں یہ ملک بالکل غیر جانب دار اور محفوظ رہا اس کا
دارالخلافہ "برن" ہے جہاں پارچہ بافی اور ریان کے مشینوں کے کارخانہ
داروں سے گفتگو کرنے کے لیئے ہم کل جانے والے ہیں۔ آج سہ پہر میں
ہمارے وفد کے کاروبار سے متعلق ہم نے مسٹر باربی جنرل منیجر سوئنز بنکنگ
کارپوریشن سے تبادلہ خیال کا وقت مقرر تھا۔ تقریباً دو گھنٹہ تک گفتگو ہوئی
کل شام کو برن سے واپسی پر اس بنک کے صدر ڈائرکٹر مسٹر شوئیز ر سے
جو پیارس سے جینوا آرہے ہیں اس مسئلہ میں مزید گفتگو ہوگی۔ مسٹر باربی
جس خوش اخلاقی اور ہمدردی کے ساتھ ملے اس کا بہت گہرا اثر مجھ پر
ہوا۔ یہاں سے واپس ہوتے ہوئے ہم نے شہر کے بعض حصے دیکھے
ہر جگہ رونق اور سکون نظر آیا۔ میرا خیال ہے کہ سارے یورپ میں شاید ہی
اس سے زیادہ فرحت بخش اور صحت بخش۔ کوئی اور مقام ہو۔ میں نے
ابھی وینس کو نہیں دیکھا ممکن ہے وہ نہروں اور آبناؤں کی وجہ سے اس سے
زیادہ خوبصورت ہو مگر آب و ہوا وہاں کی میں سنتا ہوں سوئنزرلینڈ کے
برابر نہیں ہے۔ سوئنزرلینڈ میں دق کے اور دوسرے مریض آ کر صحت یاب
ہو کر جاتے ہیں۔ جنیوا کے شہر کا رات کا منظر الفاظ میں صحیح طریقہ پر ادا کرنا
میرے لیئے مشکل ہے۔ ایسی خوبصورت روشنی ایسے سلیقہ سے لگائی
گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ چاندنی سارے شہر پر پھیلی ہوئی ہے دکانیں
اگرچہ کہ شام کے (۱/۲ ۷) بجے بند ہو جاتی ہیں (سوائے سگریٹ کی دکانوں
کے جو ساری رات کھلی رہتی ہیں) مگر ہر دکان کے اندر روشنی اور

کھڑکیوں میں جما ہوا سامان اسی طرح رکھا رہتا ہے جیسا کہ دن میں اور پہلی نظر میں شبہ ہوتا ہے کہ ساری دکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ جھیل میں سفید اور سرخ روشنی کا جو عکس اطراف کے مکانات سے پڑتا رہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے قسم قسم کی آتش بازی چھوٹ رہی ہے جس مقام سے بھی دیکھئے سرسبز پہاڑ نظر آتے ہیں گویا شہر کو اطراف کے پہاڑ اپنی آغوش میں سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہاں طلوع اور غروب صبح (۴) بجے اور رات کے (۸) بجے ہوتا ہے۔

شنبہ ۲۴۔اگسٹ صبح (۹½) بجے ذریعہ موٹر کار ہم برن روانہ ہوئے جو جینوا سے تقریباً (۵۰) میل دور ہے۔ تخمیناً آدھا راستہ لاک لیما جھیل کے بازو بازو سے تھا۔ دونوں جانب پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور وادیوں میں مسلسل بستیاں اور بنگلے نظر آئے لکڑی کے قدیم وضع کے بنگلے بھی کہیں کہیں دکھائی دئیے یہ بنگلے جو کئی سو برس پہلے کے ہیں بہت خوبصورت معلوم ہوئے۔ جنیوا سے تقریباً (۴ یا ۵) میل پر وہ بنگلہ بھی ملا جس میں مسٹر چرچل سابق وزیر اعظم انگلینڈ دو روز ہوئے کہ تبدیل ہوا کے لئے آکر ٹھیرے ہوئے ہیں۔ پھاٹک پر پولیس متعین ہے۔ راستہ میں لوزان کی مشہور بستی میں سے گزرے جہاں ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد صلح کی کانفرنس ہوئی تھی۔ یہ شہر ایک پہاڑ پر واقع ہے کافی بڑا ہے۔ یہاں ڈاکٹری کی تعلیم کی ایک بڑی مشہور یونیورسٹی ہے (۱۲) بجے ہم برن پہنچے اور سیدھے وزیر صنعت و حرفت سے ملنے

کے لیئے ان کے دفتر گئے جہاں وہ ہمارا انتظار کر رہے تھے پون گھنٹہ تک حیدرآباد کے صنعتی مسائل سے متعلق گفتگو رہی بہت خوش خلق آدمی ہیں۔ انگریزی صاف بولتے ہیں واپسی میں موٹر تک پہنچانے کے لیئے لفٹ سے نیچے آئے۔

مسٹر ہیانس ای لیشر یہاں کے مشہور بجلی کے مشین بنانے کے کارخانہ ایشر ویس کی طرف سے گفتگو کرنے کے لیئے نیچے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ دوپہر کے لنچ کی دعوت بھی اپنے طرف سے دی تھی ان کے ساتھ ہوٹل شویزر ہاٹ برن گئے اس ہوٹل کے ایک حصہ میں ایک ایسا طعام خانہ ہے جس میں صدیوں پہلے کے طرز پر فرش فرنیچر اور کمرہ بنایا گیا ہے اس کی بعض قابل ذکر چیزیں یہ ہیں کہ اینٹوں کی دیوار کا ایک نیم حلقہ بنا کر اس کے اطراف اونچے اونچے گدی دار اسٹول رکھے گئے ہیں جن پر بیٹھ کر لوگ شراب پیتے ہیں۔ ایک کونے میں کھانا گرم کرنے کا چولھا ہے جہاں دو باورچی سفید کپڑے اور اونچی ٹوپیاں پہنے ہوئے کھانا گرم کر رہے تھے۔ ایک طرف دیوار پر موم بتیاں جلائی جاتی ہیں ان کا دھواں دیواروں پر چڑھا ہوا تھا۔ دوسری طرف قدیم طرز کا مٹی کے تیل کا آویزاں لمپ تھا جس کی چمنی دھوئیں سے سیاہ ہوگئی تھی۔ مٹی کے سگریٹ پھینکنے کے برتن ہر میز پر رکھے تھے۔ مقصود یہ تھا کہ اس کمرہ میں صدیوں پہلے کے اِنس (دیہاتی سرائے) کی فضاء پیدا کی جائے۔ ہم جس وقت کھانا کھا رہے تھے درحقیقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں پہلے کے زمانہ میں

ہیں۔ کھانا بہت اچھا تھا۔ اس طعام خانہ کا ایک فوٹو بھی سیکریٹری نے ہوٹل کے مالک سے منگوا کر بطور یادگار کے دیا جو میرے پاس محفوظ ہے۔ (۲ ½ بجے) کھانے سے فارغ ہو کر ہم مصنوعی ریشمی سلک کے تھان بنانے والی کمپنی پارکوفل کے دفتر گئے تقریباً پون گھنٹہ ان سے گفتگو رہی۔ ساڑھے تین بجے جنیوا کیلئے روانہ ہو گئے۔ جاتے ہوئے اور واپسی پر بعض گاؤں ٹھیٹ دیہاتیوں کے ملے۔ جن سے کاشتکار کی حقیقی زندگی کا پتہ چلتا ہے۔ ہر مکان کے آگے ایک طرف گھوڑے اور گائے کی لید کا اچھا خاصہ چبوترہ بنا ہوا ہے جو اونچائی میں (۲ ½) اور چوڑائی لمبائی میں (۱۲) فٹ ہو گا۔ ایک طرف چار پہیوں کی بنڈی جس کا طول اور عرض ایک موٹر لاری کے برابر ہو گا کھڑی تھی۔ مکان کے عقب میں گائے اور گھوڑے رکھنے کا مقام تھا۔ سامنے یا بازو ایک طرف جلانے کی لکڑیاں سلیقہ سے جمائی گئی تھیں۔ ناگر بکھر ایک جانب در رکھے ہوئے تھے۔ باہر بنچ پر عورت اور بچے بیٹھے ہوئے تھے۔ کھیتوں میں مرد عورت بڑی لکڑی کے سرے پر لوہے کے کیلوں والا ہتیار لگائے زمین کو صاف کر کے گھانس جمع کرنے میں مصروف دیکھے گئے بعض کاشتکار بنڈیوں میں کھیت کا نکلا ہوا گھانس ڈال کر مکانوں کو لیجا رہے تھے۔ دو مقامات پر میں نے دیکھا کہ بنڈی میں ایک گھوڑا اور ایک بیل جوتے گئے تھے۔ اور ایک بنڈی کو دو گائے لگائے گئے تھے۔

سوئیزرلینڈ میں اس وقت تک میں نے گائیوں اور بکریوں کو

چرتے ہوئے جیسا کہ یورپ کے دوسرے علاقوں میں دیکھا تھا نہیں پایا البتہ ایک گاؤں کے قریب آٹھ نو برس کی لڑکی کو دیکھا کہ چند گائیوں کو چرا کر گھر واپس لا رہی تھی۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہاں کاشت کثرت سے ہوتی ہے اس لیئے قابل کاشت زمین کا ایک چپہ بھی خالی نہیں ہے اور مویشیوں کو آس پاس کی پہاڑیوں پر چرایا جاتا ہے۔ ایک قدیم بستی کے قریب ندی پر خالصتاً لکڑی کا پل بنا ہوا دیکھا۔ جو کئی سو برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ تیڑھی بانکی ناٹوں کے ستونوں پر یہ پل بنایا گیا ہے۔ اور پورے پل پر لکڑی کی چھت ہے۔ چوڑائی بہت کم ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسے بطور آثار قدیمہ کے باقی رکھا گیا ہے چار بجے راستہ میں ہم نے ایک ایسے چبوترہ پر چائے پی جو ایک دیہاتی رسٹوران نے مسافروں کی چائے خوری یا کھانے کے لیئے بنایا ہے اس چبوترے پر بڑے بڑے درخت اس طرح لگائے گئے ہیں کہ آسمان نظر نہیں آتا۔ درختوں کے درمیان میں میز اور ان کے اطراف کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ اس چبوترے کے ختم ہوتے ہی تقریباً (۵۰) فٹ کا نشیب اور اسکے پہلو میں رہون ندی بہتی ہے۔ یہاں سے کئی میل تک اچھا نظارہ ملتا ہے اس کا نام ٹریس ویولالاکے ہے۔

جنیوا سے بیس (۲۰) میل دور فرانس کے علاقہ میں "مان بلان" پہاڑ واقع ہے۔ سولہ ہزار فیٹ بلند ہے۔ اور یورپ کے پہاڑوں میں سب سے زیادہ بلند خیال کیا جاتا ہے۔ تمام سال اس پر برف جمی رہتی ہے۔ آج چونکہ مطلع بہت صاف تھا اس لیئے یہ یہاں سے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی

چوٹی پر برف بھی دکھائی دے رہی تھی ہوٹل کے پاس آتے ہی سامنے کی جھیل میں ہم نے دیکھا کہ ایک ڈیڑھ سو فٹ اونچا اور کئی فیٹ چوڑا فوارہ اڑ رہا ہے معلوم ہوا کہ ہر شنبہ کو یہ فوارہ کھول دیا جاتا ہے اور یکشنبہ کی شام تک چلتا رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ برف کا ایک ستون فضاء میں کھڑا ہوا ہے اور برف کے گالے پگھل پگھل کر نیچے گر رہے ہیں۔ جیسے جیسے مغرب قریب ہوتی گئی اس کی بہار میں اضافہ ہوتا گیا۔ کیونکہ ان ہی ایام میں جھیل کے تین طرف بجلی کے گولوں کی جو سیدھی لڑیاں لگی ہوئی ہیں اور جس میں ہزارہا گولے ہیں روشن کر دی جاتی ہیں۔ مکانات اور دکانات کی سفید اور سرخ اور نیلی روشنی کا عکس پانی میں عجیب منظر پیدا کر رہا تھا۔ ہمارے ہوٹل کے داخلہ کے دروازے میں سے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوا کہ گویا رنگین چلمنیں فضاء میں لٹکی ہوئی ہیں اور رنگ برنگ کی آتش بازی پانی کے اندر چھوٹ رہی ہے۔ پانی کی لہریں رات کے (۱۱) بجے ایسی معلوم ہو رہی تھیں کہ گویا سانچے موتیوں کا فرش بچھا ہوا ہے۔

شب کے کھانے پر ہم نے مسٹر شوئزر ڈائرکٹر سوئز بنکنگ کارپوریشن کو مدعو کیا تھا۔ کھانے کے بعد جب ہم ڈائننگ روم میں سے گزر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک کمرہ میں دو جانب کئی سو مرد عورت بیٹھے ہیں اور درمیان میں ایک اونچا میزوں کا چبوترہ بنا ہوا ہے جس پر سے ایک ایک عورت بہترین قسم کا لباس پہنے ہاتھ میں پاکٹ لیئے دونوں جانب نظر ڈالتے ہوئے خراماں خراماں گزر رہی ہے۔ اور لوگ تالیاں بجا رہے ہیں ار سے

یہاں فیاشن پریڈ کہتے ہیں جو ہر موسم میں ایک دفعہ بے برگ ہوٹل میں جہاں ہم ٹھیرے ہوئے ہیں منعقد ہوتا ہے۔ ان موقعوں پر یہاں کے کپڑے بنانے والے جنہیں ڈریپر کہتے ہیں اپنے اختراع کئے ہوئے کپڑوں کی تشہیر کے لیئے عورتوں کو یہ کپڑے پہنا کر چلاتے ہیں۔ تاکہ اس کو دیکھ کر لوگ ان نمونوں کے کپڑے بازار سے خرید کریں۔ کچھ دیر یہ تماشہ دیکھنے کے بعد ہم مسٹر شوئزر کے ساتھ قدیم شہر دیکھنے گئے جو ہوٹل سے دس منٹ کا پیدل راستہ ہے اس حصہ میں بعض گلیاں غالباً چھ فیٹ سے زیادہ چوڑے نہیں ہیں قدیم طرز کے مکانات ان گلیوں میں اب بھی موجود ہیں جن میں داخل ہونے کا ایک دروازہ اور اس کے بعد مسقف (۴) فیٹ چوڑے گلیاری اور اس کے بعد تنگ مکان ہے۔ بالکل حیدرآباد کے قدیم مکانات کی طرز کے مکان معلوم ہوئے۔ اس قدیم محلہ میں یہاں کا مشہور قدیم گرجا ہے جو سب سے بلند مقام پر واقع ہے اور اب بھی نہایت مضبوط حالت میں ہے۔ ان قدیم گلیوں میں قدیم نادرات کی بہت ساری دکانیں قائم ہیں واپسی میں ساڑھے دس بجے ہم نے جھیل کے اطراف ایک گشت لگائی تاکہ قریب سے روشنی اور فوارہ کو دیکھیں۔ اتفاق سے میرا کمرہ جس کا نمبر (۱۱۲) ہے عین جھیل کے سامنے واقع ہے۔ میں نے بہت دیر تک اس ہوش رُبا منظر کو دیکھا۔ (۱۲) بجے روشنی کی لڑیاں اور فوارہ بند ہوگئے مگر اطراف کے سرخ اور سبز اور نیلے اشتہارات اور مکانات کی روشنی کا عکس جھیل میں پڑ رہا تھا۔

اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سانچے موتیوں کا وسیع فرش جا بجا رنگ بدل رہا ہے۔

شام کو برن سے واپس ہوتے ہوئے راستہ کے بازو ایک میدان میں جپسیوں (خانہ بدوش اقوام) کا پڑاؤ ملا بلجیم کے کسی موضع کے قریب بھی ان کا ایک کیمپ نظر آیا تھا یہاں بھی انگلینڈ کی طرح یہ لوگ بہت بڑے گھوڑوں کی گاڑی جس پر اقسام کے پھول وغیرہ بنے رہتے ہیں اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ ایک چھوٹی راؤٹی بھی جہاں اترتے ہیں لگا لیتے ہیں اور کھلے میدان میں کھانا پکائی کرتے ہیں۔ خانہ بدوش زندگی بسر کرنے کی وجہ سے ان کے قوائے جسمانی مضبوط ہیں۔ کڑاکے کی سردی میں بھی اپنی گاڑی یا راؤٹی میں سو جاتے ہیں موسم کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حکومت نے ایک ٹاؤن ہال جسے کرُسال کہتے ہیں جنیوا میں بنا رکھا ہے۔ جہاں تھیٹر اور دوسرے تماشوں کا انتظام ہے۔ ایک حصہ میں ڈائننگ روم اور رسٹوران بھی ہے۔ ان مقامات پر پیسے دیکر لوگ کھیل دیکھ سکتے ہیں۔ یا چائے کافی وغیرہ پی سکتے ہیں۔ ایک حصہ ناچ کے لئے مختص ہے۔ جس کے لئے کوئی ٹکٹ یا فیس نہیں ہے۔ ایک جانب جوے کے بازی گاہ ہیں یہاں لوگ پیسے لگاتے ہیں۔ اس میں داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے آج شب کے کھانے کے بعد ہم یہاں گئے اور نصف گھنٹہ کے بعد واپس ہو گئے۔ حکومت اس طریقہ سے کافی آمدنی حاصل کرتی ہے گویا چائے خانے۔ ناچ گھر اور جوے خانے بھی

اب قومی ادارے بن رہے ہیں معلوم نہیں اس کی انتہاء کہاں جاکر ہوگی۔

یکشنبہ ۲۵۔ اگسٹ | صبح سے بارش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لندن میں اگر بارش شروع ہو جائے تو ہوا میں شدت کی سردی پیدا ہو جاتی ہے اور کافی احتیاط نہ کی جائے تو زکام ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے یہاں بارش سے کسی قسم کی ناگواری نہیں محسوس ہوتی۔ آج اتوار ہونے سے شہر کا سب کاروبار بند ہے۔ صرف سگریٹ تمباکو کی دکانیں کھلی ہوئی ہیں۔ ناشتہ کے بعد راجہ پنالعل جی، نواب میر نواز جنگ بہادر، مسٹر شوشل جاد میری اور میں قدیم شہر اور دوسرے مقامات دیکھنے کے لیئے نکلے۔ نواب میر نواز جنگ بہادر ۱۹۳۶ء میں جنیوا میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اور ۱۳۳۹ء میں دوبارہ آئے تھے۔ اس لیئے وہ نہایت اچھی فرانسیسی بولتے ہیں اور شہر کے چپہ چپہ سے واقف ہیں۔ اگر یہ پیارس میں ساتھ ہوتے تو ہم بہت عمدگی سے ہر چیز کو دیکھتے۔ یوروپ میں فرانسیسی عام طور پر بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ انگلستان میں بھی ہر اچھے گھرانے میں اسکے بغیر انگریزی تمدن مکمل نہیں سمجھا جاتا یوروپ کے بین الاقوامی امور میں فرانسیسی زبان ہی کو اہمیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ پچھلی جنگوں میں جتنے صلح کے معاہدے ہوئے وہ اسی زبان میں مرتب ہوئے البتہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ بھی کر دیا گیا۔ مگر کبھی معاہدوں کے منشاء اور الفاظ زیر بحث آجائیں تو فرانسیسی اصل تحریر ہی سے رجوع کیا جاتا ہے۔

پہلے ہم نے جنیوا کی یونیورسٹی دیکھی یہ یونیورسٹی اگرچہ کہ چھوٹی ہے مگر ہر شعبہ میں ضروری آلات اور ماڈل وغیرہ مہیا کئے گئے ہیں ایک حصہ میں جمادانی اشیاء کو دکھا گیا ہے بعض پتھر دیکھنے میں معمولی قسم کے دکھائی دیتے ہیں مگر اندھیرا کرا یا جائے تو ایسے چمکتے ہیں کہ گویا ان کے جسم کے اندر بجلی کی روشنی دوڑا دی گئی ہے بعض اودی روشنی کے بعض سبز بعض زرد اور بعض سفید نظر آتے ہیں۔ اللہ کی قدرت کی رنگارنگی چشم بینا کو نظر آتی ہے یونیورسٹی کے احاطہ میں ایک طرف ترشے ہوئے پتھر کی ایک بلند اور وسیع دیوار ہے جو اونچائی میں (۲۰) فیٹ اور لمبائی میں دوسو فیٹ سے زاید ہوگی۔ اس دیوار پر سترھویں صدی اور اس کے بعد کے تاریخی واقعات اور یہاں کے نامور مشاہیر کے کارناموں اور مجسموں کو کندہ کیا گیا ہے مثلاً کالون نامی ایک شخص جس نے رومن کیتھالک مذہب کے خلاف احتجاج کر کے دنیا میں سب سے پہلے پروٹسٹنٹ مذہب کی بناء ڈالی تھی اور جنیوا یونیورسٹی کو قائم کیا تھا اور خود بہ حیثیت پروفیسر کے پڑھاتا بھی تھا اس کا مجسمہ بنایا گیا ہے، دوسری یادگاری تختی فرانسیسیوں کے حملہ کی ہے جس کا ذکر میں نے پہلے کیا ہے۔ تیسری یادگار کا کتبہ وہ ہے جس میں فرنچ نسل۔ رومن نسل اور جرمن نسل کے باشندوں نے جو سوئزرلینڈ میں بستے ہیں ایک وفاق قائم کر کے موجودہ جمہوریت کی بناء ڈالی تھی۔

یونیورسٹی کو دیکھنے کے بعد ہم نے روس گرجا دیکھا جو روسی باشندوں نے بنایا ہے۔ اس کی وضع قطع اسلامی طرز تعمیر سے ملتی جلتی ہے۔

گنبدوں اور میناروں پر سنہری ملمع ہے۔

نواب میر نواز جنگ بہادر ہمیں اس ہوٹل کو بھی لے گئے جہاں وہ اپنی تعلیم کے زمانہ میں رہتے تھے۔ اس کا نام ہوٹل ڈی ریسیڈینس ہے۔ اس ہوٹل میں زیادہ تر عمر رسیدہ لوگ جو شور شغف پسند نہیں کرتے رہتے ہیں۔ کمپونڈ میں ٹینس کورٹ اور وسیع چمن ہے، اس ہوٹل کے محاذی ہوٹل ڈی پنشیان ہے۔ انگلینڈ میں اور براعظم کے دوسرے ممالک میں بھی اس قسم کے ہوٹل موجود ہیں ان میں علاوہ صبح کے ناشتہ کے دوپہر اور رات کا کھانا بھی مہیا کیا جاتا ہے ان میں معمر لوگ رہا کرتے ہیں کیونکہ وہ کھانا کھانے کے لیئے دور رستوران میں نہیں جا سکتے۔

آج ہم نے جنیوا کی قدیم بستی کو بھی ذرا تفصیل سے دیکھا۔ یہ بستی اونچی پہاڑی پر واقع ہے۔ اور جدید بستی سے جو پہاڑ کے نشیب میں ہے ملی ہوئی ہے۔ جہاں ان دونوں کا اتصال ہوتا ہے وہاں اوپر اور نیچے سڑکیں اور مکانات ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا دو منزلہ بستی ہے۔ قدیم مکانات کے راستے بہت تنگ اور ان میں داخل ہونے کے پٹے ہوئے راستہ سے پتہ چلتا ہے قدیم زمانہ کے لوگ جیسا کہ دنیا کے دوسرے حصوں کی قدیم بستیوں کو دیکھنے سے پایا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کے قریب اس لئے رہتے تھے کہ غنیم یا ڈاکوؤں کے حملہ کی صورت میں ایک دوسرے سے مدد لے سکیں۔ آج یہ راستے اس لیئے تنگ معلوم ہوتے ہیں کہ آج کل کی سواریاں مثلاً موٹر کار موٹر لاری ٹرام اور بس زیادہ جگہ چاہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں لوگ پیدل

چلا کرتے تھے فاصلہ مختصر تھے اس لیئے کسی قسم کی سواری استعمال نہیں ہوتی تھی مکانات میں داخلہ کے تنگ مسقف راستے اور بند کرے اس لیئے بناتے تھے کہ سردی سے بچنے کے لیئے اس زمانہ میں بجلی کے آلے مثلاً اسٹیم اور گیاس کے پائپ یا بجلی کی قوت کے ریڈیسٹر موجود نہ تھے۔ جنیوا کی قدیم بستی میں کئی چھوٹے چھوٹے کھانے کے رسٹوران ہیں۔ جہاں قدیم طرز کے کمروں میں وہ مخصوص کھانے کھلائے جاتے ہیں جن میں ہر رسٹوران نے خاص مہارت حاصل کی ہے مثلاً کسی جگہ محض مرغی کے چوزہ کو خاص طریقہ پر پکایا جاتا ہے۔ کہیں کی خصوصیت مچھلی ہے۔ ہم نے دوپہر کا کھانا اس قسم کی ایک قدیم ہوٹل میں کھایا۔

سہ پہر میں خیال تھا کہ جھیل میں پیراکی اور اسکیٹنگ دیکھیں گے کیونکہ ہر شنبہ اور یکشنبہ کو یہاں کے لوگ اس تفریح میں مشغول رہتے ہیں۔ اسکیٹنگ اس طرح کی جاتی ہے کہ ایک کشتی کے ساتھ لکڑی کے تختوں کو باندھ دیا جاتا ہے، جس پر لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور کشتی کو تیزی کے ساتھ چلایا جاتا ہے تختہ جب نہایت تیزی سے پانی پر سے جاتا ہے تو اس پر اپنا توازن قائم رکھکر کھڑے رہنا بڑا کمال ہے۔ بارش کا سلسلہ بند ہے رہنے کی وجہ سے آج یہ تفریح نہیں ہوئی اس لئے ایک دخانی کشتی میں بیٹھ کر ہم تھوڑی دور ساحل کے ایک طرف گئے۔ جھیل کے اطراف اس قدر دلکش چمن۔ مکانات اور راستے ہیں کہ مناظر قدرت کو دیکھتے دیکھتے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ واپسی میں ہم نے شام کو گیارات کے کھانے کے بعد ۲ سال کے تھیٹر میں ایک ریویو کا

ہم نے ٹکٹ لیا تھا۔ اسے دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی، پیارس کے تھیٹروں کو دیکھنے کے بعد میرا خیال ہے کہ یورپ کے دوسرے مقامات کے کھیل اور اداکاری پھیکی معلوم ہوتی ہے۔ جنیوا کی بستی سے دو تین میل فاصلہ پر فرانس کے علاقہ میں ایک بہت بلند پہاڑ واقع ہے اس پر بجلی کی قوت سے چلنے والے ڈبوں میں جو ہوا میں تار پر معلق جاتے ہیں لوگوں کو لیجایا جاتا ہے اسے سیالیبی کہتے ہیں۔ ہمارا خیال اس میں اوپر جانے کا تھا مگر دریافت پر معلوم ہوا کہ جنگ کے بعد سے یہ بند ہے۔

آج صبح ہم اس عمارت کو بھی گئے تھے جس میں لیگ آف نیشن کے دفاتر ہیں۔ یہ عمارت مختلف اقوام کے پیسے سے ایک وسیع باغ میں بنائی گئی ہے، کافی بڑی ہے۔ مگر کوئی تعمیری خصوصیت نہیں دکھائی دی ہم اسے اندر سے دیکھنا چاہتے تھے دربان نے کہا کہ فی الوقت عوام کے لیئے یہ کھلی نہیں ہے جس وقت متحدہ اقوام کی نئی مجلس کا کام اس میں آغاز ہوگا یہ کھول دی جائے گی۔ ہم نے اس مکان کو بھی دیکھا جس میں پہلے اس لیگ کا دفتر تھا اس کے کمپونڈ کی دیوار پر امریکہ کے پریسیڈنٹ وڈرو ولسن کے کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ جنہوں نے اس کی افتتاح کی تھی۔ ان کی یادگار میں اس سڑک کا نام بھی ولسن کیور رکھا گیا ہے۔

سوئزرلینڈ میں معمر مرد و عورت بہت زیادہ تعداد میں نظر آئے میرا خیال ہے کہ آب و ہوا کی خاطر یا تو دوسرے ممالک کے لوگ ملازمت یا کاروبار سے ہٹنے کے بعد یہاں سکونت اختیار کر لیتے ہیں یا یہ کہ یہاں کے

لوگوں کی عمریں طویل ہوتی ہیں۔ یورپ کے لوگوں سے متعلق دو ایک چیزیں ذکر طلب ہیں۔ یہاں مزدور پیشہ خواہ وہ کسی کارخانہ میں کام کرتے ہوں یا زراعت پیشہ یا سڑکوں کی صفائی اور مرمت کرنے والے بالعموم بیٹھ کر کام نہیں کرتے مثلاً کھیتوں میں گھانس کی صفائی ایک بڑی لکڑی میں سیخوں والا ہتیار لگا کر کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ مٹی اُٹھانے والے کے لیئے بھی بڑی لکڑی کے سرے پر چوڑا لوہے کا پھاوڑا لگا رہتا ہے۔ اس سے زمین کی کھدی ہوئی مٹی اٹھا کر بنڈی میں ڈال دیتے ہیں اور اس کے بعد اسے کھینچ کر جہاں ضرورت ہو لے جاتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ ٹوکروں میں بھر کر اُٹھ بیٹھ کرتے رہیں۔ رستوں پر صفائی کرنے والے مزدور بھی لانبی لکڑی میں برش یا جھاڑو باندھ کر کھڑے ہوئے جھاڑو دیتے ہیں۔ بالعموم نیچے کے مزدور پیشہ لوگ ہیٹ نہیں پہنتے بلکہ کپڑے کی چھوٹی ٹوپی جسے بیرٹ کہتے ہیں پہنتے ہیں۔ اس ٹوپی کو متوسط اور اچھے طبقہ کے لوگ بھی پہنتے ہیں۔ مگر صرف اُن موقعوں پر جب کہ منشاء دھوپ اور روشنی چہرہ پر لینے کا ہو اور موسم خوشگوار ہو۔

دوشنبہ ۲۶۔ اگسٹ | صبح سے مطلع صاف اور دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ آج میں نے ہوٹل کے حجامت خانہ میں بال ترشوائے۔ یورپ کے حجامت خانے بہت ستھرے ہوتے ہیں فرنیچر اور توال وغیرہ بالکل صاف رکھے جاتے ہیں ایک دفعہ استعمال کرنے کے بعد توال بدل دئے جاتے ہیں۔ حجامت کی قینچی اور اُسترے کو ہر گاہک کے لیئے استعمال کرنے سے

پہلے ایک برتن میں جس میں پانی کھولتا رہتا ہے بھپارہ دید یا جاتا ہے۔ اگر ناخن کٹوانا چاہیں تو ایک عورت ایک خاص ہتیار سے کتر تی ہے اور اس کے بعد سوہن سے ان کو گھس کر ہموار کر دیتی ہے۔ سوئزرلینڈ کے شہر و بالخصوص جنیوا کے قدرتی مناظر کو دیکھنے کے بعد فوٹوگرافی کے فوائد کا یکا یک مجھے خیال آیا کہ اس کے ذریعہ ایسے مناظر کی تصویریں لے کر ان کی یاد کو تازہ رکھا جا سکتا ہے چنانچہ راجہ پنالعل جی کو ساتھ لے کر جو مختلف قسم کے کیمرہ کی خوبیوں وغیرہ سے واقف ہیں گیارہ بجے بازار گیا اور ایک جرمن ساخت کا جدید طرز کا کیمرہ خریدا۔ اس کیمرہ میں فوٹو فلم کو بھر دینے کے بعد یکے بعد دیگرے چھتیس (۳۶) تصاویر لئے جا سکتے ہیں۔ بار بار بدلنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے استعمال کا طریقہ کسی فرصت کے وقت راجہ صاحب سے سیکھ کر تاریخی اور دلچسپ مقامات اور مناظر کے فوٹو لے کر اس کو محفوظ کرنے کا خیال ہے آج شب کے کھانے پر ہم نے مسٹر باربی جنرل منیجر سوئز بنکنگ کارپوریشن کو مدعو کیا تھا۔ ان سے گفتگو کے دوران میں معلوم ہوا کہ سوئزرلینڈ میں نہ تو کوئلہ ہے نہ لوہا اور نہ کوئی خام مال بڑی مقدار میں کسی بڑی صنعت کے لئے پیدا ہوتا ہے اس ملک کی آمدنی کا بڑا ذریعہ یہاں کے لوگوں کی محنت اور دماغی کاوشس ہے۔ باہر سے لوہا اور کوئلہ درآمد کر کے سوئز لوگ اعلیٰ درجہ کی مشینیں بنا کر دنیا کے ملکوں کو سربراہ کرتے ہیں۔ گھڑیاں۔ لکڑی میں نقش و نگار۔ سگریٹ لائٹر۔ کیمرا۔ اور دوسری چیزیں بنا کر باہر بھیجتے ہیں۔ دوسری اہم بات مسٹر باربی سے یہ معلوم ہوئی کہ یہاں کے

لوگوں میں کفایت شعاری کی عادت بچپن ہی سے پیدا کرائی جاتی ہے چنانچہ اس ملک کی کل آبادی چالیس لاکھ ہے۔ اور بنکوں میں تقریباً پچاس لاکھ اشخاص کے کھاتے ہیں۔ جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے اور اس کو عیسائی مذہب کے لحاظ سے کرسچین بنایا جاتا ہے جسے کرسچیننگ کہتے ہیں تو اس روز بچہ کے نام سے ماں باپ کسی بنک میں کھاتہ کھول کر رقم جمع کراتے ہیں اور جو گاڈ فادر بنایا جاتا ہے وہ اپنے منہہ بولے لڑکے کے لئے کھاتہ میں رقم جمع کراتا ہے۔ جس وقت بچہ بڑا ہوتا ہے اور اسے اپنے کھاتے کا علم ہوتا ہے تو اپنی جیب خرچ کی رقم سے تھوڑی تھوڑی رقم بچا کر اپنے کھاتے میں جمع کراتا جاتا ہے۔ جب وہ قابل کار ہو جاتا ہے تو اس جمع کردہ رقم سے کوئی کاروبار کرتا ہے۔ عموماً ایسی جمع کردہ رقم باہر کے ممالک مثلاً امریکہ میں سرمایہ پر لگا کر اس کا منافعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اس وقت امریکہ کے بنکوں میں یہاں کے لوگوں کی اماتی رقم کی مقدار (۲۵) لاکھ ہے بیرونی ممالک میں اس طرح لگائے ہوئے سرمایہ کی جو آمدنی وصول ہوتی ہے وہ اس ملک کی غیر نظری برآمد ہے جسے انگریزی میں ان وزیبل اکسپورٹ کہتے ہیں۔ حیدرآباد کے باشندوں کو اس عملی مثال سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اپنی آمدنی کو بچا کر غیر ممالک میں سرمایہ پر لگانا تو کجا عیش و عشرت کی غیر ملکی صنعتا کی خریدی اور دولت کو ضائع کرنے والے رسم رسومات قرضہ لے کر کرنیوالی قوم کا جو حشر ہونا چاہیئے ظاہر ہے۔

نیدرلینڈ وسعت اور آبادی کے لحاظ سے بہت چھوٹا ہے مگر

یہاں کے سکہ کی ساکھ ہمیشہ سے اور بالخصوص آج جب کہ دوسرے ممالک
کے روپیہ کی قیمت بہت گھٹ گئی ہے تبادلہ میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوا
اس کی وجہ یہ ہے کہ یوروپ اور امریکہ میں چالو کرنسی نوٹوں کے مقابلہ میں
(۴۰) سے لے کر پچاس (۵۰) یا ساٹھ فیصدی تک سونا چاندی محفوظ کیا جاتا
ہے۔ سوئٹزرلینڈ کی حکومت نے اجرا شدہ کرنسی کے مقابلہ میں (۱۵۰) فیصد
سونا محفوظ کیا ہے گویا کرنسی نوٹ کیا ہے کاغذ زر ہے۔

سہ شنبہ ۲۷ اگسٹ

صبح دس بجے یہاں کا میوزیم دیکھنے گیا۔ سوزن کاری کے بہت سارے نمونے یہاں رکھے گئے ہیں۔ گھڑیوں کا
کمرہ قابل دید ہے۔ میوزیم دیکھ کر ایک بجے ہوٹل واپس ہو رہا تھا کہ راستہ
میں ایک چھ سات برس کی لڑکی ملی۔ جس کے ہاتھ میں اُون کا تاگا اور بننے کی
کاڑیاں تھے۔ میرے قریب آکر فرنچ زبان میں کچھ کہا، اس خیال سے کہ
پیسے مانگتی ہے میں نے کچھ فرانک دینے چاہے فوراً اس نے نہیں کہہ کر
پھر کچھ مجھ سے دریافت کیا مجھے بڑی ندامت ہوئی کہ میں نے اس لڑکی
کی خودداری کو ٹھیس پہنچایا۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک عورت جھیل کے دوسرے
کنارے کھڑی تھی اس کے پاس جاکر کہا کہ وہ لڑکی شاید راستہ بھول گئی ہے
اس کی مدد کیجئے۔ وہ عورت لڑکی کے پیچھے گئی جو روانہ ہو چکی تھی اور میں ہوٹل
چلا گیا۔ جہاں مجھے زبان نہ جاننے کے مشکلات کا خیال آیا وہاں سوئز قوم
کی میرے دل میں بڑی وقعت پیدا ہوئی کہ وہ اپنے بچوں کو کیسی اچھی
تربیت دیتے ہیں۔ سوئزرلینڈ کے مدارس میں تعلیم و تربیت کا معیار

سنا جاتا ہے کہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ انگلینڈ۔ فرانس اور اٹلی کے مالدار لوگ اپنے چھوٹے بچوں کو ابتدائی تعلیم اور تربیت کے لیئے یہیں بھیجتے ہیں دوران جنگ میں انگلینڈ سے چھوٹے بچوں کا تخلیہ کیا گیا تو بہت سارے بچوں کو یہاں کی حکومت نے اپنی نگرانی میں لے لیا تھا۔ شام کے (۷ ½) بجے نواب میر نواز جنگ بہادر اور میں ریلوے اسٹیشن گئے تاکہ رات کے (۸) بجے والی گاڑی سے زیورک جائیں۔ راجہ بنالعل صاحب اور مسٹر شوشیل جاوری صبح کے (۱۰ ½) بجے والی گاڑی سے جا چکے تھے۔ ریلوے اسٹیشن پر پورٹر (حمال) صاف ستھرے لباس میں تھے اور تیزی سے کام کرتے تھے پیارس کے حمالوں جیسے مفلس نظر نہیں آئے۔ ایک چیز مجھے سوئٹزرلینڈ میں بطور خاص یہ محسوس ہوئی کہ یہاں دکانوں میں۔ رستوران میں یا ریلوے اسٹیشن وغیرہ پر بہت کم سے کم آدمیوں سے کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ میوزیم میں بھی مشکل سے پانچ چھ آدمی دروازے سے لے کر ساری عمارت میں اپنے کام کی نگرانی کر رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پبلک کے پیسے کو بہت احتیاط اور کفایت سے حکومت صرف کرتی ہے اور لوگ بھی کفایت شعار اور محنتی ہیں۔ سوئٹزر لوگوں میں خودداری کے ساتھ ملنساری اور حیا بہت ہے۔ کسی دکان میں جائیں تو خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا جاتا ہے اور بغیر خرید سے واپس جائیں تو بھی بار بار شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ آپ نے دکان میں آنے کی زحمت کی۔ مجھے جنیوا چھوڑتے ہوئے دلی رنج ہوا کہ اس قدر جلد میں ایسے ملک سے جا رہا ہوں جہاں کی

فضاء حد درجہ دلکش اور لوگ انتہائی شریف اور خلیق ہیں۔ سوئٹزر فیڈرل ریلوے
میں دو درجے دوم اور سوم ہیں۔ سوم کے درجے میں لکڑی کی نشست ہے
اور درجہ دوم میں المونیم کے گدیدار کرسیاں اور سوفہ ہیں۔ رات کے
کھانے کے لیئے ہم ڈائننگ کار میں گئے۔ جس طرح جینوا کے شہر میں ہوٹلوں
اور رسٹوران میں ملازم بار بار بلا مانگے مزید غذا لا کر پیش کرتے ہیں ریل کے
کھانے کے کرہ میں بھی ملازموں نے اسی توجہ سے کھانا کھلایا۔ یورپ
کے دوسرے مقامات میں اس قسم کی تواضع نہیں کی جاتی۔

شب کے (½ ۱۱) بجے ہم زیورک پہنچے اور سیدھے ہوٹل گئے
جہاں ہمارے ٹھیرنے کا انتظام تھامس کک نے کیا تھا۔

یہ یہاں کا بہترین ہوٹل ہے ملازمین بھی بہت خوشی سے خدمت انجام
دیتے ہیں۔ زیورک کا شہر کافی بڑا معلوم ہوتا ہے کل علی الصبح یہ اگ جانے
سے پہلے اس کو دیکھنے کا ارادہ ہے۔

چہارشنبہ ۲۸۔ اگسٹ | صبح (۷) بجے ناشتہ کر کے موٹر ٹکسی میں نواب میر نواز جنگ بہادر اور میں شہر دیکھنے کے لیئے روانہ ہوئے سفر کا سامان بھی
ساتھ رکھ لیا تاکہ سیدھے ہوائی اڈے کے اسٹیشن پر (۹) بجے پہنچ جائیں
اس شہر کے بیچ میں سے آر ندی بہتی ہے۔ ایک وسیع جھیل بھی شہر کے
ایک حصہ میں واقع ہے۔ اس کے پیچھے کچھ فاصلہ پر بلند پہاڑ ہیں۔ جیسے کہ
جنیوا کے شہر سے لگے ہوئے دیکھے گئے۔ یہ جھیل اگرچہ کہ خوبصورت ہے
مگر جنیوا کی جھیل اور اس شہر کا حسن یہاں نہیں ہے۔ شہر کے بعض حصے بالکل

لندن کے نمونوں کے ہیں۔ کاروباری مرکز ہونے کے لحاظ سے آدمیوں کی چہل پہل بھی زیادہ ہے یہاں کے لوگ جرمن نسل کے ہیں اس لیئے مرد اور عورت دونوں کی صورت، شکل، وضع قطع بہت بھدی ہے یہاں جرمن زبان بولی جاتی ہے، اور فرانسیسی بھی بعض لوگ بولتے اور سمجھتے ہیں۔ ہمارا موٹر کا چلانے والا صرف جرمن زبان جانتا تھا اس لیئے ہم اس کو اپنا مطلب نہ سمجھا سکے۔

نواب میر نواز جنگ بہادر اُسے بالآخر ایک رسٹوران میں لے جا کر وہاں کی خادمہ سے جو فرانسیسی جانتی تھی ہمارا مطلب سمجھایا کہ ہم شہر میں گھوم کر (۹) بجے سے پہلے ہوائی اڈے کے اسٹیشن پر جانا چاہتے ہیں لڑکی نے جرمنی میں ڈریور کی تفہیم کی۔ بہرکیف ہمیں اس نے وقت پر وہاں پہنچا دیا ٹکٹ اور سامان کی تنقیح میں نصف گھنٹہ لگا جس کے بعد مسافروں کو جو تقریباً (۲۴) تھے کمپنی کے موٹر کاروں میں طیران گاہ پہنچایا گیا۔ جو تقریباً (۱۰) میل پر واقع ہے۔ طیران گاہ پر مسافروں اور سامان کو تولا گیا اور ضروری کاغذات کی تکمیل اور پاسپورٹ کی جانچ کے بعد (۱۰) بجے ہوائی جہاز میں سوار ہونے کی اجازت دی گئی۔ دس بج کر بیس منٹ پر ہمارا طیارہ روانہ ہوا۔ اور بارہ بجے پراگ پر اُترا جو چیکوسلاویکیہ کا دارالسلطنت ہے اور جسے چیک زبان میں (پراہا) کہتے ہیں یہاں کے وقت کے لحاظ سے ایک بجا تھا۔ اس لیئے گھڑیوں کو درست کرنا پڑا۔ ہوائی اڈہ پر مسٹر ہیو لیچک اسکوڈا فیاکٹری کے منیجر اور دو عہدہ دار ہمیں لینے کے لئے

آئے تھے۔ ان کی وجہ سے کسٹم کے مرحلہ سے ہم آسانی سے چھوٹ گئے مسٹر ہیولیچک دوران جنگ میں (۴ ½) سال تک حیدر آباد کی برن گن فیاکٹری کے جنرل منیجر تھے۔ ان کی طرف سے دوپہر کے لنچ کی دعوت الکران ہوٹل میں تھی جہاں ہمارا قیام ہے۔ لنچ سے فارغ ہونے کے بعد مسٹر ہیولیچک اور ان کے دوسرے دو عہدہ داروں کے ساتھ ہم مسٹر بوٹیل وزیر تجارت سے ملنے اُن کے دفتر گئے وہ موجود نہ تھے اس لئے ایک سینیر عہدہ دار سے گفتگو کر کے شام کے (۵) بجے شہر دیکھنے گئے سب سے پہلے میں نے مقامی سکہ یعنے کراؤن بنوائے۔ ایک پونڈ کے (۲۰۰) کراؤن ہوتے ہیں یعنے ایک آنہ کا ایک کراؤن ہوا۔ شہر بہت وسیع ہے۔ آبادی دس لاکھ سے زاید بتلائی جاتی ہے۔ تجارت کا بڑا مرکز ہے۔ مگر اس پر کوئی رونق نہیں ہے۔ شہر اور عمارات کی طرز تعمیر بتلاتی ہے کہ یہ شہر بہت قدیم ہے۔ چک لوگ سلاؤنسل کے ہیں چک زبان بولتے ہیں جو فرانسیسی اور جرمنی سے مختلف ہے۔ بازار میں کانچ اور بلور کا بہت نفیس سامان نظر آیا۔ مقامی صنعتوں میں سوت کا کپڑا بنانے کے مشین۔ فوجی ہتیارات اور چھوٹے بڑے آلات قابل ذکر ہیں۔ بہت زیادہ مال سارے یوروپ کو جاتا ہے۔ ہم سنٹرل یوروپ کے ممالک میں آ گئے ہیں جہاں آفتاب کے طلوع و غروب کا وقت ایک گھنٹہ پیچھے ہے۔ یعنی پراگ میں آفتاب صبح کے (۵ ½) بجے طلوع اور شام کے (۷) بجے غروب ہوتا ہے۔ جیسے جیسے موسم سرما قریب ہوتا جائے گا وسطی یوروپ اور انگلینڈ میں آفتاب دیر سے طلوع ہو

جلد غروب ہوجائے گا۔ یعنے دن کم اور رات زیادہ ہوتی جائے گی۔

شب کے کھانے کی دعوت مسٹر ہیولیچک کی طرف سے ایک بڑے رستوران کرسٹاو میں تھی۔ (۸) بجے وہاں گئے اور (۱۱) بجے اپنے ہوٹل واپس ہوئے۔ الکران ہوٹل میں میرے کمرے کا نمبر (۱۳۲) ہے۔

پنجشنبہ ۲۹۔اگسٹ — صبح (۷½) بجے پروگرام کے بموجب ہم دو موٹر کاروں میں جس کا انتظام مسٹر ہیولیچک نے کیا تھا ہوائی اڈہ پر گئے اور (۸½) بجے بذریعہ طیارہ مسٹر اوبیشال کے ساتھ برونو روانہ ہوئے۔ جو پراگ سے (۲۰۰) کیلو میٹر دور ہے۔ (۴۵) منٹ بعد طیارہ برونو کے ہوائی اڈہ پر اترا۔ سوتی کپڑا بنانے کے مشین کے کارخانہ کی جانب سے موٹر کاریں کر وہاں کے افسر آئے تھے ان کے ساتھ ہم سیدھے کارخانہ گئے۔ برونو ایک اہم صنعتی مرکز ہے۔ دو لاکھ سے زاید کی آبادی ہے جس کارخانہ کو ہم نے دیکھا اس میں کپڑے کے مشین کے علاوہ بڑا اکٹر ٹائپ رائٹنگ مشین، موٹر سیکل اور دوسرے بجلی کے مشین بنتے ہیں۔ ایک ہال میں جہاں ہم پہلے گئے جلالتہ الملک اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کی تصویر اور اس کے نیچے حیدرآباد کے نمایندوں کے خیر مقدم کی عبارت تحریر کی گئی تھی۔ اس اظہار تہنیت کے لیئے ہم نے افسران کا شکریہ ادا کیا۔ اور دو گھنٹے سے زاید کارخانے کے معائنہ میں صرف کیئے۔

کارخانہ دیکھنے کے بعد ہم برونو کے اس قدیم محل کو گئے جو بستی کے

کنارے ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ یہاں سے بستی کے مختلف حصوں کا دور دور تک نظارہ ملتا ہے اس محل میں اب عجائب گھر قائم کیا گیا ہے۔ شہر سے باہر سوتیکا ندی پر ایک بند قائم کر کے وہاں برقابی قوت کا ایک چھوٹا اسٹیشن بنایا گیا ہے۔ اسے دیکھتے ہوئے قدیم شہر اور جدید شہر کے بعض حصوں میں سے گزر کر ہم ایک بڑے ہوٹل کو گئے جہاں کارخانہ کی طرف سے لنچ کا انتظام تھا۔ شہر میں سرکاری اور خانگی عمارتوں پر چیکوسلاویکیا کے علم لہرائے گئے ہیں۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ آج ہی کے دن دو سال پہلے چیک لوگوں نے جرمن قبضہ کرنے والوں کے خلاف بغاوت کی تھی اس لیئے اس دن کی یاد منائی جا رہی ہے۔ جرمنوں نے اس شہر پر بمباری کر کے اس کے کارخانوں اور عمارات کو سخت صدمہ پہنچایا اور دوران قبضہ میں اور پھر اس کو چھوڑتے وقت باشندوں پر بڑے مظالم کئے۔ لوگوں کو ذرا ذرا سی بات پر اور بلا وجہ تہ تیغ کر دیا گیا۔ بالآخر روسی فوجوں نے جرمنوں کو یہاں سے نکالا۔ کہا جاتا ہے کہ روسیوں اور جرمنوں میں ہر گلی کوچہ میں قدم قدم پر لڑائی ہوئی۔

دوران لنچ میں معلوم ہوا کہ (۳½) بجے جس طیارہ سے ہم واپس ہونے والے تھے اس میں صرف دو آدمیوں کے لیئے جگہ مل سکتی ہے۔ اور یہ کہ بقیہ تین اصحاب کو موٹر کار کے ذریعہ (۲۳۰) کیلو میٹر طے کر کے پراگ جانا ہوگا؛ میں نے موٹر کار کے سفر کو ترجیح دی تا کہ چیکوسلاویکیہ کے دیہاتی پہلو کو دیکھ سکوں چنانچہ نواب میر نواز جنگ بہادر اور راجہ پنا لعل جی

طیارہ سے اور مسٹر سونیل جادوبری، مسٹر او بیشال اور میں موٹر کار سے
واپس ہوئے۔ راستہ کے سفر میں ہمارا گزر متعدد چھوٹے گاؤں اور بعض
بڑی بستیوں میں سے ہوا۔ دیہاتی بستیاں یوروپ کی دوسری بستیوں کی طرح
بہت اچھی اور پرفضا ہیں البتہ عام طور پر وہ خوش حالی یہاں نہیں پائی جاتی جو
انگلینڈ، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ اور بلجیم میں دیکھی گئی۔ غربت زیادہ معلوم ہوتی
ہے۔ میں نے بعض بستیوں میں عورتوں اور بچوں کو ننگے پیر پھرتے دیکھا۔ دو
ایک مقامات پر لڑکیاں اور عورتیں ٹوکریوں میں مشروم یعنے کلاہ باراں لیکر
کھڑے تھے۔ موٹر کاروں کو گزرتے ہوئے دیکھ کر خریدی کے لئے
پیش کر رہے تھے۔

جس راستہ سے ہم گزر رہے تھے اسی راستہ سے جرمن فوجیں
پسپا ہوئی تھیں۔ جا بجا موٹر کاروں اور موٹر لاریوں کو بیکار کر کے راستہ کے
بازو ڈھکیل دیا تھا جو اب تک وہیں پڑی ہیں۔ راستہ کے دونوں جانب
مسلسل سیب اور ناسپاتی کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ اور میوے سے
لدے ہوئے ہیں۔ اسی راستہ پر پراگ کا لاسلکی کا اسٹیشن واقع ہے
برونو کے شہر میں ایک یونیورسٹی قائم ہے۔ پراگ میں بھی ایک یونیورسٹی قائم
ہے جو یوروپ کی قدیم ترین یونیورسٹیوں میں شمار کی جاتی ہے۔ یہاں کی
گائے اور بکریاں یوروپ کے دوسرے ممالک کے مویشیوں جیسی ہیں
مگر گھوڑے دبلی راس کے دکھائی دیئے۔ سوئٹزرلینڈ اور پراگ میں
گھوڑوں کے کانوں پر کپڑے کا غلاف پہنا دیتے ہیں غالباً سردی سے

محفوظ رکھنے کے لیئے ایسا کیا جاتا ہے۔ انگلینڈ میں گاڑی کے گھوڑوں کی پیٹ پر بارش پڑتے وقت ٹاٹ یا موٹا کپڑا باندھ دیتے ہیں۔ چیکوسلاوکیہ میں انگلینڈ کے مقابلہ میں موسم گرما میں گرمی اور سردیوں کے موسم میں سردی زیادہ ہوتی ہے۔

شام کے (۶ ½) بجے پراگ واپس ہوکر (۸) بجے اس دعوت میں گیا جو یہاں کے مرکزی ادارہ میٹرلرجیکل فیاکٹریز کی طرف سے دیا گیا تھا۔ اس موقع پر ڈاکٹر مرکونسٹی دفتر وزیر خارجہ کے عہدہ دار اور مسٹر سوابشیکا اسکوڈا فیاکٹری کے منیجر شریک دعوت تھے۔ بہت پر لطف صحبت رہی۔ ڈاکٹر مرکونسٹی نے معذرت چاہی کہ کل جس وقت ہم ان کے دفتر گئے تھے وہ موجود نہ تھے۔ یہاں کے لوگوں کا خیال ہے کہ ہم پہلے ہندوستان کے باشندے ہیں جو یہاں کے دور دراز صنعتی شہر برونو آئے۔

پراگ میں آجکل ورلڈ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی کانگریس منعقد ہورہی ہے۔ اس میں تمام دنیا کے طلباء کی طرف سے نمایندے آئے ہیں۔ ہندوستان سے (۲۶) نمایندے شریک ہوئے ہیں۔ جن میں سے بعض شہر میں گھومتے ہوئے نظر آئے۔ ایک حیدرآباد کے طالب العلم بھی ملے۔ مسٹر شوشیل جاویری جو راجہ پنا لعل جی کے ساتھ ہیں وہ بھی نمایندے کے طور پر نامزد ہوئے ہیں اور دو روز سے اجلاسوں میں شرکت کر رہے ہیں۔

جمعہ۔ ۳۰۔ اگسٹ صبح (۷ ½) بجے ذریعہ موٹر کاریجر پولاک

عہدہ دار تجارت بیرونی کے ساتھ پلزن روانہ ہوئے جہاں دنیا کا مشہور اسکوڈا کا کارخانہ واقع ہے اور جو پراگ سے تقریباً (۹۰) کیلومیٹر ہے۔ ساڑھے نو بجے ہم پلزن پہنچ کر سیدھے اسکوڈا ورکس گئے۔ جنرل منیجر نے بہت توجہ کے ساتھ کارخانے کے اہم شعبوں کا معائنہ کرایا۔ میں نے اس وقت تک انگلینڈ۔ اسکاٹ لینڈ اور یوروپ کے جتنے کارخانے دیکھے ان سب سے یہ کارخانہ بدرجہا بڑا ہے۔ کئی فرلانگ تک اس کے مختلف شعبے پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر قسم کے فولاد اور لوہے کی مشینیں ریلوے ریلوے کے انجن جہازوں کے انجن۔ ٹراکٹر غرض کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو یہ کارخانہ نہ بنا سکتا ہو۔ اس کارخانہ پر بھی مثل دوسرے اہم کارخانوں کے اہل جرمنی سنہ ۱۹۳۹ء سے سنہ ۱۹۴۵ء تک قبضہ کر کے مقامی لوگوں سے بالجبر سامان حرب تیار کراتے رہے اسکوڈا ورکس کی انتہائی بدبختی تھی کہ جنگ ختم ہونے کے دس روز پہلے امریکن ہوابازوں نے اس پر اس شدت سے بمباری کی کہ اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ان کا منشاء یہ نہ تھا کہ چیکوسلاویکیہ کو نقصان پہنچائیں بلکہ مقصود یہ تھا کہ غنیم اس پر قبضہ کر کے جو سامان حرب بنا رہا تھا۔ اس سے اسے محروم کیا جائے۔ مسمار شدہ کارخانہ کا بہت کچھ حصہ اس دو سال کی مدت میں دوبارہ تعمیر کر لیا گیا ہے اور بہت ساری تعمیر کا کام اب بھی جاری ہے اور بہت کچھ تکمیل طلب ہے۔ یہی حال اس ملک کے سب کارخانوں کا ہوا کہ جرمن ان پر سالہا سال تک قابض رہے اور امریکی ہوابازوں نے بمباری کر کے انہیں گرایا۔

روسیوں نے اس ملک کو جرمن کے قبضہ سے چھڑایا اور روسی افواج ایک عرصہ تک قابض رہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے لوگوں میں اشتراکیت (کمیونیزم) اثر کر گیا۔ اور ایک قابل لحاظ باشندوں کی تعداد اس مسلک پر چل رہی ہے۔ حکومت کا مسلک بھی یہی ہوگیا ہے۔ جن کارخانوں میں مزدوروں کی تعداد (۵۰۰) سے زاید ہے ان سب کو قومی ادارہ قرار دیدیا گیا ہے چنانچہ اسکوڈا ورکس اور پارچہ کی مشینوں کا کارخانہ اور دوسرے بڑے کارخانے پچھلے سال سے حکومت کی نگرانی میں چلائے جارہے ہیں۔ ان سب کارخانوں کا منافعہ حصہ داروں میں تقسیم نہیں کیا گیا بلکہ جو نقصان جنگ میں ہوا تھا اس کی تعمیر کے لیئے سب منافعہ استعمال ہورہا ہے۔ حکومت کے اس عمل کو عمومیت کے ساتھ پسند کیا جارہا ہے۔ جملہ کارخانے صبح کے (۷) بجے سے (۲) بجے تک کام کرتے ہیں اس میں کئی فوائد ہیں ایک یہ کہ علی الصباح اٹھنے سے صحت اچھی رہتی ہے۔ جلد اٹھنے کے لیئے جلد سونا لازمی ہے جس کی وجہ سے کھیل تماشوں اور دوسرے ضروریات میں وقت ضائع کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اسکوڈا کارخانہ دیکھنے کے بعد ہم نے چینی سامان بنانے کے کارخانہ کو دیکھا جو اسکوڈا ورکس سے چار یا پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ واپس ہوتے ہوئے شہر میں شراب کشی کے کارخانہ یعنے بروورِی کو دیکھا جو یوروپ کا سب سے مشہور اور بڑا کارخانہ ہے۔ زمین کے اندر چھ میل کی مسافت کے تہہ خانے جن میں سے بعض (۹۰) فیٹ عمیق تک بنائے گئے ہیں ان کو برف کے ذریعہ (۱۲) ڈگری

ٹھنڈا رکھا جاتا ہے۔ بیر نامی شراب کو چھ مہینے تک ان ٹھنڈے تہہ خانوں میں رکھنے کے بعد فروخت کے لیئے نکالا جاتا ہے ٹھنڈک کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ میری عینک کے شیشہ پر سرد جھلی آگئی اور مجھے عینک نکال دینا پڑا۔

ڈیڑھ بجے اسکوڈا گسٹ ہوز اور رسٹوران میں کمپنی کی جانب سے لنچ کا انتظام تھا۔ تین بجے لنچ سے فارغ ہوکر پراگ واپس ہوئے۔ میجر پولاک اسکوڈا ورکس کے انجینئر اور وزارت تجارت وصنعت کے دو عہدہ دار جو آج کے معائنہ میں ہمارے ساتھ پراگ آئے تھے لنچ میں شریک تھے۔ میجر پولاک حیدرآباد برن گن فیاکٹری میں کئی سال تک کام کرنے کی وجہ سے حیدرآبادی کھانوں سے واقف تھے اس لیئے ہمیں اطلاع دیئے بغیر انھوں نے چاولی اور دیسی سالن کے پکوان کا انتظام بطور خاص کیا تھا۔ یوروپ کے سفر میں یہ پہلا موقع تھا کہ ہمیں ہندوستانی کھانا ملا۔ میجر پولاک اردو بہت اچھی بولتے ہیں اور لکھ پڑھ بھی لیتے ہیں۔ اس شہر میں جتنے چیک اصحاب سے ملنے کا موقع ملا ان سب کو میں نے حددرجہ خلیق پایا سبھوں نے حیدرآباد سے انتہائی دلچسپی کا اظہار اور ہر قسم سے مدد دینے کا وعدہ کیا۔

مسٹر ہیولیچک نے حیدرآباد اور جلالت الملک حضور نظام سے متعلق اپنے ملک میں بے انتہا اچھے تاثرات پیدا کئے ہیں۔ جس وقت سے ہم ان کے وطن آئے ہیں دن رات وہ ہماری مہانداری میں مصروف ہیں

اور اپنے افسروں کو ہماری ہمراہی میں متعین کر دیا ہے ان اصحاب کی رات دن کی صحبت میں ایسا معلوم ہوا کہ چیکوسلاویکیہ میں عارضی حیدرآباد کی فضا پیدا ہوگئی ہے ۔ مسٹر ہیولیچک کے علاوہ مسٹر اوبیشال اور میجر پولاک بطور خاص لایق ذکر ہیں جنہوں نے ہمارے آرام کے لیئے اپنے آرام کو تلخ کر دیا۔ آج کے سڑک کے سفر میں بھی ہم مختلف دیہاتوں اور بڑی بستیوں میں سے گزرے۔ کھیتوں میں مرد عورت برابر مصروف دیکھے گئے۔ کاشتکاروں کی عورتیں اراضی پر سخت محنت کرتی ہیں اور اپنے مردوں کے ساتھ زمینات کو صاف کرتی اور گھانس کو اٹھا کر بڑی بڑی بنڈیوں میں لادتی اور ضرورت ہو تو بنڈی بھی خود ہانکتی ہیں۔ یہاں کے لوگ بڑے محنتی معلوم ہوتے ہیں۔ قویٰ کے بھی مضبوط ہیں میرا خیال ہے کہ یہ قوم آئندہ ترقی کرے گی۔ اسوقت تک کارخانوں کو جانے اور معائنہ کرنے کا پروگرام ایسا گنجان تھا کہ پراگ شہر کو تفصیل کے ساتھ دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ شام کے (۵) بجے میجر پولاک کے ساتھ ٹکسی موٹر کار میں نکلا کیونکہ بارش ہو رہی تھی! ور کچھ حصہ حصہ دیکھ کر (۶½) بجے واپس ہوا۔

یہاں سے لندن واپس جانے کے لیئے طیارہ میں صرف ایک جگہ ہفتہ کو اور تین نشستیں پیر کو ملی ہیں۔ چونکہ لندن میں ۳۔ ستمبر کو ہمارے وفد کی طرف سے لندن کے سربرآوردہ اصحاب کو مدعو کیا گیا ہے اس لیئے نواب میر نواز جنگ بہادر کو انتظامات کے لئے وہاں جلد سے جلد واپس ہونا ضروری تھا اس لیئے کل علی الصبح وہ طیارہ سے لندن روانہ ہوں گے ۔ راجہ پنا لعل جی اور مسٹر

جاویر بی اور میں پیر کے دن طیارہ سے روانہ ہوں گے۔

شام سے بارش شروع ہو گئی غالباً تمام رات اس کا سلسلہ رہے گا۔ موسم میں سردی پیدا ہو گئی ہے۔

شنبہ ۱۳۔ اگسٹ

صبح (۷½) بجے راجہ پنا لعل جی اور میں راشر فیا کٹری دیکھنے کے لیئے ذریعہ موٹر کار ژرکاف روانہ ہوئے۔ جو پراگ سے (۱۶۰) کلومیٹر ہے۔ آج کا سفر چیکوسلاویکیہ کے شمالی حصہ ملک میں ہوا۔ اس سے پہلے اسکوڈا فیاکٹری کو دیکھنے کی غرض سے ہم جنوب مغربی حصہ میں گئے تھے اور برونو جاتے ہوئے مشرقی حصہ کو دیکھا تھا یہ ملک پہاڑی ہے ہر طرف بلند اور سر سبز پہاڑیوں کا سلسلہ نظر آتا ہے جنوبی اور مغربی حصہ صنعتی اور تجارتی ہے۔ شمالی حصہ زیادہ تر زراعتی ہے سیب کے درختوں کی اس قدر بہتات ہے کہ جدھر نظر اٹھتی ہے سڑکوں پر اور مکانات کے کمپونڈ میں سیب سے لدے ہوئے درخت دکھائی دیتے ہیں۔ بار اس کثرت سے آتا ہے جیسا کہ آم کے اچھے موسم میں ہندوستان میں آم لگتے ہیں۔ پائین کے درختوں کا جنگل پہاڑوں پر اور وادیوں میں جا بجا دکھائی دیتا ہے۔ جنگلوں میں سے گزرتے ہوئے وادیوں اور بستیوں کا بہت دلفریب منظر دکھائی دیا۔ ہلکی سی کہر رات بھر کی بارش کی وجہ سے آ گئی تھی۔ اس حصہ کی دیہاتی بستیاں خوبصورت معلوم ہوئیں بڑی بستیوں کے بیچ میں وسیع چوکونی کھلے میدان چھوڑے گئے ہیں۔ جہاں گاؤں کے لوگ کاروبار کے لیئے جمع ہو کر

آپس میں لین دین اور گفتگو کرتے ہیں۔ اس سے آرام ملنے کے علاوہ بستی کی رونق میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے بعض بستیوں میں لکڑی کے قدیم مکانات نظر آئے جیسے جنیوا میں دیکھے گئے تھے۔ ایک موضع کو بر میں شیشہ آلات کا کارخانہ ہے۔ جس کے نمونے ایک بڑے مکان میں رکھے گئے ہیں۔ کٹ گلاس، نقشی اور رنگین شیشوں کا سامان۔ شیشہ آلات وغیرہ اتنے نمونوں کا اور اتنا بہتر ہے کہ آنکھ نہیں ٹھیرتی۔ دن کے گیارہ بجے ہم ژر کاف پہنچے۔ اور پارچہ بافی کے آٹومیٹک مشینوں کو دیکھا جو یہاں بنائے جاتے ہیں۔ کارخانہ سے سو قدم پر چیکوسلاویکیہ اور جرمنی کی سرحدیں ملتی ہیں جہاں ہم ٹہلتے ہوئے گئے۔ دونوں علاقوں میں اپنی اپنی سرحد پر دو بڑے لانبے گول لکڑی کے رنگے ہوئے ڈنڈے لگے ہوئے ہیں۔ جن کو اٹھایا یا گرا دیا جاتا ہے۔ دونوں جانب کے ڈنڈے گرے ہوئے تھے۔ ہر علاقہ میں سرحد کے کونے پر ایک ایک مکان تھا۔ چیکوسلاویکیہ کے علاقہ کے مکان میں کسٹم کا دفتر ہے کچھ لوگ فوجی لباس میں موجود تھے۔ جرمن علاقہ کے مکان کے اندر ہم جا نہ سکے کیونکہ روسی جوان جو کندھے پر بندوق لگائے کھڑا تھا اس نے اندر جانے کی اجازت دینے سے انکار کیا۔ اس مقام پر کارخانے کی جانب سے ہمارے فوٹو لئے گئے۔ ژر کاف میں پیانو بنانے اور پارچہ بافی کے کارخانے بھی موجود ہیں ان سب کارخانوں پر ۱۹۳۹ء میں جرمنوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ایک بجے لنچ کا انتظام روشر فیاکٹری کی طرف سے ژر کاف کے سنٹرل

ہوٹل میں تھا جس میں اس گاؤں کی کونسل کے صدر اور کام کرنے والوں کی کمیٹی کے صدر نشین اور ان کی بیویاں بھی شریک تھے۔ دوسرے مقامی معززین بھی مدعو تھے۔ جملہ بیس اشخاص تھے۔ راستہ میں راجہ پنا لعل جی نے اخبار میں یہ پڑھ کر کہ ہندوستان میں عید الفطر منائی گئی۔ مجھ سے دریافت کیا تھا کہ میں نے بھی عید منائی یا نہیں سنٹرل ہوٹل میں یہ دیکھ کر کہ کھانے کے کمرے کو رنگ برنگ کے کاغذوں اور پھولوں سے سجایا گیا ہے اور کھانے کی میز پر بھی سلیقہ سے پھولوں کے گلدستے رکھے ہوئے ہیں۔ گراموفون بج رہا ہے۔ راجہ صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہ انتظام تو عید کا سا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ اپنے بندوں کے لیئے سامان مہیا کر ہی دیتا ہے اس چھوٹے سے موضع میں واقعی آج عید کے دن کا سا انتظام ہے مقامی لوگوں نے ہمارے لیئے جو انتظامات کئے تھے اور جس محبت کا اظہار کر رہے تھے اس سے متاثر ہو کر میں نے کھانے کے بعد ایک تقریر کی جس کا جواب وہاں کے ایک مقامی صاحب نے دیا لوگ اس تقریر سے اتنے خوش ہوئے کہ وہیں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ مجھے کچھ تحفہ دینا چاہیئے چنانچہ فوراً چیکوسلاوکیہ کے پریسیڈنٹ ڈاکٹر بینس کا لوہے میں ڈھلا ہوا فوٹو لا کر مجھے دیا اور کہا کہ جلدی میں وہ اس سے بہتر کوئی چیز پیش نہ کر سکے میں نے دلی شکریہ ادا کیا راجہ پنا لعل جی اس سب کیفیت کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور ان کے ایماء پر میں نے ان کی جانب سے اعلان کیا کہ وہ مقامی مدرسہ کے بچوں کو شیرنی کیلئے

ایک ہزار کراؤن عطا کرتے ہیں۔ سہ پہر کے تین بجے ہم پراگ واپس ہوئے چار بجے سے پھر بارش شروع ہو گئی جس کا سلسلہ شب کے گیارہ بجے تک رہا

یکشنبہ
یکم ستمبر

صبح (۹) بجے میجر پولاک کے ساتھ شہر کے بعض مقامات دیکھنے گیا اُلٹاوا ندی پر جو پراگ کے بیچ میں سے گزرتی ہے (۹) موٹر کاروں کے اور (۲) ریل کے پل ہیں۔ سب سے مشہور اور قدیم پل جو چودھویں صدی میں چارلس بادشاہ نے بنایا تھا۔ چارلس برج کہلاتا ہے۔ پل کے پہلو میں کنگ چارلس کا مجسمہ نصب کیا گیا ہے اور پل پر کے دونوں طرف بہت خوبصورت کمانوں اور گنبد کے برج ہیں جسے ٹاور کہتے ہیں۔ پل کی کنگر پر دونوں جانب خوبصورت قدآدم سے بھی بڑے مجسمے کھڑے کیے گئے ہیں جن کو سینٹس یعنے اولیا سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بعض مجسموں کے قدموں کے سامنے تازہ پھول رکھے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ عقیدت سے پھول چڑھاتے ہیں چیکوسلاواکیہ کے باشندے زیادہ تر رومن کیتھلک ہیں شہر میں اور گاؤں میں میں نے دیکھا کہ جا بجا حضرت مریم کے چھوٹے مجسمے سڑک کے بازو آئینہ کی محرابوں میں رکھے ہوئے ہیں اور تازہ پھول چڑھائے گئے ہیں۔ یونیورسٹی کی قدیم عمارت دو گرجاؤں کے درمیان عین شہر کے بیچ میں واقع ہے۔ جیسے جیسے یونیورسٹی میں توسیع ہوتی گئی۔ مختلف شعبوں کے کالج بستی کے دوسرے قریب کے حصوں میں بنائے گئے ہیں۔ چنانچہ کچھ فاصلہ پر لا کالج اور

انجینئرنگ کالج واقع ہیں۔ لا کالج کی عمارت جدید طرز کی ہے۔ اسکول آف آرٹس کی عمارت بھی شہر کے اسی حصہ میں واقع ہے۔ شہر کا ایک حصہ پہاڑی پر واقع ہے جہاں سے پراگ کا نہایت وسیع منظر نظر آتا ہے گرجاؤں اور دوسری عمارات کے گنبد اور منارے کثرت سے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پراگ کو سو مناروں کا شہر سٹی آف ہنڈرڈ ٹاورس کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر مجھے بے ساختہ یاد آیا کہ حیدرآباد کو بھی چہار مینار کی وجہ سے سٹی آف چہار مینار سے ملقب کیا جاتا ہے کیا اچھا ہوتا کہ چہار مینار کے اطراف وسیع چمن بندی کی جاتی۔ پراگ شہر سے باہر تقریباً بیس میل پر دو بڑے پانی کے بند بنا کر برقابی قوت کی تولید کے اسٹیشن بنائے گئے ہیں۔ ان مقامات تک اُلٹاوا ندی کے کنارے کنارے سڑک جاتی ہے۔ جس کے بازو اور عقب میں گاؤں اور بستیاں ہیں۔ بعض بنگلے بہت پر فضاء مقامات پر واقع ہیں اور جا بجا رسٹوران بھی ہیں۔ ان بنگلوں میں سیر بین ہفتہ کے آخری دن جسے ویک اینڈ کہتے ہیں بسر کرتے ہیں چنانچہ آج اتوار ہونے کی وجہ سے ان میں چہل پہل تھی میں نے پراگ، بلجیم پیارس اور سوئزرلینڈ میں تعطیل منانے کے ویسے مناظر نہیں دیکھے جیسے کہ انگلینڈ میں دیکھے۔ یوروپ میں تعطیل پرسکون طریقہ پر منائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اہل انگلینڈ مقامات تفریح پر اس کثرت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں کہ گویا میلہ لگ جاتا ہے اور جنگل میں منگل منانے کا مصداق ہوجاتا ہے۔ انگریزوں کو ایسے موقع پر کسی کا لحاظ نہیں رہتا اور بے تکلفی

سے وقت گزارتے ہیں اس کے برعکس وسط یورپ کے شہروں میں تفریح
کے مقامات پر گڑبڑ نہیں رہتی۔ مختلف مقامات پر لوگ اس طرح پھیل کر تفریح
کرتے ہیں کہ تفریح کرنے والوں میں خلل واقع نہیں ہوتا اور ایک دوسرے
کا لحاظ رکھتے ہوئے لوگ تفریح کرتے ہیں۔ کسی کو میں نے پبلک مقام پر
بے تکلف بیٹھے ہوئے یا لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔ بند دیکھنے کے بعد ہم
پراگ کے جنوبی حصہ کے ایک بلند پہاڑ پر گئے جس کی چوٹی تک موٹر کا راستہ
بنا ہوا ہے۔ اس پہاڑ پر وسیع پائین اور فر کا جنگل ہے۔ بلاک بیری
کی جنگلی جھاڑیوں میں بیریان کثرت سے لگی ہوئی تھیں شکل میں یہ چھوٹی اور
شہتوت کے رنگ کی ہوتی ہیں، مزہ بھی شہتوت کا سا ہے۔ پہاڑ پر جانے
کے بعد کئی مربع میل کا وسیع زراعتی میدان ملتا ہے جس میں جا بجا کاشت
ہوتی ہے اور کہیں کہیں بنگلے اور دیہاتی مکانات بھی ہیں ہوا نہایت صاف
اور ٹھنڈی ہے۔ واپسی میں ہم ایک ایسی سڑک سے پراگ آئے جس پر
ہر سال موٹر رانی کی شرطیں ہوتی ہیں۔ ایک دوسری پہاڑی پر تقریباً (۲۰) میل
دور ایک سفید عمارت ہے جہاں سینما کے فلم تیار کئے جاتے ہیں۔ یورپ
کے دوسرے مقامات سے فلم تیار کرنے والے اس مقام پر آکر فلم
لیتے ہیں۔ آج ایک بجے ہم نے اپنی ہوٹل میں یہاں کے بعض احباب کو
لنچ پر مدعو کیا تھا۔ تین بجے لنچ سے فارغ ہوکر سامان درست کرنے
میں مصروف رہا کیونکہ کل علی الصبح (۷) بجے طیارہ سے لندن واپس ہونا
ہے۔ مغرب کو مسٹر ہیولیچک وداعی ملاقات کے لئے آئے تھے۔

دو شنبہ
۲۔ سپٹمبر

صبح (۶ ½) بجے مسٹراو بیتال کے ساتھ ان کی موٹر میں راجہ پنا لعل جی اور میں ہوائی اسٹیشن گئے۔ میجر پولاک بھی وداع کرنے آئے تھے۔ پاسپورٹ اور کسٹم کے مراحل طے کرنے کے بعد (۷ ½) بجے مسافروں کو اندر جانے کی اجازت دی گئی (۸ ½) بجے طیارہ نے پرواز کی۔ راستہ میں ہم برسلیز پر سے گزرے۔ تمام راستہ پرسکون رہا مگر انگلش چیانل پر سے گزرتے وقت با دو باراں سے دوچار ہونا پڑا ایک عرصہ تک بادلوں میں سے طیارہ گزرتا رہا ایک دفعہ خفیف سا جھٹکا بھی محسوس ہوا۔ دن کے (۱۲) بجے ہماری گھڑیوں کے لحاظ سے جنوبی کرائڈن کے ہوائی اڈہ پر طیارہ اترا۔ لندن کے مقامی وقت کے لحاظ سے (۱۱) بجے تھے اس لیئے گھڑیوں کو ایک گھنٹہ پیچھے کرنا پڑا۔ ہوائی اڈہ سے کمپنی کی موٹر کوچ میں مسافروں کو وکٹوریہ اسٹیشن پہنچایا گیا جہاں سے ہم ٹکسی کار میں (۱۲) بجے سیوائے ہوٹل پہنچے۔ اب کی دفعہ مجھے (۶۸۰) نمبر کا کمرہ ملا ہے۔

شام کے (۵) بجے وفد کے کام سے متعلق نواب زین یار جنگ بہادر کے کمرے میں کمیٹی منعقد ہوئی۔ لندن میں صبح سے بارش کا سلسلہ جاری ہے اور سرد ہوائیں چل رہی ہیں۔ شب کا کھانا راجہ پنا لعل جی کے کمرہ میں کھایا جو میرے کمرہ سے قریب ہے۔ پچھلے سولہ (۱۶) دن کی ڈاک جو ہوٹل کے آفس میں محفوظ رکھی گئی تھی اسکو رات میں دیکھا اس ڈاک میں ووکنگ کی مسجد اور مصر و عرب کی جانب سے جو اسلامی ثقافت کا

مرکز ریجنٹ پارک میں قائم ہے۔ نماز عید الفطر اور عید ملاقات کے دعوت نامے اور یہاں کی ہوائی وزارت کی جانب سے ۱۶ ستمبر کو ہوائی جہازوں کے مظاہرے کے دعوت نامے بھی تھے۔ عید کے دن میں پراگ میں تھا نماز عید کے بعد مجھے حیدرآباد کے ایک طالب العلم مسعود حسین صاحب سے جو دوسرے ہندوستانی طلباء کے ساتھ پراگ میں طلباء کی عالمی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے آئے تھے معلوم ہوا کہ مسلمان طلباء نے پراگ میں ایک مقام پر جماعت کے ساتھ نماز عید کا انتظام کیا تھا جسکی اطلاع دینے کے لیئے وہ الکرن ہوٹل آئے تھے مگر میں موجود نہ تھا۔

سہ شنبہ ۳۔ ستمبر | پچھلی رات خاصی سردی رہی اور آج صبح سے بھی بارش کا سلسلہ جاری ہے۔ براعظم یوروپ کے ممالک کے خوش گوار موسم سے لطف اندوز ہونے کے بعد لندن کا بھیگا موسم بہت ناگوار معلوم ہو رہا تھا کل تک کی جمع شدہ ڈاک کو دیکھ کر اس کے جوابات وغیرہ صبح کے دس بجے تک تحریر کرتا رہا۔ (۱۰ ۱/۲) بجے راجہ پنا لعل جی آئے ان کے ساتھ بعض اشیاء کی خریدی کے لیئے بازار گیا۔ (۱۲) بجے واپس آکر شام کے ۱/۲ ۴ بجے تک کمرہ میں کام کرتا رہا۔ شام کے (۶) بجے حیدرآباد ہاؤس کی جانب سے سیوائے ہوٹل میں یہاں کے سربرآوردہ اصحاب گارڈن پارٹی پر مدعو تھے۔ تقریباً (۲۰۰) دعوتی آئے بعض موسم کی خرابی اور بارش کی وجہ سے نہ آسکے۔ شام کے (۸) بجے تک

پر لطف صحبت رہی۔ عبد المجید صاحب امام ووکنگ مسجد سے معلوم ہوا کہ لندن میں ووکنگ کی مسجد میں جمعہ کو اور مصر و عرب کے ثقافتی مرکز میں جمعرات کو نماز عید ادا کی گئی۔ اس اختلاف کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ ووکنگ کی مسجد میں سرکاری ابزرویٹری سے تاریخ معلوم کر کے نماز عید مقرر کی جاتی ہے۔ اور ثقافتی مرکز میں مصر میں جس تاریخ کو نماز عید کا دن معین ہوتا ہے اس کے لحاظ سے انتظام کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں ایک ہی شہر میں یہ دو عملی بدنما ہے ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کے ساتھ تعاون عمل کر کے ایک ہی دن نماز عید کا انتظام کرنا چاہیئے اسلام آپس کے اختلافات کو مٹانے اور اہل اسلام کو ایک برادری میں منسلک کرنے آیا ہے۔ دنیا کے جملہ مسلمانوں کی عبادت کا مرکز کعبہ ہے جس کا ایک اثر یہ مترتب ہوتا ہے کہ ہر مسلمان چاہے وہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہو دن میں پانچ وقت ایک نکتہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جمعہ کی نماز بلا جماعت نہیں ہو سکتی۔ پانچوں وقت کی نمازیں بھی مسجد میں ادا کرنے کو مرجح رکھا گیا ہے۔ اس میں یہ پہلو مضمر ہے کہ ایک بستی کے رہنے والے دن میں پانچ وقت مقامی مرکز پر جمع ہوا کریں۔ حج کے لئے دن اور مقام اور وقت کا تعین جو کیا گیا ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ تمام دنیا کے حج کرنے والے مسلمان ایک جگہ ایک ہی وقت جمع ہو کر فرائض حج کی تکمیل کریں چنانچہ سال میں ایک دفعہ دنیا کے سب مسلمان ایک مرکز پر ملتے ہیں۔ اس موقع پر امیر اور غریب کی تفریق کو اس طرح

مٹا دیا گیا ہے کہ سب ایک ہی لباس میں ملبوس رہتے ہیں ان بنیادی اصولوں کے ہوتے ہوئے پھر مسلمانوں میں آج کل جو فرقہ بندی نظر آتی ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں جو افراتفری ہوتی ہے اس پر ہر مسلمان کو غور کر کے ان کو یک لخت مٹا دینے کی موثر کوشش کرنی چاہیئے۔

رات کا کھانا مسٹر اور مسز فرانک مین کے ساتھ ایک فرنچ ہوٹل میں کھایا جو یہاں کا مخصوص ہوٹل ہے تین آدمیوں کے کھانے کے دام سات پونڈ اور کچھ شلنگ یعنے ایک سو روپیہ سے زاید مسٹر مین نے ادا کئے۔ اس سے لندن کی مہنگی زندگی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے یہاں روپیہ کی خدائی ہے بعض ہندوستانی یہاں آکر بے اندازہ روپیہ صرف کر کے ڈنر۔ لنچ کاک ٹیل پارٹیاں دیتے ہیں۔ جہاں دوسرے لوگ چند شلنگ ٹپ دیتے ہیں۔ وہاں یہ پونڈ نوٹ پھینکتے ہیں چونکہ شراب مہنگی ہے اس لیئے جو لوگ ایسی دعوتوں میں مہمانوں کو دل کھول کر شراب پلاتے ہیں ان کی خوشامد ہر کہ ومہ کرنے لگتا ہے اور وہ اس دھوکے میں رہتے ہیں کہ ان کی قدر و منزلت ان کی قابلیت کی بناء پر کی جارہی ہے۔ یوروپ میں کام نکالنے کا آسان ترین طریقہ یہ ہے کہ کھانے پر بلا کر شراب سے خوب تواضع کی جائے۔

چہارشنبہ ۱۴ ستمبر | آج بھی صبح سے بارش کا سلسلہ جاری ہے موسم بہت خراب معلوم رہا ہے چونکہ لندن میں ہمارے مشین کا کام

ختم ہو چکا ہے اس لیئے حیدر آبادی طلباء کی شرکت سے متعلق جو کام
انجام دے رہا تھا اس کو تمام دن سمٹتا رہا اور اس کی رپورٹ تیار کی
پانچ بجے باہر نکلا کہ کچھ ٹہلائی کروں مگر بارش میں یکایک شدت ہو جانے
سے تھوڑی دور جا کر واپس ہو گیا۔ راستہ میں وہائٹ ہال کے رقبہ
کے ایک گوشہ میں ایک قدیم عمارت پر کتبہ لگا ہوا دیکھا جس کو فوجی
سامان کی نمائش کے لیئے استعمال کیا جا رہا ہے اس پر لکھا ہے کہ
کئی سو سال پہلے بادشاہ چارلس اول کو اس مکان میں قتل کیا گیا تھا سر کلاڈ گڈنی
سابق رزیڈنٹ حیدر آباد نے کل اصرار سے راجہ پنا لعل جی کو اور
مجھے اپنے ہاں کھانے پر آنے کے لیئے کہا تھا۔ انگلینڈ میں کام
ختم ہو جانے کی وجہ سے یہاں سے واپسی کا تصفیہ ارکان مشن نے
کر لیا ہے۔ اور راجہ جی اور میں نے امریکہ ہوتے ہوئے ہندوستان
جانے کا انتظام کر لیا تھا اور ۷۔ ستمبر کو ہوائی جہاز میں جگہ بھی محفوظ
ہو چکی تھی اس لیئے راجہ صاحب نے خود سر کلاڈ گڈنی کو سیوائے ہوٹل
میں جمعہ کو لنچ پر مدعو کیا۔ آج نواب حسن یار جنگ بہادر رکن خاندان
پائیگاہ سلطان الملک بہادر کا خط آیا جس میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے
اخبارات میں ہمارے مشن کے ارکان کا گروپ فوٹو شائع ہوا ہے
مجھے مصری ٹوپی میں دیکھ کر نواب صاحب نے اظہار مسرت کیا ہے کہ
اسلامی شعار کی پابندی کی گئی حیدر آباد سے دوسرے اور اصحاب
نے بھی میرے اس عمل کو پسند کیا ہے مگر طرف تماشہ یہ ہے کہ بعض

ہندوستانی اصحاب جو لندن آئے ہوئے ہیں اس پر سخت معترض ہیں ان کا خیال ہے کہ جیسا دیس ویسا بھیس اختیار کرنا چاہیئے ورنہ مضحکہ ہوتا ہے میں نے ان معترضین سے کہا کہ اگر یہ مقولہ صحیح اور قابل عمل ہے تو پھر انگریز ہندوستان میں یا دوسرے مشرقی ممالک میں وہاں کا لباس کیوں نہیں اختیار کرتے۔ جہاں تک اسلام کی تعلیم کو میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اپنی شکل و شباہت غیر اقوام کی بنا لے تو وہ ان ہی میں کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ ذہنیت فطری ہے کہ محکوم قوم حاکم کی تقلید کرتی ہے اور حاکم قوم محکوم قوم کی تقلید کرنا باعث ذلت خیال کرتی ہے۔

ساڑھے بارہ بجے خفیف سی دھوپ نکل آئی ہے جس کی وجہ سے طبیعت پر جو بار دو تین روز سے ہے وہ ہلکا معلوم ہو رہا ہے (۱۲) بجے تک کام کرتا رہا ایک بجے سیوائے ہوٹل کے لونج میں گیا کیونکہ کرنل اور مسٹر سلاٹر میرے امریکہ جانے کی خبر سن کر ملاقات کے لیئے آنا چاہتے تھے۔ دونوں کو میں نے دوپہر کے کھانے پر ٹھیرنے کے لیئے کہا تھا۔ ڈھائی بجے کھانے سے فارغ ہو کر راجہ پنا لعل جی اور میں نواب میر نواز جنگ بہادر کو ڈارچسٹر ہوٹل سے لیتے ہوئے بنک گئے تاکہ امریکہ میں ڈالر کی رقم کا وثیقہ حاصل کریں۔ وہاں معلوم ہوا کہ بنک تین بجے کسی خاص تعطیل کی وجہ سے بند ہو گیا ہے۔ واپسی میں راجہ صاحب اور میں ریجنٹ اسٹریٹ گئے تاکہ امریکہ کے سفر سے

متعلق بعض اشیاء خریدیں۔ پکاڈلی سرکس کے زمین دوز راستہ میں بھی گئے تاکہ اس خاص گھڑی کو دیکھیں جو دنیا کے تمام ممالک کا وقت بوقت واحد بتلاتی ہے اس گھڑی کی خاص صنعت یہ ہے کہ دنیا کا بڑا چپٹا نقشہ چوکھٹے میں لگایا گیا ہے اور اس نقشہ کے بیچ میں آڑی پٹی میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک سے لے کر (۱۲) گھنٹے کے ہندسے لکھدیئے گئے ہیں۔ آڑی لکیر کے اندر برقی روشنی کر دی گئی ہے لندن کا گرینچ ٹائم اور امریکہ۔ دہلی نیویارک۔ ساؤتھ امریکہ وغیرہ ممالک کے نیچے یا اوپر جس طرح وہ دنیا کے نقشہ میں واقع ہیں اس روشن لکیر تک تیر کا نشان کر دیا گیا ہے۔ تیر کا سر اگھنٹوں کے حروف سے جا کر ملتا ہے وہی گویا ہر ملک کا وقت ہے۔ جن ممالک کے محاذی تیر کا نشان نہیں بتا یا گیا ہے ان کا وقت بھی آپ خود سیدھی ذہنی لکیر کے ذریعہ معلوم کر لے سکتے ہیں۔ آج لنچ کے وقت علیہ حضرت بیگم صاحبہ بھوپال کو اوپر جاتے ہوئے دیکھا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی وہ لندن میں قیام پذیر ہیں۔ ہندوستان سے ہندو مسلمانوں کے جھگڑے کی اطلاعات برابر چلی آرہی ہیں جس سے بڑی تشویش ہو رہی ہے

پنجشنبہ ۵۔ ستمبر

مطلع ابر آلود اور بارش ہو رہی ہے آج کے اخبارات میں یہ خبر دیکھ کر تشویش ہوئی کے ایر فرانس سروس کے دو ہوائی جہاز مسلسل ایک ایک روز کے وقفہ سے ٹوٹ کر گر گئے اور جتنے مسافر اور چلانے والے تھے وہ سب جل کر فوت ہوئے

ان میں سے ایک طیارہ پرواز کرتے ہی تھوڑی دیر میں مکانات سے ٹکرا کر جل گیا۔ کہا جاتا ہے کہ طیارہ کے پرواز کرتے وقت اور اترتے وقت ہی حادثات کا اندیشہ زیادہ رہتا ہے۔ یہ جو حادثات دنیا میں وقوع پذیر ہوتے ہیں وہ گویا انسان کو اس کی بے بسی کی یاد دلاتے ہیں اور خدائے قدیر کے جبروت کا مظاہرہ ہیں۔ صبح کے ساڑھے دس بجے راجہ بینا لعل صاحب اور میں امپریل بنک کے دفتر پر گئے اور امریکہ کے سکہ ڈالر کا بندوبست کرایا۔

جمعہ ۶۔ ستمبر موسم ابھی خراب ہے۔ اہل لندن کا بیان ہے کہ اس سے پہلے اگسٹ کے مہینے میں اس سے زیادہ خراب موسم کبھی نہیں دیکھا گیا۔ دن کے ایک بجے سر کلاڈ گڈ نی لنچ کے لیئے سیوائے ہوٹل آئے۔ کھانے پر صرف سر کلاڈ راجہ بینا لعل اور میں تھے۔ حیدرآباد کے مستقبل سے متعلق (۲½) بجے تک گفتگو ہوتی رہی۔ سر کلاڈ نے وعدہ لیا کہ امریکہ سے واپسی پر ایک دن ان کے ساتھ ہم کھانا کھائیں گے۔ اعلیحضرت بندگانعالی سے اپنی گہری عقیدت کا انھوں نے اظہار کیا اور کہا کہ ہندوستانی فرمانرواؤں میں جلالتہ الملک کی فراست اور قابلیت کا کوئی اور حکمران نہیں ہے۔ شام میں ندی کے کنارے میں نے تھوڑی دیر چہل قدمی کی۔

شام کے (۸) بجے سیوائے ہوٹل میں لیڈی بومن جی کی ملاقاتی دعوت میں گیا جسے رسیپشن کہتے ہیں۔ لندن کے بہت سارے سر برآوردہ

مردوں اور عورتوں نے اس میں شرکت کی نیپال کے سفیر شمشیر جنگ رانا سے ملاقات ہوئی بہت ملنسار طبیعت کے ہیں ڈاکٹر مستری جو نواب کاظم یار جنگ بہادر کے صاحبزادہ حسینی پاشاہ مرحوم کے معالجہ میں شریک تھے ان سے مرحوم کی علالت سے متعلق بہت تفصیلی گفتگو رہی۔ مرحوم کی بہت تعریف کرتے تھے اور کہا کہ انھوں نے اتنی سعی کی کہ جس طرح ایک باپ اپنے بیچے کے لئے سعی کرتا ہے۔ مگر مرض بہت شدید تھا۔ کھانے کی چھوٹی چھوٹی گول میزوں پر پانچ پانچ و چھ چھ اشخاص کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ اور میزبان اور ان کے ساتھی لوگوں کو بٹھلا رہے تھے میرے ایک جانب لیڈی نسیلیا ڈگلس اور دوسری جانب لیڈی مار تھا کول تھیں۔ یہ دونوں لیڈیاں ایک دوسرے کا تضاد تھیں۔ لیڈی ڈگلس نہایت متین اور ان میں امیر گھرانے کے تمام روایات پائے جاتے تھے۔ لیڈی کول بار بار مہاراجاؤں اور نوابوں کے دئے ہوئے تحفوں کو نکال نکال کر بتلا رہی تھیں اور ہر شخص سے بے تکلفی کا برتاؤ کر رہی تھیں کھانے کے بعد نہایت اچھے تفریحات کا انتظام تھا۔ سب سے پہلے ایک ہنگرین خاتون نے پیانو بجا کر اپنے کمالات دکھائے۔ اس کے بعد مسٹر بلوچی نامی ہندوستانی صاحب نے ہسپانیہ کا گانا گایا ان کے ساتھ ایک انگریز نے ہسپانی ستار بجایا مسز دستور ایک پارسی لیڈی نے ہارمونیم پر بہت ہی سریلی آواز میں گجراتی میں گیت سنائی۔ ان کے بعد ایک ہندوستانی صاحب نے غالب اور داغ کی غزلیں ہارمونیم پر گائیں۔ آخر میں مسز جہانگیر

تقریباً نصف گھنٹہ تک آوازیں بدل بدل کر بچوں۔ عورتوں۔ مردوں اور بوڑھوں وغیرہ کے۔ لطیفے بیان کئے اُن کی اداکاری کو لوگوں نے بے انتہا پسند کیا رات کے (۱۱ ½) بجے یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

چہارشنبہ ۷۔ ستمبر

ناشتہ کے بعد سامان کو دو حصوں میں تقسیم کر کے صندوقوں میں بند کیا ایک وہ جسے سیوائے ہوٹل کے اسٹور کے کمرے میں محفوظ کرانا تھا۔ دوسرا وہ جو امریکہ کے سفر میں ساتھ لیجانا تھا۔ (۱۲) بجے اسٹور میں سامان بھجوا دیا۔ ابتداء میں راجہ پنا لعل صاحب کا اور میرا خیال تھا کہ امریکہ جا کر سانفرنسسکو سے آسٹریلیا ہوتے ہوئے سنگاپور سے ہندوستان جائیں گے۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ جنگ کے بعد ابھی یہ راستہ کھلا نہیں ہے البتہ امریکہ سے فرانس جا کر وہاں سے ہندوستان جا سکتے ہیں یا لندن لوٹ کر ہندوستان جا سکتے ہیں۔ دونوں میں صرف چند گھنٹوں کا فرق ہے۔ ایر فرانس کے دو طیاروں کے جو شدید حادثے گزشتہ ہفتے میں ظہور پذیر ہوئے ان کے مدنظر ہم نے طے کیا کہ لندن واپس ہو کر ہندوستان جانا بہتر ہے اس لیئے کچھ سامان سیوائے ہوٹل میں محفوظ رکھنے کی ضرورت ہوئی۔

شام کے (۷ ½) بجے ہم لندن کے ہوائی اسٹیشن بکھنگم روڈ گئے جہاں پاسپورٹ وغیرہ کی جانچ کے بعد ایک موٹر کوچ میں امریکہ جانے والے مسافروں کو بٹھا کر ہیامیٹن کورٹ کے ہوائی اڈہ پر پہنچایا گیا۔

یہ ایک گھنٹہ کا موٹر کا راستہ تھا۔ (۹) بجے وہاں پہنچا اور کسٹم اور پاسپورٹ کی تنقیح کے بعد بی۔ او۔ اے۔ سی (برٹش اوورسیز ایر ویز کارپوریشن) کے طیارہ میں جس کا نام بالٹیمور ہے سوار ہوئے۔ کرنل سلاٹر ہوائی اسٹیشن پر مشایعت کے لیئے آئے تھے۔ رات کے دس بجے طیارہ نے پرواز کی پانچ دس منٹ کے بعد راجہ پنا لعل جی کھڑکی سے باہر مجھے بتلایا کہ پنکھوں کے بازو سے آگ کے سرخ شعلے باہر نکل رہے ہیں فوراً راجہ صاحب نے طیارہ کے ایک عہدہ دار کو متوجہ کر کے کہا کہ آگ نظر آرہی ہے اس نے سمجھایا کہ یہ بھاپ ہے جو نلیوں میں سے خارج ہو رہی ہے کوئی فکر کی بات نہیں۔ بادی النظر میں جو شخص واقف نہ ہو اس کو سرخ اور نیلے شعلے تقریباً ایک گز لمبے پنکھوں کے نیچے سے دونوں جانب مسلسل نکلتے ہوئے دیکھ کر ہراسانی کا ہونا لازم ہے جس طیارہ میں ہم نے سفر کیا اس میں (۴۰) اشخاص کی نشستیں تھیں۔ نہایت آرام دہ کرسیاں اور قیمتی فرش بچھا ہوا تھا اتنے بڑے طیارہ میں میں نے اس سے پہلے سفر نہیں کیا تھا۔ چڑھنے کی جو سیڑھی لگائی گئی تھی خاصی بلند تھی۔ زمین سے تقریباً (۱۴) فٹ اونچی ہو گی اس طیارہ پر متعین عہدہ دار اور ملازمین بہت خوش خلق محنتی اور خدمت گزار تھے بار بار آکر دریافت کرتے تھے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے ہر قسم کے کھانے کی چیزیں بسکٹ۔ چائے۔ میٹھے قرص شربت از خود لا لا کر دیتے تھے مجھ پر ملازمین اور عہدہ داروں کے اس طرز عمل کا بڑا اچھا اثر ہوا۔ طیارے

میں سگریٹ پینے کی اجازت تھی۔ مگر پرواز کرتے اور زمین پر اترتے وقت سگریٹ گل کر دینا پڑتا ہے۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک اٹلانٹیک یعنی بحر (اوقیانوس) پر سے گزر کر ہمارا طیارہ شب کے (۱۲) بجے شینان کے ہوائی اڈہ پر آیرلینڈ میں اترا۔ رات کا جو منظر طیارہ میں سے نظر آیا وہ قابل ذکر ہے۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی اور آسمان بالکل نیلگوں تھا ہمارا طیارہ چھ ہزار فیٹ کی بلندی سے اڑ رہا تھا اور ابر نیچے رہ گیا تھا چاندنی میں نیچے ابر کا فرش چمک رہا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ برف کے تکالے مسلسل بچھے ہوئے ہیں۔ بعض دفعہ جب طیارہ ابر سے نیچے آجاتا تھا تو یکایک چاند کی روشنی دھندلی پڑجاتی تھی ۔ کئی مرتبہ ایسا معلوم ہوا کہ طیارہ میں اور چاند میں آنکھ مچولی ہورہی ہے۔ شنان میں مسافروں کو کمپنی کی طرف سے نہایت عمدہ کھانا کھلایا گیا ۔

ایک گھنٹہ کے وقفہ کے بعد سوا بجے رات کو طیارہ نے شنان سے پرواز کی اور رات بھر بحر اوقیانوس پر سے طیارہ اڑتا رہا چونکہ طیارہ بڑا ہے اس لیئے انجن کی آواز بہت زیادہ آتی رہی کانوں کو بند کرنے کے لیئے روئی دی گئی اور ہم نے اسے استعمال بھی کیا مگر آواز برابر آتی رہی ایک گھنٹہ مشکل سے میں نے آرام کیا بقیہ وقت جاگتا رہا۔ طیارہ کے عہدہ دار وقفہ وقفہ سے دیکھ بھال کرتے رہے نقشہ لاکر بتلاتے جاتے تھے کہ بحر اٹلانٹیک کا کس قدر حصہ عبور کیا گیا ہے کتنی بلندی سے طیارہ جارہا ہے اور رفتار کیا ہے ۔

یکشنبہ ۸ ستمبر

صبح جس وقت آفتاب طلوع ہوا تو ہماری گھڑیوں میں دس بجے تھے۔ طیارہ کے ملازمین نے کہا کہ امریکہ کے قریب آ گئے ہیں اس لئے یہاں کے وقت کے لحاظ سے صبح کے (۷) بجے ہیں۔ ہماری گھڑیوں کے لحاظ سے دن کے (۱۲) بجے ہم نیو فاؤنڈ لینڈ میں گیانڈر سے قریب ایک مقام پر اترے متعامی وقت کے لحاظ سے اس وقت (۸) بجکر بیس منٹ ہوئے تھے مسافروں نے اپنی گھڑیوں کو درست کرلیا۔ کمپنی کی جانب سے ہر مسافر کو کھانے کا ٹکٹ ملا جسے تبلا کر ہوائی اڈہ کے رسٹوران میں ہم نے ناشتہ کیا۔ شنان میں اور یہاں انڈے۔ شکر اور روٹی کی وہی افراط نظر آئی جو ہم نے وسط یوروپ کے ممالک میں دیکھی تھی۔ ہر شخص بہت شوق سے انڈے کھا رہا تھا۔ متعامی وقت کے لحاظ سے دن کے دس بجے ہمارے طیارہ نے نیو فونڈ لینڈ سے پرواز کی۔ شنان سے گیانڈر تک مسلسل (۱۲) گھنٹے طیارہ میں بیٹھنا پڑا۔ نیو فونڈ لینڈ سے نکل کر پھر سمندر پر سے طیارہ گزرتا رہا اور دو بجے نیویارک کے ہوائی اڈہ لاگارڈیا پر اترا۔ جو سمندر کے کنارے واقع ہے۔ ہوا میں سے نیویارک شہر کے مضافات نظر آئے اس حصہ میں آسمان سے باتیں کرنے والے مکانات جسے اسکائی اسکیر کہتے ہیں نہیں دکھائی دیئے۔ ساحل کے کنارے جا بجا جہاز اور کشتیاں بہت کثرت سے دیکھی گئیں۔ سڑکوں پر موٹر کار جاتے ہوئے ایسے دکھائی دئیے جیسے کہ مکوڑوں کی قطار ہوتی ہے۔ کسٹم کی تنقیح میں تقریباً نصف گھنٹہ صرف ہوا اس اثناء میں میں نے دیکھا کہ ہر دس

پندرہ منٹ کو ایک بڑا طیارہ اس اڈہ سے روانہ ہو رہا تھا سامان اور پاسپورٹ
کے معائنہ کے بعد باہر نکلا تو دیکھا کہ نواب احسن یار جنگ بہادر کھڑے
ہیں جو ہمارے آنے کی اطلاع پاکر اڈہ پر آئے تھے۔ ان سے معلوم
ہوا کہ وہ نیو یارک شہر سے بیس میل باہر گاؤں کی ایک ہوٹل میں ٹھیرے
ہیں۔ میں نے فوراً تصفیہ کیا کہ شہر کی گنجان آبادی میں ٹھیرنے کے بجائے
گاؤں میں قیام بہتر ہوگا۔ راجہ پنا لعل جی نے شہر میں ٹھیرنا پسند کیا چنانچہ وہ
شہر چلے گئے اور میں نواب احسن یار جنگ بہادر کے ساتھ روانہ ہوا۔ دو
بج چکے تھے اس لیئے نواب صاحب مجھے راستہ میں ایک بستی کے رسٹوران
میں دوپہر کے کھانے کے لیئے لے گئے۔ کھانا کھاکر ہم (۴) بجے
برانکسول بستی میں گرامیٹن ہوٹل پہنچے نواب احسن یار جنگ بہادر کے کہنے
سے دو روز کے لیئے مجھے اس ہوٹل میں (۷۰) نمبر کا کمرہ ملا جو نواب صاحب
کے کمرہ نمبر (۶۰) سے قریب تھا۔ ہوٹل ایک پہاڑی پر واقع ہے۔
سہ منزلہ بنگلہ ہے کمپونڈ وسیع ہے نہایت پُرفضا اور خاموش جگہ ہے
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم ایک خانگی بنگلہ میں ٹھیرے ہیں جس وقت سے
نیو یارک پہنچا ہوں خاصی گرمی محسوس ہو رہی ہے دوپہر کا کھانا کھاتے
وقت کچھ پسینہ بھی محسوس ہوا۔ معلوم ہوا کہ کل سے گرمی کی لہر آگئی ہے
امریکہ کے متعلق سنتا تھا کہ جب گرمی کی لہر جسے ہیٹ ویو کہتے ہیں آتی
ہے تو یکایک پارہ بڑھ جاتا ہے چنانچہ آج کا پارہ (۸۵) درجہ پر ہے
شام کے (۵) بجے نواب احسن یار جنگ بہادر اور میں مسٹر ہنری فی ان کو ہار

کے مکان گئے جو ہوٹل سے پانچ میل کے فاصلہ پر مضافات میں واقع ہے
چھوٹا سا بنگلہ ہے جس کے اطراف دو ایکر کا چمن اور باغ ہے میں یہ لکھنا
بھول گیا کہ ہوائی اڈہ سے آتے ہوئے ہمارا موٹر ڈرائیور اڈہ کے اندرونی
سڑکوں پر ہی گم ہو گیا تھا حالانکہ وہ یہیں کا باشندہ ہے اس سے اندازہ
کیا جا سکتا ہے کہ یہ اڈہ کس قدر وسیع ہوگا۔ بیسیوں عمارات اور سڑکیں طیران گاہ
سے متعلق ایسے وسیع رقبہ میں بنائی گئی ہیں کہ ان میں سے نکل کر باہر جانا
ایک دشوار عمل ہے۔ نیو یارک کی موٹر ٹکسیاں بھڑکیلی زیادہ تر زرد اور
سرخ رنگ کی سات نشستی ہیں اکثر موٹر کاروں پر اسکائی ویو لکھا ہوا ہے
جو کمپنی کا نام ہے۔ چھوٹی موٹر کار کسی راستہ پر نظر نہیں آئی۔ پٹرول تقریباً
ایک روپیہ میں ایک گیالن ملتا ہے اس لیئے سب لوگ بڑی اور آرام دہ
موٹر کاریں استعمال کرتے ہیں۔ سواریاں سیدھی جانب چلائی جاتی ہیں۔
جس حصے میں سے ہم گزرے میں نے دیکھا کہ آنے اور جانے کی سڑکیں
علیحدہ علیحدہ ہیں جو بازو بازو ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف وسیع پارک
اور جنگل ہیں۔ آڑی سڑکیں مفقود ہیں۔ جہاں کہیں آڑی سڑکیں ہیں وہ
اونچے پلوں پر سے یا زمین کے نیچے سے ڈالی گئی ہیں گویا کہیں موٹریں
ایک دوسرے کو کاٹ کر نہیں جاتیں بلکہ علیحدہ علیحدہ راستہ سے آتی
جاتی ہیں۔ اس طریقہ کو یہاں کلو لیف سسٹم یعنے لونگ کے پتے کا طریقہ
کہا جاتا ہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ آمد و رفت کی نگرانی کے لیئے
پولیس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہوائی اڈہ پر سب حمال حبشی نظر آئے۔

موٹروں کے ڈرائیور بھی بالعموم حبشی ہیں جو انگریزی بہت اچھی اور صاف بولتے ہیں۔ امریکن انگریزی ایک خاص لہجہ میں بولتے ہیں حرف آر اور مرفیل کو کرخت طریقہ پر ادا کرتے ہیں۔ "ہاں" کے لیئے بجائے ایس کے 'یا' کہتے ہیں۔ شام کے (۶) بجے سے موسم میں خفیف سی خنکی پیدا ہوگئی اور گرمی کی ناگواری کم ہوگئی۔ رات میں مسٹر اور مسز ہنری کو ہارن نے ڈانی برو نامی رسٹوران میں کھانا کھلایا۔ یہ رسٹوران ایک قریب کے موضع میں واقع ہے۔ بہت سکون کے ساتھ ہم نے کھانا کھایا۔

نواب احسن یار جنگ بہادر نے مجھے نیویارک ٹائمس کا آج کا روزانہ اخبار دکھلایا۔ اخبار کیا ہے ایک کتاب ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے پہلا حصہ یعنے سکشن (۱) جو بیس صفحوں کا ہے اسکا عنوان "تمام اشاعت کے لائق خبریں" ہے دوسرا حصہ سکشن نمبر (۲) مضمون نگاروں کے مضامین کا ہے اس کا حجم (۴۸) صفحے کا ہے۔ تیسرا حصہ ڈرامہ۔ میوزک اسکرین۔ آرٹ ریڈیو اور ڈانس سے متعلق ہے جو (۱۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ چوتھا حصہ فروخت کرنے والوں اور خریداروں کے اشتہارات کا ہے اس کا حجم (۸) صفحے ہے۔ پانچویں حصہ میں اڈیٹر کی مراسلت ہے جس کے (۸) صفحے ہیں۔ چھٹا حصہ جو (۶) صفحوں کا ہے اس کا عنوان اسپورٹ جہاز سے حمل و نقل اور موسم ہے ساتواں اور آٹھواں حصہ بابواری اشتہارات کا ہے جو (۱۶) صفحوں کا ہے۔ اسی ۸۔ ستمبر کے نیویارک ٹائمس کا ایک ضمیمہ (۳۶) صفحوں کا کتابوں کے ریویو سے

متعلق ہے۔ ۸۔ستمبر کا نیویارک ٹائمس میگزین (۶۴) صفحوں کا ہے جو اس روزانہ اخبار کے ساتھ ہی فروخت ہوتا ہے میرا خیال ہے کہ اگر اس ایک دن کی ان اشاعتوں کو تفصیل کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے لیئے کم سے کم (۱۵) دن درکار ہوں گے۔کسی ملک کے تمدن کا اندازہ وہاں کے اخبارات سے لگایا جاتا ہے۔یعنی صحافتی معیار کیا ہے کتنے اخبار کس تعداد میں شائع ہوتے ہیں اس لحاظ سے دیکھا جائے تو نیویارک کو شاید دنیا میں اولیت حاصل ہے محض اشتہارات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ نیویارک کی صنعت و تجارت اور یہاں کا لین دین تمام ممالک سے بڑھا ہوا ہے اور دنیا کی ساری دولت سمیٹ کر یہیں آگئی ہے۔

دوشنبہ ۹۔ستمبر علی الصبح راجہ پنا لعل صاحب نے ٹیلیفون سے اطلاع دی کہ شہر میں کسی ہوٹل میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے وہ بھی ہماری ہوٹل میں کمرہ لے کر ٹھیرے ہیں۔ناشتہ سے فارغ ہوکر (۱۰) بجے نواب احسن یار جنگ راجہ صاحب اور میں براڈکسویل ریلوے اسٹیشن گئے جو ہوٹل سے ایک فرلانگ کے اندر واقع ہے۔معلوم ہوا کہ صبح (۷) بجے سے لے کر (۹ ۱/۲) بجے تک لوکل ٹرینیں ہر پندرہ منٹ کو جاتی ہیں اور دس بجے کے بعد ایک ایک گھنٹہ کے فاصلہ سے چلتی ہیں چنانچہ ہم (۱۱) بجے کی ٹرین سے روانہ ہوکر (۱۲) بجے گرانڈ سنٹرل اسٹیشن نیویارک پہنچے۔اسٹیشن سے باہر آتے ہی ایسا

معلوم ہوا کہ کسی دوسری دنیا میں آ گئے ہیں۔ ہر طرف آسمان سے باتیں کرنے والی عمارتیں نظر آئیں۔ بعض اتنی اونچی ہیں کہ کسی دیوار یا کھمبے سے سہارا لیئے بغیر عمارت کی چوٹی تک نہیں دیکھ سکتے سب سے پہلے ہم نے اسکر کوہارن کے دفتر جا کر آئندہ کا پروگرام بنایا اور ایک بجے مسٹر ہنری کوہارن اور ان کے بھائی مسٹر رالف وان کوہارن کے ساتھ ڈیبو نے رستوران میں دوپہر کا کھانا کھایا۔ لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ (۲) بجے کھانے سے فارغ ہو کر نواب احسن یار جنگ بہادر اور میں تھامس کُک کے دفتر گئے اس کے بعد راک فیلر سنٹر کی (۷۰) منزلہ عمارت دیکھنے گئے داخلہ کے لیئے ٹکٹ مقرر ہے۔ سیر کرنے والوں کی دس پندرہ ٹولیاں بنا کر ایک رہبر کے ساتھ عمارت کے مختلف حصوں میں گھمایا جاتا ہے۔ اس عمارت کے تین منزل زمین کے اندر بنائے گئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک بڑا محلہ زمین کے اندر ہے سیکڑوں موٹر لاریاں سامان لے کر زمین کے اندر کے حصہ میں آتی جاتی ہیں۔ مشین کے ذریعہ صاف ہوا پہنچائی جاتی ہے عمارت بارہ ایکر اراضی پر بنائی گئی ہے۔ مغربی حصہ کی عمارت کو ریڈیو سٹی کہا جاتا ہے اس کا مخفف نام آر۔ سی۔ اے ہے۔ اس کے اندر دفاتر نشر گاہیں۔ رستوران۔ تھیٹر اور دکانیں وغیرہ واقع ہیں عمارت کے داخلے کے سامنے زمین کی سطح سے (۱۸) فیٹ نیچے ایک حوض اور چمن ہے جسے راک فیلر پلازا کہتے ہیں یہاں موسم گرما میں لوگ ناچتے ہیں اور سرما میں برف پر کھیلتے ہیں۔

عمارت کے ایک حصہ میں ریڈیو سٹی میوزک ہال ہے یہ دنیا کا سب سے بڑا تھیٹر ہے جس میں (۶۵۰۰) اشخاص بیٹھ سکتے ہیں۔ چالیسویں منزل کے اوپر کھلی چھت پر چمن لگایا گیا ہے جس میں ہریالی اور پھولوں کے پودے ہیں۔ سترویں (۷۰) منزل کے اوپر ابزرویٹری ٹاور ہے جہاں سے شہر کا نظارہ دور دور تک ملتا ہے۔ سوا دو گھنٹے اس عمارت کو دیکھنے میں لگے۔ اس کے بعد ہم امپائر اسٹیٹ بلڈنگ دیکھنے گئے جو نیویارک کی بلند ترین عمارت ہے یہاں بھی داخلہ کا ٹکٹ خریدنا پڑتا ہے۔ اس عمارت کے (۱۰۲) درجے ہیں اور زمین کے اندر دو درجے ہیں اسمیں (۸۰۰۰۰) آدمی رہتے اور کام کرتے ہیں۔ بلندی (۱۲۵۰) فیٹ ہے۔ بجلی کے لفٹ اس قدر تیز چلتے ہیں کہ پلک جھپکنے میں کئی منزل اوپر چلے جاتے ہیں عمارت کے (۱۰۲) منزلوں سے اوپر ایک مینار یعنے ٹاور بنا ہوا ہے جو تقریباً (۵۰) فیٹ اونچا ہوگا۔ اس مینار کے اطراف کھلی چاندنی ہے جہاں سے نیویارک پورے شہر کا نظارہ ملتا ہے کچھ عرصہ ہوا کہ اس عمارت کی (۶۹) منزل سے ایک طیارہ ٹکرایا تھا۔ چاندنی پر جا بجا بڑے بڑے دوربین نصب ہیں۔ اوپر سے ایک طرف ایسٹ ریور اور دوسرے جانب سے ہڈسن ندی بہتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ دونوں ندیاں ایک مقام پر جاکر ملجاتی ہیں اور شہر ایک جزیرہ بن جاتا ہے اس جزیرہ کا قدیم نام میان ہیٹن ہے جس پر نیویارک شہر کا مرکزی حصہ واقع ہے ان ندیوں پر جا بجا زبردست پل باندھے گئے ہیں ان میں سے قابل دید پل

جارج واشنگٹن برج ہے یہ دنیا کا سب سے بڑا معلق پل ہے جو ہڈسن ندی پر ڈالا گیا ہے اس پل پر سے نیویارک شہر کے ایک پہلو کا بہترین نظارہ ملتا ہے جن کمانوں پر دونوں جانب پل کا وزن ڈالا گیا ہے وہ تقریباً (۱۵۰) فیٹ بلند ہوں گی۔

نیویارک ایک تنگ اور لانبا جزیرہ ہے ناف شہر میں میان ہیٹن کی لمبائی (۱۸) اور (۲۰) میل کے درمیان ہے اور چوڑائی پانچ چھ میل ہے ایک معینہ خاکہ پر اس کو بسایا گیا ہے۔ لمبائی میں بڑی سڑکیں بالکل سیدھی ایک کے بازو ایک متوازی چلی گئی ہیں جنہیں ایوینو کہتے ہیں ہر ایوینو کو نمبر دیئے گئے ہیں مثلاً نمبر (۵) ایوینو یعنے ففتھ ایوینو وغیرہ۔ ان ایوینوز پر سے جو آڑی سڑکیں گئی ہیں اُنہیں اسٹریٹ کہتے ہیں ان کے کوئی نام جیسے دوسرے شہروں میں پائے جاتے ہیں نہیں ہیں بلکہ نمبر (۱) نمبر (۲) نمبر (۱۲) نمبر (۱۴) اسٹریٹ پکارے جاتے ہیں۔ لمبائی میں ایونیوز کے درمیان سے ایک بہت بڑی سڑک جسے براڈوے کہتے ہیں، شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے کو شمال سے لے کر جنوب تک چلی گئی ہے اس کے شرقی جانب جتنے اسٹریٹ ہیں اُنہیں ایسٹ اور جو مغربی جانب ہیں انہیں ویسٹ اسٹریٹ کہا جاتا ہے مثلاً نمبر (۱۰) ایسٹ ۴۲ سے مراد گلی نمبر (۱۰) ایسٹ کا مکان نمبر (۴۲) اسی طرح نمبر (۱۰) ویسٹ ۴۲ سے مراد گلی نمبر (۱۰) ویسٹ کا مکان نمبر (۴۲) امریکن چونکہ جمہوریت پسند ہیں اس لئے کسی شخص کے نام سے راستوں کے

نام نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں خطابات بھی نہیں دیئے جاتے۔ شخصی امتیازات کو یہاں پسند نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ لوکل ٹرینوں میں جس میں مجھے سفر کرنے کا موقع ملا صرف ایک ہی درجہ ہے۔ خاص میان ہیٹن کی آبادی (۱۹) لاکھ ہے۔ مضافات کو ملا کر (۷۵) لاکھ آبادی ہے۔

امپائر اسٹیٹ بلڈنگ دیکھنے کے بعد نواب احسن یار جنگ بہادر کو ایک ملاقات کے لیئے جانا تھا اس لیئے میں تنہا شہر کے دوسرے قابل دید مقامات دیکھنے میں مصروف رہا۔ ایک راہ رو سے دریافت پر معلوم ہوا کہ (۴۲) اسٹریٹ کے نکڑ سے ایک خاص بس تھوڑے تھوڑے وقفہ سے سیر کرنے والوں کو گھماتی ہے چنانچہ ایک ٹرالی بس میں بڑا اڈے کی سڑک پر چڑھ گیا جو اس گلی کو جارہی تھی جب میں نے دیکھا کہ ایک عرصہ تک کوئی شخص ٹکٹ کے پیسے لینے نہیں آیا تو پڑوسی سے دریافت کیا کہ مجھے (۴۲) بیالیسویں گلی میں اتر جانا ہے ٹکٹ کے پیسے کسے دوں اس نے تعجب سے پوچھا کہ آیا میں نے ڈرائیور کے باز کے ڈبے میں سوار ہونے سے پہلے دس سنٹ نہیں ڈالے میں نے کہا کہ میں ڈرائیور کے بازو والے دروازے سے سوار نہیں ہوا بلکہ پیچھے کے راستہ سے داخل ہوا تو اس نے کہا کہ یہاں کوئی کنڈاکٹر ٹرام یا ٹرالی بس میں نہیں رہتا اور نہ ٹکٹ دیا جاتا ہے بلکہ داخلہ کا جو دروازہ ڈرائیور کے بازو ہے وہاں ایک صندوق رکھا رہتا ہے

جس میں ہر مسافر دس سنٹ ڈال کر بس میں سوار ہو جاتا ہے اور جس دروازے سے میں داخل ہوا تھا اس میں سے اتر جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ اترتے وقت وہاں جاکر پیسے ڈال دوں گا چنانچہ ایسا ہی کیا۔ جس پڑوسی سے میری گفتگو ہوئی تھی مجھے اجنبی سمجھ کر وہ میرے ساتھ اس غرض سے ہو گیا کہ جس مقام سے سیر بینی کی بس نکلتی ہے مجھے وہاں پہنچا دے۔ چنانچہ پولیس والے سے دریافت کر کے مجھے اس آدمی سے ملا دیا جو بسوں کا انتظام کرتا ہے میں نے ان صاحب کا شکریہ ادا کیا اور دو ڈالر کا ٹکٹ خرید لیا۔ ایک ڈالر کی قیمت تقریباً ساڑھے تین روپیہ کلدار ہوتی ہے اور سو سنٹ کا ایک ڈالر ہوتا ہے۔ شام کے چھ بجے سیر کرنیوالی بس تقریباً (۲۵) مسافروں کو لے کر نکلی اور نیویارک کی قابل دید بڑی سڑکوں پر سے مشہور مقامات کو دکھلاتے ہوئے گئی۔ بس میں کمپنی کے طرف سے ایک رہبر موجود رہتا ہے۔ جو ایک بڑی نلکی میں سے حالات بیان کرتا ہے۔ اس دورہ میں ہم واشنگٹن اسکوئر میں سے گزرے اس کے ایک سرے پر واشنگٹن آرچ ہے جو سنہ ۱۸۹۳ء میں بنائی گئی تھی بیچ میں ایک چوکونی کھلا میدان ہے جس کے اطراف مختلف عمارات ہیں۔ یہ اسکوائر بہت زیادہ وسیع نہیں ہے جیسا کہ پیارس کا اسکوائر ہے۔ اس کے ایک جانب راستہ کے بازو بہت اچھی اچھی رنگین قلمی تصویریں اور مصوری کے اعلیٰ نمونے فروخت کرنے والوں نے سیڑھیوں پر یا لوہے کی کٹگر پر آویزاں کئے تھے اور چینی کے اور

دوسرے سامان کی دکانیں بھی تھیں۔ قدیم شہر کے بعض حصوں میں سے
بھی ہم گزرے جہاں چھوٹے چھوٹے قدیم طرز کے مکانات ہیں۔ گلیاں
تنگ اور غلیظ ہیں۔ ہم ایک ایسے حصہ میں بھی گئے جہاں سڑک کے
اوپر سے لوہے کے کھمبوں پر مکانات کی تیسری منزل کے برابر اونچائی
سے ریل جاتی ہے اور نیچے پیدل اور موٹر کاروں کے راستہ ہیں۔
شہر کا یہ حصہ مجھے غلیظ معلوم ہوا۔ اسی سے متصل چینی لوگوں کی بستی ہے
جسے چیناٹاؤن کہتے ہیں۔ اس سارے محلہ میں چینی لوگوں کے رہائشی
مکانات اور ان کی دکانیں ہیں۔ بعض چینی بچے گھروں کے سامنے اسی طرح
کھیلتے ہوئے دکھائی دئیے جیسے ہندوستان میں سڑکوں پر بچے کھیلتے اور
شور کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ چینیوں نے اس محلہ میں چائے خانے
حجامت خانے ہوٹلیں اور قدیم چینی سامان کی دکانیں بہ کثرت لگائی ہیں
ایک مقام پر ایک کپڑے پر جلی حروف میں چینیوں کی (۲۸) ویں قومی مجلس
کے جلسہ کا اعلان لٹکا ہوا تھا۔ اور چینی قومی جھنڈے بہ کثرت سڑک پر
اور مکانات پر لگائے گئے تھے مسافروں کو اس محلہ میں اتار کر پیدل گھمایا
گیا۔ بعض چینی سڑک کے کنارے بڑے بڑے لکڑی کے اونچے
سوٹوں پر لوگوں کو بٹھلا کر جوتوں پر پالش کر رہے تھے۔ چیناٹاؤن
کو دیکھنے کے بعد ہم دریا کے کنارے اس مقام کو گئے جہاں اسٹیچو
آف لیبرٹی نصب ہے یہ مجسمہ نیویارک کے بندرگاہ میں ایک چھوٹے
سے ٹاپو پر جسے بیڈلو آئیلینڈ کہتے ہیں کھڑا کیا گیا ہے ۱۸۸۳ء میں

فرانس سے یہاں کی یونین کو تحفۃً بھیجا تھا۔ اس پر جانے کے لیئے ٹکٹ مقرر ہے۔ ٹکٹ گھر اس وقت بند ہو چکا تھا اس لیئے ہم جا نہ سکے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مجسمہ (۱۵۰) فٹ بلند ہے اور دریا کے پانی سے چبوترہ کو ملاکر (۳۰۰) فٹ بلندی ہے۔

واپسی میں ہمیں وال اسٹریٹ سے لایا گیا۔ یہاں ہر قسم کے مالی کاروبار۔ شیر مارکٹ۔ اسٹاک ایکسچینج اور کاروباری گھر ہیں دنیا میں روپیہ۔ سونا۔ چاندی اور شیرز کا جس قدر لین دین وال اسٹریٹ سے زیادہ کہیں نہیں ہوتا۔ اس مرکز میں ذراسی جنبش ہو جاتی ہے تو تمام دنیا کے ممالک کے کاروبار اس سے متاثر ہو جاتے ہیں وال اسٹریٹ نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جس وقت سفید اقوام نے اس جزیرہ پر قبضہ کیا تو ریڈ انڈین مقامی باشندوں کے حملہ سے محفوظ رہنے کے لیئے شہر کی انتہائی حد پر ایک دیوار کھڑی کی تھی اس لیئے اس کا نام وال اسٹریٹ پڑ گیا۔ اس سے قریب آٹھویں ایونیو کے بازو (۳۱ اور ۳۲) نمبر کی اسٹریٹ میں یہاں کا پوسٹ آفس ہے۔ جو دنیا میں سب سے بڑا سمجھا جاتا ہے۔ رات اور دن کھلا رہتا ہے کئی بڑے ہال پارسلوں سے بھرے پڑے تھے۔ (۲۳) نمبر کی اسٹریٹ کے درمیان میں جہاں راستہ قینچی کے پرلوں کی طرح دو طرف جاتا ہے ایک بہت بلند عمارت ہے یہ اس قدر پتلی ہے کہ اسے فلاٹ ایرن کہا جاتا ہے کیونکہ شکل میں بھی چپٹے لوہے کی ناٹ جیسی ہے۔ یہ پہلی عمارت ہے جو

نیو یارک میں لوہے کے ستونوں اور جو کھٹوں پر بنائی گئی تھی۔

سہ شنبہ ۱۰ ستمبر | نیو یارک کی سڑکیں اگرچہ کہ کافی چوڑی ہیں اس پر بھی روشنی اور ٹیلیفون کے تار سب زمین کے نیچے ڈالے گئے ہیں جس سے نہ صرف راہ روؤں کی حفاظت ہوگئی ہے بلکہ سڑک کی خوبصورتی میں اضافہ ہو گیا ہے نیو یارک میں سب سے زیادہ ہجوم کا مقام وہ ہے جہاں براڈوے سے پانچویں الیونیو کو کاٹتے ہوئے (۴۲) ویں اسٹریٹ ملتی ہے۔ یوں تو سارا براڈوے دکانوں کی آرائش اور لوگوں کی آمد و رفت اور کاروبار کے لحاظ سے سب شاہراؤں سے بڑھا ہوا ہے۔ آج دن میں میں نے کسی قدر تفصیل سے نیو یارک کو دیکھا۔ برانکسول ریلوے اسٹیشن سے جہاں گرامیاٹن ہوٹل سے آج صبح (۹ ½) بجے روانہ ہوا۔ ایک دو بستیاں گزرنے کے بعد مسلسل کاروباری بستیاں ملتی ہیں جن میں گاؤں کی پرسکون فضاء نظر نہیں آتی۔ نیو یارک کے اسٹیشن کے قریب بھنیارہ ملتا ہے اور شہر میں داخل ہوتے ہوئے ریل لوہے کے کھمبوں پر سڑکوں کے اوپر سے جاتی ہے۔ نیو یارک کے گرانڈ سنٹرل اسٹیشن میں زمین دوز پلیٹ فارم پر جاکر ٹرین ٹھیرتی ہے۔ سات ریلوں کے ٹرمینل نیو یارک میں واقع ہیں ایک اور سنٹرل اسٹیشن شہر کے دوسرے حصہ میں ہے جو چیزیں نیو یارک کو دنیا کے دوسرے ممالک سے ممیز کرتی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:-

(۱) سات ریلوں کا اختتامی اسٹیشن یعنے ٹرمینل ہے جہاں روزانہ (۶۵۰) گاڑیاں آتی جاتی ہیں اس اسٹیشن پر (۷۰) پلاٹ فارم ہیں جسے ٹراک کہتے ہیں۔

(۲) سمینٹ یا ڈانبر کی پختہ سڑکوں کا طول محض نیویارک میں (۳۴۰۰) میل ہے۔

(۳) چھ لاکھ پچاس ہزار عمارتیں ہیں جن میں (۴۳۰۰) عمارتیں دس یا دس سے زاید منزلہ ہیں۔

(۴) (۲۰۰) سے زاید پارک اور (۱۷۰) کھیلنے کے میدان ہیں۔

(۵) سالانہ پانچ ہزار سے زاید جہاز نیویارک کی بندرگاہ میں آتے ہیں۔

(۶) اوسطاً (۳) لاکھ اشخاص روزانہ باہر سے یہاں آتے ہیں۔

(۷) ٹیلیفونوں کی تعداد (۳۰) لاکھ ہے جو لندن پیارس۔ برلن روم اور برسلز کی مجموعی تعداد سے زیادہ ہے۔

(۸) دنیا کے کسی شہر میں اتنی موٹر کاریں نہیں ہیں جتنی کہ یہاں کے لوگوں کے پاس ہیں۔

(۹) دنیا کی سب سے لمبی شہری سڑک براڈوے نیویارک میں ہے۔

(۱۰) وال اسٹریٹ میں جو رقمی کاروبار ہوتا ہے وہ کسی اور جگہ دنیا میں اس پیمانہ پر نہیں ہوتا۔

(۱۱) امپائر اسٹیٹ بلڈنگ دنیا کی سب سے اونچی عمارت ہے، جو ۱۰۲ منزلہ اور (۱۲۵۰) فیٹ بلند ہے۔

(۱۲) شہر کے راستے اور گلیاں ایسے خاکہ پر ڈالی گئی ہیں کہ ایک اجنبی شخص بھی دو روز میں ان کو سمجھ کر سارے شہر کے راستے نمبروں کی مدد سے بآسانی معلوم کر لیتا ہے۔ چنانچہ دوسرے ہی روز میں بلا کسی مدد کے سارے نیویارک میں گشت لگا سکا۔ نیویارک کے شہر کا وہ حصہ جو میان ہیٹن جزیرہ پر واقع ہے طول میں تخمیناً (۱۸) میل اور عرض میں کہیں دو میل اور کہیں (۵ یا ۶) میل ہے۔ براڈ وے جو شہر کے کم و بیش وسط سے گزرتا ہے وہ ترچھا گیا ہے۔ چنانچہ شمال کا آخری کونا دریائے ہڈسن سے کچھ ہی فرلانگ دور ہے اور آڑی گلیوں میں سے ندی صاف نظر آتی ہے۔ نیویارک کے پانچ بارو یعنے اضلاع ہیں:۔

(۱) میان ہیٹن۔

(۲) برانکس۔

(۳) بروکلین۔

(۴) کوئینس۔

(۵) رچمنڈ۔

ان پانچوں کا رقبہ (۳۲۰) مربع میل ہے۔ اور آبادی ساڑھے ستر لاکھ ہے۔ دنیا کے دوسرے قدیم شہروں کے مقابلہ میں نیویارک کم سن ہے جس کی عمر (۱۵۰) سال کی ہے بایں ہمہ اس وقت دولت ثروت اور امارت میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔

مجھے امریکن لوگ طبیعت کے خشک معلوم ہوئے۔ میرا خیال ہے کہ دولت کی وجہ سے ان میں رعونت آگئی ہے ہر وقت دولت پیدا کرنے اور کاروبار کو آگے بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں اس لیئے مروت کا نقدان ضروری ہے تجارت کو بڑھانے کے لیئے ان کا دماغ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ نئی نئی جدتیں کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگ، نئی طرز کا مال خریدتے رہیں بعض وقت قدیم طرز کی اشیاء کو ضائع کر دیتے ہیں تاکہ وہ دستیاب ہی نہ ہوسکیں اور نئے مال کو فروغ ہو۔ موٹر کاروں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ہر وقت راستوں اور گلیوں میں موٹروں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ دوپہر میں لنچ کے وقت اور شام میں جب دفاتر اور کارخانے بند ہو جاتے ہیں تو سارے موٹروں اور پیدل چلنے کے راستے پٹے رہتے ہیں۔ موٹر کار آٹھ قطاروں میں پہلو بہ پہلو چلتی رہتی ہیں۔ اور لوگ شانہ سے شانہ رگڑتے ہوئے چلتے رہتے ہیں۔ سڑکوں کو پار کرتے وقت بہت احتیاط کی ضرورت ہے حفاظت اسی میں ہے کہ جس وقت سواریوں کو روکنے کے لیئے سرخ روشنی کھمبوں پر نمودار ہوتی ہے صرف اسی وقت راستہ عبور کیا جائے۔

جس کثرت سے یہاں حبشی نظر آتے ہیں وہ یورپ کے کسی اور شہر میں مجھے نظر نہیں آئے۔ حبشی مرد زیادہ تر ریلوے اسٹیشن۔ ہوائی اڈہ کے اسٹیشن۔ طعام خانوں اور لفٹ پر کام کرتے ہیں۔ سڑکوں پر سفید فام مزدوروں کے ساتھ بھی کام کرتے ہوئے دکھائی دیئے ان کی عورتیں لفٹ پر یا ہوٹلوں میں میڈ کا کام کرتی ہیں۔ مرد اور عورت دونوں قویٰ کے مضبوط ہیں اکثر بہت بدشکل ہیں۔ مرد عورت دونوں انگریزی لباس پہنتے ہیں اور سب کے سب کرستان ہیں۔ حبشی عورتیں سفید عورتوں کی پکی تقلید کرتی ہیں نہ صرف لباس۔ پاتابے اور جوتے پہنتی ہیں بلکہ ہونٹوں اور گالوں پر گلابی اور سُرخ رنگ بھی لگاتی ہیں۔ سیاہ تاب چہروں پر یہ سرخ رنگ بہت خراب معلوم ہوتا ہے۔ غربت کے عالم میں ہیں۔ معیار زندگی بہت پست ہے مجھے یہ دیکھ کر مسرّت ہوئی کہ ان کے ساتھ سفید فام اشخاص کا برتاؤ بُرا نہیں ہے یہ ہر جگہ جاتے ہیں۔ موٹر بس ٹرام اور ریل میں برابری کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔ ان پر بڑے بڑے مظالم کی خبریں سننے میں آئی تھیں مگر اب وہ کیفیت باقی نہیں ہے یہ صورت حال میں نے نیویارک کی بیان کی ہے۔ سنتا ہوں کہ اب بھی جنوبی امریکہ میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ مجھے سخت حیرت ہے کہ سفید فام عورتیں جہاں کتوں سے انتہائی محبت رکھتی ہیں۔ ان کے مرد حبشیوں سے کتوں سے بھی بدتر برتاؤ کرتے ہیں۔

نیو یارک کی کرایہ کی موٹر کاروں کا رنگ نہایت بھڑک دار ہے اکثر پیلی اور ان پر لال پٹیوں کی بعض لال اور پیلے پٹیوں کی اور بعض سبز اور سفید پٹیوں کی ہیں۔ چمکدار رنگین کپڑوں کا رواج نیو یارک میں یوروپ کے مقابلہ میں زیادہ دیکھا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ دھوپ کافی نکلتی ہے اور گہرے رنگ چمکتے ہوئے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ مسٹر ہنری کوہارن شہر کی بعض امتیازی ہوٹلوں میں ہمیں لنچ اور ڈنر کے لیئے لیئے گئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ امریکن کھانے کو ایک کاروبار سمجھتے ہیں کچا کچ میزوں پر بھر جاتے ہیں کہنی ہلانے کو جگہ نہیں ملتی ہڑا ہڑی میں کھا کر نکل جانا پڑتا ہے۔

چہارشنبہ ۱۱ ستمبر | صبح کے دس بجے مسٹر ہنری کوہارن کے دفتر گیا تاکہ ٹینیسی ویالی کے کاموں کو دیکھنے کے لیئے ناکس وِل جانے کا جو انتظام وہ ہوائی جہاز اور ہوٹل کا میرے لیئے کرنے والے تھے اس سے واقفیت حاصل کروں۔ وہ موجود نہ تھے۔ مگر ان کے چھوٹے بھائی مسٹر رالف و ان کوہارن سے نیو یارک کے قابل دید مقامات سے متعلق کچھ دیر گفتگو رہی۔ میں نے کونی آئیلینڈ اور قدیم باشندے ریڈ انڈین کی بستی دیکھنے کا خیال ظاہر کیا انھوں نے حبشیوں کی بستی ہیارلیم کو بھی دیکھنے کی رائے دی اور کس مقام سے کس وقت ان مقامات کو جانا چاہیئے اس کی نسبت بھی نوٹ مرتب کر کے دیا۔ امریکیوں کے متعلق میں نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ روپیہ کمانے کی دوڑ دھوپ میں

کی مشین ہیں۔ ان کا دل کام نہیں کرتا بلکہ صرف دماغ کام کرتا ہے۔ مسٹر رالف کوہارن نے کہا کہ نیویارک کی حد تک میرا مشاہدہ درست ہوسکتا ہے۔ مگر اس معیار سے سارے امریکہ کے باشندوں کو جانچنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ وسطی اور جنوبی امریکہ کے لوگ ان سے مختلف ہیں۔ نیویارک میں مختلف نسلوں کے لوگ بستے ہیں اور ایک مخلوط کاروباری مرکز بن جانے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کے عادات خاص ہیں۔

لنچ کے بعد دو بجے ہیارلم کی بستی کو دیکھنے نکلا۔ یہ بستی (۱۲۵) نمبر کی اسٹریٹ پر واقع ہے۔ میں (۴۲) نمبر کی اسٹریٹ سے ٹرام کار میں سوار ہو کر تقریباً نصف گھنٹہ میں وہاں پہنچ گیا۔ حبشیوں کی یہ بستی اسٹریٹ نمبر (۱۲۵) سے کچھ فرلانگ کے فاصلہ کے بعد شروع ہو جاتی ہے۔ مکانات دو منزل سے چار منزل تک ہیں۔ سڑکیں کافی چوڑی ہیں۔ معمولی اور اوسط قسم کی دکانیں۔ طعام خانے۔ حجامت بنانے غرض کے تمام ضروریات شہر یہاں مہیا ہیں۔ سفید فام لوگ بہت کم نظر آئے۔ ہر طرف حبشی مرد و عورت اور بچے دکھائی دیئے۔ ہیارلم میں (۳) لاکھ حبشی باشندے رہتے ہیں ان کا معیار زندگی بہت پست ہے۔ مرد عورت مکانات کے سامنے سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور بچے جن میں بعض ننگے پیر بھی تھے سڑک پر اور پیدل چلنے کے راستہ پر سفید چاک سے لکیریں ڈال کر کھیل رہے تھے۔ ایک دکان کی تختی پر یہ پڑھ کر کہ یہاں صرف خواص کے لیے حسن بنانے کا انتظام ہے

مجھے ہنسی آئی۔ اس غربت میں حبشیوں کا محنت کاری پر پیسہ صرف کرنا کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ہیارلم دیکھ کر میں ٹرام کار ہی سے واپس ہوا ایک مسافر سے یہ معلوم ہونے پر کہ (۱۱۶) نمبر کی گلی کے قریب نیویارک کی قدیم کولمبیا یونیورسٹی واقع ہے اس گلی پر اتر گیا۔ ایک فرلانگ سے بھی کم فاصلہ سے یونیورسٹی شروع ہو جاتی ہے۔ اس یونیورسٹی کی سادگی کا میرے قلب پر گہرا اثر ہوا۔ اکثر عمارات تراشیدہ پتھر کی بالکل سادی وضع کی ہیں۔ پہلے ایک جانب کنگس کالج اور اس کے مقابل کتب خانہ کی عمارات ملتی ہیں دونوں کے بیچ میں سے عام راستہ ہے۔ اس کے آگے دوسرے شعبوں سے متعلق عمارات ہیں۔ یہ یونیورسٹی ۱۷۵۴ء میں قائم ہوئی تھی۔ آج براڈوے کے جس حصہ پر سے میں ہیارلم گیا۔ اس کے ایک چوراہے پر کرسٹافر کولمبس کا مجسمہ واقع ہے۔ اس مجسمہ کے پاس سے براڈوے کے دو شق ہو جاتے ہیں بیچ میں چمن کی تنگ پٹی مسلسل چلی گئی ہے جس کے دونوں بازو آمد و رفت کے لیئے راستے چلے گئے ہیں۔ جیسے جیسے براڈوے کے اس حصہ پر آگے جاتے ہیں دکانیں اور عمارات کم درجہ کی ملتی ہیں البتہ موٹر کار کمپنیاں کثرت سے ہیں۔ نیویارک شہر کا رات کا منظر بہت ہی خاص ہوتا ہے۔ براڈوے کا وہ حصہ جہاں ٹائمس اخبار کی عمارت واقع ہے اور جسے ٹائمس اسکوئر کہتے ہیں بے انتہا جگمگاتا رہتا ہے ٹائمس کی عمارت کے اطراف روشنی کے حروف ایسی خوبی سے حرکت کرتے اور چکر لگاتے رہتے ہیں کہ خواہ مخواہ نظر اس طرف کھنچتی ہے۔

سینما گھروں پر رنگ برنگ کے ہزاروں بجلی کے قمقمے اس طرح کھلتے بند ہوتے اور جگمگاتے ہیں کہ آنکھ نہیں ٹھیرتی۔ نیویارک کا سب سے بڑا سینما راکسی سینما ہے کہا جاتا ہے کہ دنیا میں اس سے بڑا سینما نہیں ہے بعض سینما گھر سڑک پر اونچے پردے لگاکر روشنی کے پتلوں کا ناچ اس طرح دکھاتے ہیں کہ گھنٹوں دیکھتے رہنے پر بھی سیری نہیں ہوتی۔ ایک طعام گھر نے بجلی کے پردے پر کیتلی میں سے پیالی میں چائے گرنے اور اس میں سے گرم بھاپ نکلنے کا متحرک اشتہار لگایا ہے جو بہت جاذب نظر ہے اس سڑک پر رات کا سین دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے الفاظ میں ادا نہیں ہو سکتا۔ براڈوے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ رنگ برنگی روشن بلوروں کا ایک طویل باغیچہ ہے جس میں آتشبازی چھوٹ رہی ہے۔ میں نے ایسی روشنی کسی شہر میں نہیں دیکھی۔ جہاں امریکہ والوں نے دوسری چیزوں میں اور ملکوں پر سبقت حاصل کی ہے وہاں تشہیر کے فن کو بھی بڑی ترقی دی ہے۔

رات کے (۹) بجے کیپیٹل ایرولائنس کے ہوائی اڈہ پر گیا تاکہ ٹینسی ویالی دیکھنے کے لیئے ناکسول جاؤں۔ راجہ بنالعل صاحب اور مسٹر جادیری دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے ٹینسی ویالی کے اس مرکز کو دیکھنے کے لیئے نہ آسکے۔ ہوائی اڈہ کو جاتے ہوئے پل پر سے نیویارک شہر کے ایک حصہ کا نظارہ قابل دید ہے۔ امپائر اسٹیٹ بلڈنگ کی عمارت ایسی دکھائی دیتی ہے کہ گویا ایک منور ستون کھڑا ہے

سب سے اوپر کا مینارہ ایک شعلہ معلوم ہوتا ہے بعض بلند عمارتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ آسمان سے لاکھوں قندیلیں لٹک رہی ہیں۔ بعض عمارتیں ایسے نظر آتے ہیں کہ پہاڑ پر چراغان کئے گئے ہیں۔ طیارہ جس وقت شہر پر سے پرواز کرتا ہے تو جہاں تک نظر کام کرتی ہے زمین پر روشنی ہی روشنی نظر آتی ہے میرا خیال ہے کہ نیو یارک شہر کی حقیقی وسعت کا اندازہ صرف رات ہی میں طیارہ سے ہوسکتا ہے۔ دن میں امپائر بلڈنگ پر سے شہر کا منظر ضرور ملتا ہے مگر چونکہ اکثر کہر رہتی ہے اسلئے دھندلا پن رہتا ہے۔ نصف گھنٹہ اس روشن شہر پر سے گزرنے میں لگا اور وہ بھی اس کے صرف ایک حصہ پر سے۔ دوران پرواز میں ہر دس پندرہ منٹ کے بعد ایک بستی نظر آتی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر جا بجا کہکشاں پھیلے ہوئے ہیں۔ کسی بستی پر اگر ابر آجاتا تو ابر میں سے روشنیاں بالکل تاروں جیسی دکھائی دیتی تھیں وہ سماں عجیب ہوتا ہے جب کہ آسمان اور زمین پر تارے نظر آتے ہوں۔ رات کے (۱۲) بجے پٹس برگ پر چند منٹ کے لیئے طیارہ اترا یہاں سے دوسری پرواز دو گھنٹہ کی رہی۔ رات کے دو بجے ناکسول کے طیران گاہ پر جو بستی سے تقریباً (۱۰) میل کے فاصلہ پر طیارہ پہنچا۔ کمپنی کی موٹر کار میں مسافروں کو ان کے قیام گاہ تک پہنچایا گیا۔ میرے قیام کا انتظام اینڈروجیکسن ہوٹل میں تھا۔ ہوٹل پہنچ کر دیکھا تو وہاں کی گھڑی میں ایک بجا تھا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ نیو یارک کے اور یہاں کے وقت

میں ایک گھنٹہ کا فرق ہے میں نے اپنی گھڑی درست کرلی مقامی وقت کے لحاظ سے گھڑی کو درست نہ کرلیا جائے تو بڑی مشکلات واپسی کے وقت پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اندیشہ رہتا ہے کہ ٹرین یا طیارہ میں وقت پر سوار ہونے سے نہ رہ جائیں۔ جس طیارہ سے میں ناکسول آیا وہ اس طیارہ سے بھی بڑا تھا جس میں لندن سے نیو یارک آیا تھا طیارہ کیا تھا ایک بڑا گھر تھا۔ دوران پرواز میں رات کے بارہ بجے کے قریب یکایک شدت کی سردی محسوس ہونے لگی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں جاڑے کے بخار کا حملہ تو مجھ پر نہیں ہوا ہے۔ طیارہ کی ملازمہ جسے اسٹورڈیس کہتے ہیں گرم کافی اور بسکٹ مسافروں کو دینے لگی۔ کافی پینے سے جسم میں گرمی آئی اور آرام ہوا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت طیارہ زیادہ بلندی پر چلا گیا تھا جس وقت ہم لندن سے نیو یارک آرہے تھے اس وقت بھی طیارہ کے جسم میں گرم ہوا پہنچائی جارہی تھی اور بار بار ملازمین آکر طیارہ کے بازوؤں کو ہاتھ لگا کر دیکھ رہے تھے کہ گرم ہیں یا نہیں۔

لندن سے نیو یارک آتے ہوئے اور پھر آج شب ناکسول کو پرواز کرتے ہوئے بار بار مجھے قرآن شریف کی اس آیت کا خیال آتا رہا جس میں باری تعالی نے ارشاد فرمایا ہے علّم الانسان مالم یعلم۔ ہم نے انسان کو وہ علم سکھلائے جس سے وہ ناواقف تھا۔ اگر خداوند عالم انسان کو عقل نہ دیتا اور اس کے استعمال کا طریقہ،

نہ بتلاتا تو آج اس بام ترقی پر وہ پہنچ نہ سکتا تھا اس میں ایک باریک راز ہے
جسے سب نہیں سمجھتے بالخصوص مادہ پرست یعنے یہ کہ خدا کی دی ہوئی عقل
کو صحیح طریقہ پر استعمال کر کے انسان بے شمار فوائد حاصل کرسکتا ہے اگر
وہ اس نعمت کو غلط طریقہ پر استعمال کرے تو اس میں اسی کا خسارہ ہے
مثلاً اسی طیارہ کو لیجیئے کہ ہم کس قدر آرام سے اور کس قدر جلد اس میں بیٹھ کر
ایک مقام سے دوسرے مقام کو جا سکتے ہیں اور ہوا میں اُڑتے ہوئے
خدا کی پیدا کی ہوئی کائینات کو دیکھ کر اس سے لطف اُٹھا سکتے ہیں۔ اگر ہم
طیارہ کو بم گرانے کے لیئے استعمال کریں تو اس سے کس درجہ مخلوق کو نقصان
پہنچتا ہے۔ مادہ پرست انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس نے اپنی عقل اور کاوش
سے اور سائنس کی مدد سے سب چیزیں بنائی ہیں حالانکہ ذرا سے غور سے
یہ بات ذہن میں بآسانی آتی ہے کہ جن اجزاء اور اشیاء کو استعمال کر کے
انسان نے ریڈیو - طیارہ - ایٹم بمب وغیرہ بنائے تو کیا ان سب اجزاء
اور اشیاء کا بنانے والا اللہ نہیں ہے کیا یہ اجزاء ہوا میں پانی میں اور
زمین میں اللہ جل شانہ نے پہلے سے مہیّا نہیں کی تھیں۔ اس نکتہ کو سمجھنے
کے ساتھ ہی خدا کی لامحدود قدرت اور انسان کی بے بساتی واضح ہوجاتی
ہے۔ اس میں بھی خدا ہی کا ہاتھ نمایاں ہے کہ انسان ہی کے ہاتوں جب
وہ صحیح راستہ سے بھٹک جاتا ہے تباہ کن ہتیار بنوا کر اسے نیست و نابود
کر دیتا ہے چنانچہ ایٹم کی قوت کا اگر صحیح استعمال انسان نے نہیں کیا تو اپنے
ہاتوں آپ تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ ایٹم بمب کے ضمن میں یہ لائق ذکر ہے کہ

ناکسول سے (۲۵) میل کے فاصلہ پر ایک ورک شاپ ہے جہاں ایٹم بم بنایا گیا تھا۔ اس میں جانے کی اجازت نہیں ہے ورنہ اسے ضرور دیکھتا۔

پنجشنبہ ۱۲۔ستمبر | صبح (۸) بجے امریکن ایر لائنیس کے دفتر گیا تاکہ کل اس کمپنی کے ہوائی جہاز سے واشنگٹن جانے کا بندوبست کروں۔ ہوٹل کے نیچے کے ہال میں گیا پیڈمنٹ ایر ویز کمپنی کا ایک اسٹال نظر آیا جہاں ایک لڑکی کام کر رہی تھی۔ اس نے امریکن ایر لائنیس کے دفتر کا پتہ لکھدیا جس کی مدد سے میں اس دفتر پر آسانی سے پہنچ گیا۔ ہوٹل کے اسسٹنٹ منیجر نے مجھے پوسٹ آفیس کا ایک خط دیا جس میں مجھے اطلاع دی گئی تھی کہ میرے نام کا ایک رجسٹری شدہ خط پوسٹ آفیس میں ہے جہاں مجھے خود جاکر اسے حاصل کرنا چاہیئے چنانچہ ٹکسی کار لے کر پہلے پوسٹ آفیس سے خط حاصل کیا اس میں امریکن ایر لائنس کمپنی نے لکھا تھا کہ میرے لیئے ناکسول سے واشنگٹن جانے کا ٹکٹ ایجنٹ جنرل کے ایماء پر اجراء کر کے جگہ محفوظ کر دی گئی ہے۔ یہاں سے میں امریکن ایر لائنیس کے دفتر پر گیا جہاں ایک لڑکی نے بذریعہ ٹیلیفون کل کے طیارہ میں میری جگہ محفوظ کرا دی۔ طیارہ میں سفر کرنے والے مسافرین کے لیئے ضروری ہے کہ ٹکٹ اجراء ہونے کے باوجود ایک دن پہلے روانہ ہونے کا ارادہ ظاہر کر کے اس کی توثیق کر دیں تا وقتیکہ ایسا نہ کیا جائے اجراء شدہ ٹکٹ کو منسوخ متصور کر کے دوسرے شخص کے

نام اجراء کر دیا جاتا ہے۔ دس بجے ٹینیسی ویالی اتھارٹی کے دفتر پر گیا تا کہ وہاں کے عہدہ داروں سے مل کر ترقیات کے کاموں کو دیکھوں جن کا معائنہ کرانے کی نسبت ایجنٹ جنرل انڈیا نے لکھ دیا تھا چنانچہ ٹینیسی ویالی کے دفتر اطلاعات پر میں جب پہنچا تو ایک لڑکی نے مجھے فوراً مسٹر ہیاریل مہتمم افسر اطلاعات سے ملایا اور انھوں نے مجھے ساتھ لے جا کر مسٹر مارسین نامی ایک عہدہ دار سے تعارف کرایا۔ آخر الذکر نے ایک گھنٹہ تک نقشوں اور کاغذات کے ذریعہ یہاں کے مختلف کاموں سے واقف کرایا اور میرے سوالات کے جوابات دیئے۔ جس کے بعد میں دوپہر کے کھانے کیلئے لوٹا اور بموجب پروگرام ایک بجے پھر ٹینیسی ویالی کے دفتر پر گیا جہاں سے مجھے دو عہدہ داروں کے ساتھ سرکاری موٹر میں معائنہ کے لیئے روانہ کیا گیا۔ چالیس میل کے رقبہ کے کاموں کو میں نے دیکھا ٹینیسی ویالی کے پچاس ہزار مربع میل کے رقبہ میں یہاں آبپاشی۔ زراعت۔ طبابت وغیرہ غرض کہ ہر شعبہ میں تحقیقاتی اور ترقیاتی کام ایک معینہ پروگرام کے تحت انجام دیئے جا رہے ہیں۔ اقطاع عالم سے لوگ ان کو دیکھنے اور سمجھنے کے لیئے آتے ہیں۔ بہت بڑے بڑے نو کارہائے آبپاشی اور بیسیوں چھوٹے آبپاشی کے کام یہاں مکمل کیئے جا چکے ہیں ٹینیسی ندی پر جا بجا بند باندھ کر پانی کی سطح کو بلند کیا گیا ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے جھیل اس سارے خطہ میں ہو گئے ہیں۔ جس حصہ ملک میں یہ کام انجام دیئے جا رہے ہیں، پہاڑ اور وادیاں کثرت سے ہیں؛ زمین سرخ ناقص قسم کی ہے مختلف

کھادوں وغیرہ کے استعمال سے ان کو بہ کارآمد بنایا جارہا ہے۔ جو اسکیم چلائی جارہی ہے اس سے اس حصہ کا نقشہ ہی پچھلے دس سال میں بدل گیا ہے۔ کاشتکاروں کے طریق زندگی میں بیّن فرق آ گیا ہے۔ ایک کاشتکار کا مکان اور کوٹھے جسے یہاں بارن کہتے ہیں مجھے تفصیل سے دکھائے گئے یہ کاشتکار پہلے تکلیف سے دیہاتی زندگی گزارتا تھا اب اس کے گھر میں سستی بجلی کی روشنی اور قوت پہنچائی گئی ہے تمام شہری سہولتیں اور آرام اسے حاصل ہو گئے ہیں۔ اب وہ سب کام بجلی کی قوت سے لیتا ہے مثلاً اناج سے بھونسہ نکالنے۔ گائیوں کا دودھ دہونے۔ کپڑے دہونے ٹھنڈا اور گرم پانی کمروں میں پہنچانے کے لیئے بجلی کے آلہ استعمال کرتا ہے بالفاظ دیگر بجلی کی قوت کے ملازمین اس کے لیئے ان تھک کام کرتے رہتے ہیں۔ میں نے کاشتکار سے پوچھا کہ سب سے قریب بستی کتنے فاصلہ پر ہے۔ اس نے دریافت کیا کہ میں یہ سوال کیوں کر رہا ہوں میں نے کہا کہ یہ سوال اس لیئے کر رہا ہوں کہ معلوم کروں گوشت ترکاری اور دوسری ضروریات کی چیزیں کتنے فاصلہ سے روزانہ لائی جاتی ہیں۔ اس نے کہا کہ اسے بازار سے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے ہر چیز وہ پیدا کر لیتا ہے۔ اس کے ہاں (۴۰) گائیں ہیں۔ گائے ذبح کر کے اس کا گوشت رفریجیریٹر میں مہینوں کے لیئے محفوظ کر لیتا ہے۔ مسکہ مشین سے نکال لیتا ہے۔ آلو جو کھیت میں اُگتے ہیں ان کو اسٹور میں رکھ دیتا ہے تمباکو خود بو لیتا ہے۔ (۷۰) مرغیاں ہیں جن کے انڈے استعمال کرتا ہے اور

جی چاہے تو مرغ کو ذبح کر کے گوشت کھاتا ہے۔ میوے کے متعلق اس نے کہا کہ اگرچہ کہ اس کے ہاں ڈیڑھ سو ایکڑ اراضی ہے مگر اس نے اسلئے میوہ کے درخت نہیں لگائے کہ ان کی داشت پر جو روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے اس سے بہت کم دام پر وہ بوقت ضرورت بازار سے میوہ خرید لیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں میوہ کے درختوں اور پھل کو کیڑہ بہت لگتا ہے۔ اور دواؤں وغیرہ پر کثیر روپیہ صرف کرنے پر ہی پھل ہاتھ نہیں آتے۔ یہاں کے کاشتکاروں کے کوٹھے جسے بارن کہتے ہیں بہت وسیع ہوتے ہیں جن پر ایک ہی چھت ہوتی ہے مگر اندر لکڑی کے پردوں سے مختلف حصے الگ الگ کر لئے جاتے ہیں۔ گائیاں ایک حصہ میں چر رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ کسی گائے کے سینگ نہیں ہیں۔ کہا گیا کہ پیدائش کے وقت ہی سینگ نکال دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ بڑے ہوکر وہ حملہ نہ کرسکیں۔ سر مغرب میں ہوٹل واپس ہوا۔ راستہ میں ناکسول کے مشرقی حصہ میں بہت سارے حبشیوں کے مکانات نظر آئے معلوم ہوا کہ مسٹر روزولٹ نے یہ بستی بسائی تھی۔ مسٹر روزولٹ کی ذاتی ہمدردی کی وجہ سے حبشیوں کے ساتھ امریکیو کے سُلوک میں بہتری پیدا ہوئی۔

جمعہ ۱۴ ستمبر | صبح نماز فجر کے بعد ہی ناشتہ کر کے تیار ہو گیا کیونکہ (۸) بجے کمپنی کی موٹر آکر مجھے ہوائی اڈہ پر لے جانے والی تھی۔

بمبئی سے کراچی اور کراچی سے لندن کا سفر میں نے ۱۲۔ جون کو ہوائی جہاز سے کیا تھا آج بھی ۱۴ ستمبر کو ہوائی جہاز سے واشنگٹن جا رہا ہوں۔ اس

موقع پر پھر مجھے اسلامی تعلیم کا خیال آیا کہ کیسی بہتر تعلیم ہے کہ مسلمان نحس اور سعد دن اور تاریخوں کی جھنجھٹ سے آزاد ہے عجیب اتفاق کی بات ہے کہ آج کے مقامی اخبار دی ناکسول جرنل نے " جمعہ ۱۳ سے بعض خوف کھاتے ہیں " کے عنوان کے تحت ایک اداریہ لکھا ہے جسمیں بتایا ہے کہ دوسری عالمگیر جنگ کے بعد سے ۱۳۔ تاریخ کا جمعہ آج دوسری دفعہ آیا۔ اور وہمی لوگ آج کے دن اور تاریخ کو دیکھ کر آنکھ بھوں چڑھاتے ہیں کیونکہ ۱۳۔ تاریخ خود نامسعود سمجھی جاتی ہے۔ اور جمعہ کے دن آئے تو اور بھی بُرا خیال کیا جاتا ہے۔ اداریہ میں لکھا ہے کہ ہوٹلوں کے چلانے والے مسافروں کو خوش کرنے کے لئے ۱۳۔ کا نمبر نکال دیتے ہیں۔ اگر کسی ہوٹل میں ۱۳۔ منزلوں سے زیادہ منزل ہیں تو (۱۲) کے بعد (۱۲۔الف) کا ہندسہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کرے کا نمبر (۱۳) یا (۱۳۰۰) لکھنے کے بجائے (۱۴) یا (۱۳۰۱) لکھا جاتا ہے میرا خیال ہے کہ دوسرے اقوام کچھ ہی سمجھیں۔ جمعہ کا دن تو مسلمانوں کی عید کا دن ہے اس روز اگر ۱۳۔ تاریخ آجائے تو جمعہ کی برکت سے وہی مسلمانوں کے لیئے وہ بھی مسعود ہو جاتی ہے۔ اخبار نے ایک اہم جزو پر تبصرہ نہیں کیا۔ کیا وہمی انسان اپنی عمر سے تیرھویں سال کو خارج کر کے ایک سال پہلے اس دنیا سے کوچ کرنا پسند کرتے ہیں۔ آج ہوائی جہاز بہت جھکولے کھاتا رہا۔ (۱۱) بجے میں نے کافی طلب کی اور شکر اور دودھ ڈال کر گلاس کو کشتی سے اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ طیارہ ایک طرف کو

اس قدر زیادہ جھکا کہ کشتی الٹ گئی اور کافی میرے کپڑوں پر گر گئی جہاز
کی اسٹورڈیس جو قریب ہی کھڑی تھی پہنچ کر دوڑی اور تو ال لا کر مجھے دیا۔
جس سے میں نے کپڑوں کو صاف کیا۔ ساڑھے گیارہ بجے ہمارا طیارہ
وڈرم فیلڈ کے ہوائی اڈہ پر چند منٹ کے لیئے ٹھیرا۔ کچھ مسافر یہاں اترے
اور کچھ سوار ہوئے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج ہوا میں بہت خلاء تھا ایک دفعہ
ہمارا طیارہ یکایک کئی گز نیچے گرا۔ مگر الحمد اللہ فوراً ہی رفتار درست
ہو گئی۔ دن کے ڈیڑھ بجے واشنگٹن کے ہوائی اڈہ پر جو شہر سے تقریباً
(۵) میل ہے طیارہ اترا۔ اسٹیشن کے ہال میں آیا تو دیکھا کہ تقریباً دو سو
اشخاص سوفوں پر بیٹھے ہیں اور بعض کھڑے ہیں مگر سب ایسے خاموش
ہیں کہ گویا کسی نے ان کے ہونٹوں پر مہر لگا دی ہے۔ میں نے اس خاموش
فضاء کو بگاڑنا نہیں چاہا اور بہت آہستہ ایک حبشی ملازم سے دریافت کیا کہ
میرے ساتھ کا سامان کہاں اور کب آئے گا۔ دس منٹ میں سامان آیا
اور میں سیدھے شور ہام ہوٹل روانہ ہو گیا جہاں میرے قیام کا انتظام
کیا گیا تھا۔ منھ ہاتھ دھو کر دوپہر کے کھانے کے لیئے ڈائننگ روم میں
گیا تو دیکھا کہ راجہ پنالعل جی ایک میز پر کھا رہے تھے۔ اسی میز پر میں بھی بیٹھ گیا
راجہ صاحب سے معلوم ہوا کہ مسٹر جاویری راجہ صاحب کا اور خود کا پاسپورٹ
لے کر کنیڈا کا اجازت نامہ لینے گئے ہیں۔ میرا پاسپورٹ چونکہ میرے ہی
ساتھ تھا اور مجھے بھی کینڈا جانا تھا اس لیئے (۳) بجے میں ایجنٹ جنرل
کے دفتر پر گیا تاکہ مسٹر معز الدین احمد اسکرٹیری سے مل کر ضروری امور کی

تکمیل کروالوں۔ صاحب موصوف کسی کمیٹی میں جانے کے لیئے موٹر کار میں بیٹھ چکے تھے۔ مجھے دیکھ کر بہت اخلاق سے ملے اور اپنے ایک ماتحت عہدہ دار کو کہلوایا کہ میرا کام فوراً کر دے۔ چنانچہ اس عہدہ دار نے مجھ سے درخواست کی تکمیل کرائی اور کل تک کنیڈا کے سفیر کے دفتر سے کارروائی کر کے کاغذات ہوٹل پر بھیجنے کا وعدہ کیا۔ مولوی معزالدین احمد صاحب نے جاتے ہوئے کہا کہ وہ کل دس بجے ہوٹل میں مجھ سے ملیں گے۔ ایجنٹ جنرل کے دفتر سے نکل کر شہر دیکھنے گیا۔ واشنگٹن نیویارک سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ میرا خیال تھا کہ امریکہ کا دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے یہ شہر بہت شاندار ہوگا حقیقت اس کے بالکل برعکس نکلی۔ یہاں ایک عمارت بھی اس شان کی نظر نہیں آئی جو کثرت سے نیویارک میں دیکھی گئیں۔ دو ایک بڑے بازار موجود ہیں جہاں لوگوں کی چہل پہل ہے مگر کوئی خاص بات ان میں نہیں پائی جاتی۔ گلیاں اور راستے کافی چوڑے اور ہر طرف وسیع میدان اور پارک ہیں۔

موٹر کاروں کی یہاں بھی کثرت ہے مگر زندگی کی وہ لہر جو نیویارک کے رگ و ریشہ میں دوڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہے واشنگٹن میں نہیں ہے شہر کے ایک حصہ میں سے پوٹامک ندی گزرتی ہے وہائٹ ہاؤز کی عمارت جس میں یہاں کا پریسیڈنٹ رہتا ہے دو منزلہ عمارت ہے اس کے اطراف وسیع کمپونڈ ہے جو دس پندرہ ایکر کا ہوگا کمپونڈ کے اطراف لوہے کی کٹگر ہے بنگلہ بالکل قدیم وضع کا ہے سامنے کے رخ میں بیچ کا

حصہ نیم مدور ہے اور بازوؤں میں چار چار کھڑکیاں ہیں اور اوپر کی منزل
میں ہیں پیچھے کی جانب بلند اور لمبا برآمدہ ہے۔ کچھ علیحدہ عمارتیں دونوں
پہلو میں ہیں اور بس۔ گیٹ مغرب کی طرف ہے۔ بنگلہ کے جنوب کی جانب
سڑک کے دوسرے طرف بنگلہ ورانڈہ کی سیدھ میں ایک چھوٹے سے
چوکونی چبوترے پر لوہے کی تختی نصب ہے جس پر شمال۔ جنوب۔ مشرق
مغرب کی سمتوں کے نشان کندہ ہیں۔ چبوترے پر زیرو میل استون لکھا
ہے۔ یعنے یہ کہ اس مقام سے شہر کے فاصلوں کا شمار ہوتا ہے۔ سڑک
کے جنوبی حصہ میں بہت وسیع میدان ہے جس کے بیچ میں پریسیڈنٹ کے
بنگلہ کے وسط کی سیدھ میں ایک پتھر کی بندش کا ستون جو چوڑائی اور لمبائی
میں نیچے (۴۰) فٹ ہوگا بنا ہوا ہے۔ اس کی اونچائی (۵۵۰) فیٹ
ہے۔ اور بتدریج چوڑائی لمبائی کم ہوتے ہوئے اوپر کے سرے پر
کم ہو گئی ہے اور چاروں پہلوؤں کو ایک نکتہ پر لاکر چپٹا کر دیا گیا ہے۔
دو دو سوراخ ہر پہلو میں اوپر چھوڑ دیئے گئے ہیں جس میں سرخ روشنی
کی جاتی ہے۔ یہ ستون جارج واشنگٹن میموریل کے نام سے موسوم ہے
جو یہاں کا پہلا پریسیڈنٹ تھا۔ ایسا بھدا میموریل میں نے کم دیکھا۔
میموریل کے مغربی جانب تقریباً دو میل پر لنکن میموریل کی عمارت ہے
اس عمارت کے چاروں طرف ورانڈے ہیں سامنے کے ورانڈے
میں (۱۲) موٹے موٹے پتھر کے ستون ہیں بازوؤں کے ورانڈے کے (۸)
ستون ہیں۔ بیچ کے ہال میں ایک پتھر کی کرسی پر ابراہام لنکن کا مجسمہ بیٹھی

ہوئی حالت میں ہے دیوار پر ایک کتبہ نصب ہے جس پر لکھا ہے کہ یہ اس شخص کی یادگار ہے جس نے امریکہ کی یونین کو بچالیا تھا۔ ہال کے بازؤں کی دیواروں پر تصاویر کندہ ہیں۔ اس یادگاری عمارت کے سامنے سڑک ہے اور اس کے بعد ایک طویل پانی کا حوض ہے۔ اس عمارت میں بھی میں نے مطلق کوئی خاص بات نہیں پائی۔ لنکن میموریل کی عمارت کے ورانڈے سے شہر کے دوسرے جانب بالمقابل چار میل دور ایک گنبدار عمارت دکھائی دیتی ہے جسے کیاپیٹل کہتے ہیں۔ اس میں امریکہ کی کانگریس کے اجلاس ہوتے ہیں۔ کل اسے قریب سے دیکھنے کا ارادہ ہے امریکہ کے پریسیڈنٹ کے مکان وہائٹ ہال کے باب الداخلہ سے قریب سڑک کی دوسری جانب اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی پانچ منزلہ عمارت ہے جس میں معتمدی کے دفاتر ہیں۔ شرقی جانب ٹریزری کی عمارت ہے۔ یہ عمارتیں بڑی ہیں مگر کوئی غیر معمولی طرز تعمیر نہیں ہے اکثر سڑکوں پر تختیاں لگی ہوئی ہیں کہ وہاں کسی وقت بھی موٹر کاروں کو نہ ٹھیرایا جائے۔ جن سڑکوں پر یہ تختیاں نہیں ہیں وہاں رات اور دن موٹر کاروں کی ایک قطار کھڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ اس لیئے ہے کہ ہر مکان میں موٹر خانے نہیں ہیں اور کرایہ کے موٹر خانوں کے لیئے ماہانہ (۲۰) سے لیکر (۲۵) ڈالر یعنے (۸۰) روپیے سے (۱۰۰) تک کرایہ دینا پڑتا ہے۔ اسلیئے لوگ اپنی موٹروں کو کھلے مقامات پر یا سڑکوں پر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی کیفیت میں نے ناکسول میں دیکھی تھی۔ جو اگرچہ کہ چھوٹی بستی ہے مگر

ہر وقت ہزار ہا موٹر کاریں وہاں چلتی ہوئیں یا قطار میں سڑکوں پر کھڑی ہوئی دیکھی گئیں۔ واشنگٹن کے شہر کی سڑکوں کے نام اسٹیٹوں کے نام سے زیادہ تر رکھے گئے ہیں۔ مثلاً کنک ٹیکٹ ، میسو چوسیٹ وغیرہ۔ امریکہ میں (۴۶) اسٹیٹ ہیں۔ بڑی سڑک جہاں بہت زیادہ دکانیں ہیں اور جو خرید و فروخت کا مرکز ہے اسے ایف اسٹریٹ کہتے ہیں۔ کانسٹیٹیوشن اسٹریٹ پر سرکاری عمارتیں۔ مثلاً آرٹ گیالری۔ ہائی کورٹ۔ اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ۔ کانگریس آفس وغیرہ واقع ہیں۔ اس کے قریب وہ مشہور عمارت ہے جسے کیاپٹیل کہتے ہیں اور جس میں سینٹ اور کانگریس کے اجلاس ہوتے ہیں۔ میں نے آج وہ سڑک بھی دیکھی جس پر مسلمانوں کے لیئے مسجد تعمیر ہونے والی ہے اس مسجد کی تعمیر کے لیئے کئی ملین پونڈ کا چندہ ملک معظم شاہ فاروق نے دیا ہے۔ اور خسرو دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ نے بھی پچاس ہزار ڈالر عطاء فرمائے ہیں۔

شنبہ ۱۴ ستمبر صبح سوا دس بجے ایجنٹ جنرل انڈیا کے دفتر گیا تاکہ جو پاسپورٹ دیکر آیا اسے واپس لوں۔ معیز الدین احمد صاحب آئی۔ سی۔ ایس بہت محبت سے ملے اور وہاج الدین احمد صاحب کو جو سابق میں عثمانیہ یونیورسٹی میں امیر جامعہ کے مددگار تھے اور اب واشنگٹن کے ایجنٹ جنرل کے دفتر میں اشاعت کے شعبہ کے افسر صاحب بلاکر مجھ سے ملایا۔ معز الدین احمد صاحب اور وہاج الدین احمد صاحب پر دو تین ہفتوں کے لیئے چھٹی پر جارہے ہیں دونوں نے تاسف کا اظہار

کیا کہ میرے ساتھ کافی وقت صرف نہ کر سکے۔ پاسپورٹ مکمل ہو کر آ گیا تھا اسکو
لے کر معز الدین احمد صاحب کے ساتھ ان کی موٹر میں ہوٹل آیا اور مصطفےٰ کمال صاحب
فرزند نواب کاظم یار جنگ بہادر کا کیمرہ جسے لندن میں نواب زین یار جنگ بہادر نے
مجھے پہنچانے کی غرض سے دیا تھا و ہاج الدین احمد صاحب کے حوالہ کیا تاکہ
جس وقت مصطفےٰ کمال صاحب واشنگٹن آئیں انہیں دیدیا جائے۔ ان دونوں
اصحاب سے رخصت ہو کر کیپٹیل کی عمارت دیکھنے گیا جو کانسٹیٹیوشن اسٹریٹ
سے ذرا آگے ہے۔ داخلہ کا کوئی ٹکٹ نہیں ہے البتہ (۲۵) سینٹ کا
ٹکٹ لینے پر ایک گائیڈ کئی لوگوں کو یکساتھ پھرا کر عمارت کے حصوں کو دکھلاتا
ہے ٹکٹ لے کر ایک جماعت میں شریک ہو گیا۔ یہ عمارت یہاں کی نہ صرف
تاریخی عمارت ہے بلکہ سب سے زیادہ خوبصورت اور شاندار ہے۔ اسمیں
(۴۳۰) کمرے ہیں۔ ہر کمرہ بہترین نمونہ کا ہے دیواروں اور چھتوں پر مصوری
کے اعلیٰ کام کئے گئے ہیں گنبد کے نیچے کے حصہ میں مشاہیر کے مجسمے اور
تاریخی واقعات کے تصاویر آئیل پینٹ میں نصب ہیں۔ اس عمارت میں سینٹ
اور کانگریس کے اجلاس کے کمرے علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں۔

پریسیڈنٹ کا بھی علیٰحدہ کمرہ ہے۔ (۶۵) ایکر اراضی پر یہ عمارت
بنائی گئی ہے۔ ہر طرف کھلے چمن ہیں۔ اس کے محاذی سڑک کی دوسری
جانب ایک بڑی عمارت ہے جس میں کانگریس کا کتب خانہ ہے جو قابل دید
ہے آج میں نے آر۔ سی۔ اے کے دو ریڈیو سٹ خرید کر دوسرے مول لیا
ساتھ اس لیئے نہیں لیجا سکتا تھا کہ یہاں سے مجھے شکاگو اور کنیڈا سے ہوتے ہوئے

نیویارک واپس ہو کر لندن جانا ہے۔ ہر جگہ کسٹم کے جھگڑے سے بچنے کیلئے یہی صورت مناسب معلوم ہوئی کہ کسی جہازی کمپنی کے ذریعہ انہیں روانہ کردوں تاکہ صرف ایک دفعہ ہندوستان میں کسٹم ادا کرکے ان کو چھڑایا جاسکے۔ شہر سے تین میل دور ایک جہازی کمپنی کے دفتر پر گیا۔ وہاں ہڑتال کی وجہ سے پارسل لینے سے انکار کیا گیا اور کہا گیا کہ جس کمپنی سے میں نے ریڈیو خریدے تھے وہیں ان کو ڈبوں میں بند کرا کے رکھوا دوں تاکہ ہڑتال ختم ہونے کے بعد جہازی کمپنی میں انہیں داخل کیا جاسکے۔ چنانچہ ریڈیو کی دکان پر واپس گیا۔ انہوں نے کسی اور پیاکنگ کمپنی کا پتہ بتلایا۔ بہرکیف تین ڈالر موٹر کار کے کرایہ میں ضائع کرنے کے بعد میں نے تصفیہ کیا کہ ہوٹل واپس جاکر وہاں کے منیجر کے ذریعہ کچھ انتظام کروں۔ اتنے بڑے شہر میں اس چھوٹے سے کام میں اتنی دشواری تعجب خیز ہے۔

شام کے (٦) بجے ایسوشی ایٹڈ پریس کے ایک نمایندے مسٹر مورس جے ہیاریس ملاقات کے لئے آئے اور مختلف سوالات حیدرآباد سے متعلق کرتے رہے۔ گفتگو میں ان سے معلوم ہوا کہ امریکہ میں ہندوستان اور بالخصوص حیدرآباد سے متعلق بہت کم معلومات ہیں۔ حیدرآباد کے نظم و نسق اور منصوبہ بندی کے اسکیموں کا حال سُن کر بہت متاثر ہوئے۔

یکشنبہ ۱۵ ستمبر | آج اتوار ہونے کی وجہ سے شہر کے سب کاروبار بند ہیں۔ ساڑھے گیارہ بجے زولاجیکل گارڈن یعنے جانوروں کا

عجائب خانہ دیکھنے گیا ایسے عجیب و غریب جانور میں نے اس سے پہلے صرف سنیما میں دیکھے تھے میرا خیال تھا کہ سنیما میں اس قسم کے محض خیالی جانوروں کو فوٹو گرافی کے کمپیکار سے دکھلایا جاتا ہوگا مگر آج ان جانوروں کو دیکھنے کے بعد خدا کی عجیب و غریب خلقت کا تھوڑا سا اندازہ ہو سکا۔ اس عجائب باغ کو پوری طرح دیکھنے کے لیئے کم سے کم آٹھ گھنٹے درکار ہوں گے میں (۲) گھنٹے پھر کر واپس ہوا۔ دوپہر کا کھانا باغ ہی کے اندر ایک ریسٹوران میں کھایا جس وقت ویٹر نے کھانے کا بل پیش کیا جسے یہاں چک کہتے ہیں تو مجھے تعجب ہوا کہ میرے جیبوں میں سے سارے چھوٹے نوٹ غائب ہیں سب جیبیں ٹٹولنے کے بعد پاکٹ بک سے ایک بیس ڈالر کا نوٹ نکال کر دے دیا اس وقت ایک عورت نے جو بازو کی میز پر کھا رہی تھی۔ پکار کر کہا کہ میں نے میز کے نیچے پیسے گرا دئیے ہیں دیکھا تو ایک اور دو ڈالر کے نوٹ نیچے گرے پڑے ہیں۔ میں نے انہیں اٹھا لیا اور اس عورت کا شکریہ ادا کیا۔ تین بجے شور ہام ہوٹل واپس ہو کر سامان کو اکٹھا کیا کیونکہ (۵) بجے یہاں سے جانا تھا واشنگٹن کو دیکھنے کے بعد میری رائے یہ ہے کہ یہ بہت پر سکون شہر ہے۔ اکثر عمارات ایک یا دو یا سہ منزلہ ہیں۔ اونچی عمارات بہت کم ہیں۔ ہر طرف کھلے میدان اور وسیع راستے ہیں۔ حکومت کا دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے پر سکون فضاء میں کام عمدگی سے انجام پاتا ہوگا۔ کیوں کہ کسی قسم کا شور و شغف نہیں ہے۔

واشنگٹن میں بھی نیو یارک اور ناکسول کی طرح ہر طرف حبشی مرد اور عورت نظر آتے ہیں۔ بعض سڑکوں پر محض ان ہی کے مکانات ہیں حبشی بچے ننگے پیر مٹی پر کھیلتے نظر آئے۔ سڑکوں پر پیدل چلنے والوں کی ہدایات کے لیئے سرخ اور سبز روشنی کے جہاں علامات نمودار ہوتے ہیں ان کے ساتھ ساتھ راستہ عبور کرنے والوں کے لیئے "مت چلو" اور "چلو" کی علامت بھی سُرخ تحریر میں خود بہ خود نمودار ہوتی ہے۔ اس پر عمل کرنے سے کوئی خطرہ حادثات کا نہیں رہتا۔

امریکہ یوروپ اور لندن کے ہوٹلوں میں صفائی کا خیال اس درجہ رکھا جاتا ہے کہ منھ پوچھنے کے تولیہ ہر روز نہانے کے تولیہ تیسرے روز بستر کی چادریں اور غلاف چوتھے دن لازماً بدل دئیے جاتے ہیں۔ ناکسول کے ہوٹل میں اور نیو یارک کے گرامیاٹن ہوٹل (برانکسول) میں صابن تک روز نیا رکھ دیا جاتا ہے۔ سیوائے ہوٹل میں ہاتھ دہونے اور نہانے کے صابن ہر تیسرے روز نئے رکھے جاتے تھے۔

شام کے (۵) بجے ریلوے اسٹیشن گیا جو بہت بڑا اور اندر سے خوش وضع ہے اس اسٹیشن پر (۳۲) ٹراک یعنی پلاٹ فارم ہیں ہم پنسل وانیہ ریلوے کی ایک پل میان گاڑی میں روانہ ہوئے ہر کمرہ میں ایک سوفہ دو گدیدار کرسیاں اور میز ہیں۔ طہارت خانہ بھی ہر کمرہ میں موجود ہے۔ ساری گاڑی میں قالین کا فرش ہے ہر مسافر کے لیئے علحدہ علحدہ تولیے۔ پانی پینے کی کاغذ کی متعدد گلاسیں ایک شیشہ میں لگی ہوئی اور ایک کانچ کی صراحی

میں پینے کا پانی موجود تھا۔ ایک وسیع کمرہ جس میں صوفہ اور کرسیاں بچھی ہوئی ہیں شراب پینے کے لیئے اور اسی قسم کا دوسرا کمرہ بطور دیوان خانہ کے ہے ایک حصہ میں وسیع کھانے کا کمرہ ہے جہاں ہر قسم کا کھانا ملتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مکمل گھر میں سفر کر رہے ہیں۔ ٹرین کے چلنے کی آواز بہت ہی کم آتی ہے۔ اس قسم کی پل مین ریلوے گاڑیاں صرف امریکہ ہی میں چلتی ہیں یوروپ میں ان کو ابھی رواج نہیں دیا گیا ہے ہر ڈبہ پر باہر کی طرف نام لکھا ہوا ہے مثلاً روز ویالی رہوڈ آئلینڈ وغیرہ یہ امتیازی نام اسلیئے دیئے گئے ہیں کہ مسافر آسانی سے اپنے ڈبہ کو پہچان سکیں کیونکہ سب ڈبے ایک ہی وضع کے ہوتے ہیں۔ اور ان پر اول دوم یا سوم کے نمبر نہیں ہیں ریل میں سے میں نے دیکھا کہ امریکہ کے دیہات ایسی باقاعدگی سے نہیں بسائے گئے ہیں جیسے کہ انگلینڈ کے ہیں۔ قدرت نے جو ٹھنڈا موسم امریکہ اور یورپ کو عطاء فرمایا ہے اس کی بدولت دیہاتوں کی طرف خاص توجہ کی جائے یا نہ کی جائے ہر طرف سرسبزی اور شادابی کی وجہ سے دیہات کے بہت سارے عیوب نظر نہیں آتے جو دوسرے ممالک مثلاً ہندوستان میں نمایاں طور پر آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

دوشنبہ ۱۶۔ستمبر | ہم ساڑھے نو بجے شکاگو پہنچے جس پلاٹ فارم پر ہم اترے وہ نہایت اندھیرا تھا۔ اندر کا ایک وسیع ہال ذرا خوبصورت ہے مگر اس میں سے نکلنے کے بعد ٹکسی کار میں سوار ہونے کا جو مقام ہے وہ غلیظ اور دھوییں سے بھرا ہوا تھا۔ ٹکسی کے انتظار میں دس منٹ وہاں

ٹھیرنے سے دم گھٹنے لگا۔ تعجب ہے کہ ایسے بڑے شہر میں یہ حالات کس طرح
برقرار رکھے گئے ہیں ایج واٹر بیچ ہوٹل جہاں ہمارے لیئے جگہ محفوظ کرائی
گئی تھی اسٹیشن سے تقریباً پانچ میل دور ہے میرے کمرے کا نمبر (۱۲۸۶)
ہے کمرے میں سے شکاگو شہر کے دو حصوں کا نہایت وسیع منظر نظر آتا ہے
قریب میں مچیگن کی مشہور جھیل ہے جو اتنی وسیع ہے کہ سمندر معلوم ہوتی ہے
بہت ساری کشتیاں جا بجا کھڑی ہوئی دکھائی دیں۔ جس ہوٹل میں میں ٹھیرا ہوں
اس میں بہت ساری ضروریات کی دکانوں کے علاوہ ہوٹل کی طرف سے
ڈاکٹر۔ دندان ساز۔ اور جھیل کے کنارے تفریح اور کھانے کے انتظامات
ہیں۔ شام کے (۴) بجے راجہ پنا لعل جی۔ مسٹر جاویدری اور میں اس کوچ میں
جو سیر بینوں کو مختلف مقامات کی سیر کے لیئے لے جاتی ہے روانہ ہوئے
تقریباً (۳۰) اشخاص ہماری کوچ میں تھے ایک رہبر ربر کی نلی میں سے
حالات کہتا جاتا تھا۔ ہمارا کوچ اسٹیونس ہوٹل سے جو سوتھ مچیگن بولیوا پر
واقع ہے روانہ ہوا۔ گائیڈ نے بیان کیا کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا
ہوٹل ہے۔ اس میں (۳۵۰۰) کمرے ہیں اور ہر کمرہ کے لیئے مکمل سرویس
حتیٰ کہ اس کا بیانڈ بھی علحدہ ہے۔ (۲۰) منزلہ عمارت ہے اس مقام کو
دیکھتے ہوئے جہاں سنہ ۱۹۳۳ء کی عالمی نمایش ہوئی تھی۔ ہم اس بستی میں سے
گزرے جو شکاگو کا ہارلیم کہی جاتی ہے۔ جس میں صرف حبشی رہتے ہیں یہ
بستی کافی بڑی ہے۔ اسی سے قریب جیاکس اور واشنگٹن پارک واقع ہیں
ان سے ذرا آگے شکاگو یونیورسٹی کی عمارت شروع ہوتی ہے۔ ہم نے

اس حوض کو بھی دیکھا جس کے ایک سرے پر پتھر کی چٹان میں سلسلہ سے مجسموں کو اس طرح تراشا گیا ہے کہ وہ سب ایک ہی چٹان میں ترشے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی بلندی تقریباً (۱۵) فیٹ اور لمبائی پچاس ساٹھ فیٹ ہوگی اسے فونٹین آف ٹائیم کہتے ہیں۔

انسان کی پیدائش سے لے کر اس کے مرنے تک دنیا میں جو ارتقاء، تمدن اور معاشرت میں اس نے حاصل کیا، دکھلایا گیا ہے مقصود یہ ہے کہ وقت گزر نہیں جاتا بلکہ اس کے آثار باقی رہ جاتے ہیں۔ میوزیم آف سائنس اینڈ انڈسٹری کو دیکھنے کے لئے سیر بینوں کو نصف گھنٹے کا وقت دیا گیا ہے یہ دومنزلہ نہایت وسیع عمارت ہے اس کے دونوں بازو کی عمارت کے ورانڈوں کو بڑے بڑے انسانی مجسموں کے سروں پر قائم کیا گیا ہے۔ اندر جانے کے بعد انسان کی عقل اور فراست کے انتہائی کمال کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ داخل ہوتے ہی دنیا کی شکل کا ایک بہت بڑا گولہ ہوا میں اسی طرح اور اسی رفتار سے چکر کھاتا ہوا بتلایا گیا ہے جیسا کہ زمین چکر کھا رہی ہے۔ وقت اور فاصلہ ناپنے کے مختلف کانٹے بتلاتے ہیں کہ دنیا کا کونسا ملک کس وقت کس جگہ پر سے گزر رہا ہے۔ ریڈیو۔ طیارے۔ ریل۔ جہاز اور دوسری جتنی اختراعات انسان نے کی ہیں ان کے مالہ وما علیہ کو نظری طریقہ پر دکھلایا گیا ہے بعض حصوں میں معدنیات۔ زراعت۔ علم مویشی۔ ادویہ غرض کہ انسان کی زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس کی ترقیات سے متعلق نظری نقشوں کے ساتھ

تحریری معلومات نہ دی گئی ہو۔ اس میوزیم کو اچھی طرح دیکھنے اور سمجھنے کیلئے میرا خیال ہے کئی دن درکار ہیں۔ یہاں سے ہم مچیگن جھیل (لیک مچیگن) کے کنارے سے ہوتے ہوئے جہاں سے شہر کا ایک پہلو دکھائی دیتا ہے گزرے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نیویارک کا ایک حصہ سامنے ہے۔ (۲۰) سے لے کر (۴۰) منزلہ عمارتیں دکھائی دیتی ہیں ان میں سے سب سے بڑی عمارت بالکل سفید ہونے کی وجہ سے بہت نمایاں ہے۔ اس کے متعلق بیان کیا گیا کہ صابن سے ہر سال دھویا جاتا ہے۔ اور ساٹھ ہزار ڈالر محض اس کام پر صرف ہوتے ہیں۔ رات میں اس عمارت پر فلڈ لائٹ (روشنی) ڈالی جاتی ہے۔
مچیگن جھیل کے کنارے کی سڑک سے گزرتے ہوئے بکر من بکنگھم فوٹن یعنے فوارہ بازو میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ کئی فواروں کا مجموعہ ہے سب سے اوپر تقریباً (۳۰) فیٹ اونچا فوارہ ہے اس کے پہلو میں متعدد فوارے ہیں۔ تین چادروں پر سے پانی گزرتا ہے نیچے چار پہلوؤں میں بڑے بڑے فوارے علحدہ ہیں۔ اتنے پھیلے ہوئے فوارے میں نے کہیں نہیں دیکھے۔ بہ حیثیت مجموعی یہ سب فوارے متحرک پہاڑی کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ نیچرل ہسٹری میوزیم کی عمارت اس فوارہ سے قریب ہے۔ شیڈ اکویریم بھی یہیں ہے اس کے بالمقابل جھیل کے کنارے پر تاروں کو دیکھنے کا پلانیٹریم واقع ہے۔
امریکہ میں نیویارک کے بعد شکاگو کا نمبر ہے۔ یہ شہر الینائس اسٹیٹ کا دارالسلطنت ہے اور بہت وسیع اور قدیم ہے۔ اندر کے حصے بہت

گنجان ہیں۔ بعض بڑی سڑکوں پر سے ریل اسی طرح کھمبوں پر سے گزرتی ہے، جیسی کہ نیویارک میں دیکھی گئی۔ یہ حصے دن میں بھی اندھیرے سے نظر آتے ہیں۔ شہر کے باہر کے کاروباری حصے بہت خوشنما ہیں۔ ریلوے اسٹیشن کے قریب جو شہر سے تقریباً چار یا پانچ میل ہے ایک کاروباری حصہ ہے جو ایک چھوٹا سا شہر معلوم ہوتا ہے۔ چیکاگو میں بھی چینیوں کی بستی جسے چائنا ٹون کہتے ہیں موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ چینی یوروپ اور امریکہ کے مختلف شہروں میں بڑی تعداد میں بس گئے ہیں اور ہر جگہ اپنی علحدہ بستی بنالی ہے۔ رات میں میرے کمرے سے شہر کے دو حصوں کا نہایت دلفریب منظر دکھائی دیا۔ میلوں سفید اور سرخ روشنی دکھائی دے رہی تھی موٹر کاروں کے چلنے کی آوازیں ایسی آرہی تھیں جیسے ایک ندی کے بہنے کی آوازیں آتی ہیں۔ موٹر کاریں کے ضمن میں یہ چیز لائق ذکر ہے کہ نیویارک۔ ناکسول واشنگٹن اور شکاگو میں نیز ریل اور طیارہ سے جن بستیوں پر گزر ہوا ہر وقت ہر سڑک پر اس کثرت سے موٹر کاریں چلتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں جیسے مکوڑے اور چیونٹیاں قطار در قطار چلتی ہیں۔ صرف شہر کے ان حصوں میں جہاں دکانیں ہیں لوگ پیدل چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ذرا باہر نکل جائیں تو ایک متنفس بھی پیدل چلتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہر گھر میں کم سے کم ایک موٹر کار ضرور ہے اور ہر شخص سواری استعمال کرتا ہے۔ راتوں میں ہزارہا موٹر کار راستوں کے بازو یا میدانوں میں یا خاص مقامات پر جو ان کے لئے مختص ہیں چھوڑ دی جاتی ہیں اور صبح میں لوگ انہیں لیجاتے ہیں۔

اور استعمال کرتے ہیں۔ موٹر کاروں کی اس کثرت کی وجہ سے امریکہ کے تمام بڑے شہروں میں آمد و رفت کے لیئے یکطرفہ راستے بنائے گئے ہیں۔ ورنہ اتنی موٹر کاریں ایک ہی راستہ سے آئیں اور جائیں تو گھنٹے بھر میں چند گز بھی آگے جانا مشکل ہو جائے۔

سہ شنبہ ۷ ستمبر

صبح (۷) بجے سے شہر کی خاموشی ٹوٹ گئی اور موٹر کاروں کے چلنے کی آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ یہاں اور امریکہ کے دوسرے شہروں میں (۶) بجے آفتاب طلوع ہو جاتا ہے اور شام کے (۷) بجے غروب ہوتا ہے۔ مجھے امریکہ کا موسم ہندوستان کے بارش کا آخری موسم یا جاڑوں کا ابتدائی موسم معلوم ہوتا ہے۔ انگلینڈ اور یوروپ کے ممالک کے موسم کی طرح بارش یکایک اور ہر وقت نہیں ہوتی۔ اچھی دھوپ چمکتی رہتی ہے۔ آسمان بالکل نیلگوں رہتا ہے۔ خوشگوار ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ زکام یا سردی نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ حبس بھی ہو جاتا ہے اور گرمی محسوس ہو کر پسینہ بھی آنے لگتا ہے غرض کہ یہاں کا موسم اور طلوع اور غروب کا وقت ہندوستان کے موسم بہار سے ملتا جلتا ہے۔

جب سے امریکہ آیا ہوں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ امریکی لوگ ہندوستان میں سیاسی تبدیلی کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ ہندوستان جلد سے جلد بالکل آزاد ہو جائے۔ ان کی یہ خواہش مجھے بالکل بے غرضانہ نہیں معلوم ہوتی۔ انگریزوں اور امریکیوں میں تجارت اور صنعت کے میدان میں رقابت پیدا ہو گئی ہے۔ اور امریکیوں کی یہ خواہش ہے کہ

تنہا انگلستان متمتع نہ ہو بلکہ اپنے ملک کی تجارت کو بھی ہندوستان میں بڑھانا چاہتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ ہندوستان میں صنعتوں کا فروغ بھی چاہتے ہیں اس میں بھی یہ راز ہے کہ وہ ہندوستان کو سیاسی آزادی کے بعد بھی، انگریزوں کا دست نگر نہیں دیکھنا چاہتے۔

لَاحُبًّ علی اِلّاَ لِبُغْضَۃِ المعَاوِیَہ کا

مصداق ہے۔

میں ایسے وقت میں انگلستان۔ یوروپ اور امریکہ آیا ہوں کہ جنگ کو ختم ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا ہے۔ اور جنگ کے اثرات تازہ ہیں۔ سکوں کے تبادلہ میں ہمہ قسم کی دشواریاں ہیں۔ کوئی سامان خواہ وہ مسافرین سے متعلق ہو یا مشنری سے اس وقت تک خریدا نہیں جا سکتا جب تک کہ پہلے اس کی ادائی کی سبیل مقامی سکہ میں نہ کی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ حالات میں ایک سال کے بعد تبدیلی ہو گی اور ضروری سہولتیں مہیا ہو جائیں گی۔

کل علی الصبح (۷) بجے ہوائی اسٹیشن جانا ہے تاکہ وہاں سے ٹورنٹیو جانے والے ہوائی جہاز میں سوار ہو سکوں اس لیئے کھانا کھا کر جلد سونے کی کوشش کی مگر موٹروں کی مسلسل آوازیں کان میں آتی رہیں (۱۱) بجے تک کروٹیں بدلتا رہا۔ صبح کے (۷) بجے سے موٹر کاروں کا جو تانتا بندھا ہوا ہے اس میں رات کے گیارہ بجے بھی مطلق کوئی کمی نہیں ہوئی۔ مسلسل سیکڑوں موٹر کار آ رہے اور جا رہے تھے اور موٹروں میں

بھراٹے کی آواز میں ایک سکنڈ کے لیئے بھی وقفہ نہ تھا۔ (۱۲) کے قریب نیند آ گئی معلوم نہیں! اس کے بعد کب تک موٹریں دوڑتی رہیں۔ صبح (۵½ بجے) اٹھ کر وضو کے لیئے غسل خانے میں جا رہا تھا کہ مسٹر شوشل جاویری نے اطلاع دی کہ ابھی ہوائی اسٹیشن سے ٹیلیفون آیا کہ طیارہ بجائے (۷ بجے) کے ایک گھنٹہ دیر سے پرواز کرے گا۔

چہارشنبہ ۱۸۔ستمبر (۷½) بجے راجہ پنالعل جی اور میں ہوائی اسٹیشن پہنچے اور (۸½) بجے کمپنی کی موٹر کوچ میں دوسرے مسافروں کے ساتھ طیران گاہ پہنچے پاسپورٹ کی تنقیح کے بعد طیارہ میں بیٹھنے کی اجازت ملی۔

(۹½) بجے طیارہ نے پرواز کی۔ یہ طیارہ (۲۱) نشستوں کا ذرا چھوٹا تھا۔ مگر پرواز میں نہایت آرام دہ تھا۔ بمقامت کہتر بہ خدمت بہتر کا مصداق تھا۔ ہماری گھڑی کے لحاظ سے (۱۲) بجکر (۳۵) منٹ پر طیارہ ٹورنٹو کے ہوائی اڈہ پر اترا مقامی وقت کے لحاظ سے ایک بجکر (۳۵) منٹ ہوئے تھے یعنے ایک گھنٹہ کا بل تھا۔ ہوائی اڈہ پر مسٹر اہوجا ٹریڈ کمشنر کی کی طرف سے مسٹر ہینڈل آئے تھے۔ ان کے ہمراہ ہم کنگ اڈورڈ ہوٹل گئے جہاں ہمارے ٹھیرنے کا انتظام ٹریڈ کمشنر صاحب نے کیا تھا۔ مسٹر اہوجا نے مسٹر ہینڈل کے ذریعہ شام کے کھانے کی دعوت بھی کہلوائی تھی۔ ہوٹل میں پہنچا کر جانے کے بعد ٹیلیفون کے ذریعہ مسٹر ہینڈل نے کہا کہ مسٹر ہین رائٹ کنیڈا کی حکومت کے انڈسٹریل مشیر سے مسٹر اہوجا

ہم کو ملانا چاہتے ہیں میں نے کہا کہ دوپہر کے کھانے کے بعد چار بجے ہم اپنا کارڈ چھوڑ سے نے ٹریڈ کمشنر کے دفتر آئیں گے اس وقت مسٹر ہین رائٹ سے ملاقات ہوسکتی ہے۔ چنانچہ ہم چار بجے رائل بنک بلڈنگ میں ہائی کمشنر کے دفتر گئے۔ مسٹر اہوجا نے مسٹر ہین رائٹ سے تعارف کرایا صاحب موصوف نے حکومت کنیڈا کی جانب سے ہمارا خیر مقدم کیا اور پوری امداد کا یقین دلایا جس کے جواب میں میں نے ان سے ہمارے جذبات تشکر حکومت کنیڈا تک پہنچانے کی خواہش کی۔ مسٹر اہوجا کل علی الصبح سرکاری کام سے نیویارک جارہے ہیں۔ اور ہم بھی اپنے پروگرام کے لحاظ سے کل شام کی گاڑی سے نیویارک واپس جانے والے ہیں اس لئے یہ پروگرام طے پایا کہ کنیڈین کمرشیل بنک کے نظماء کی جانب سے ہمیں کل ایک لنچ دیا جائے گا جس کے بعد مسٹر ہین رائٹ ہم کو اپنے ساتھ لے جاکر یہاں کی کاغذ سازی کی فیکٹری کا معائنہ کرائیں گے۔ جہاں نرم لکڑی کے گودے سے کاغذ بنایا جاتا ہے۔ اس کارخانے سے قریب مشہور آفاق نیاگرا فال یعنے آبشار واقع ہے جسے دیکھتے ہوئے ہم بفیلو اسٹیشن سے نیویارک جانیوالی ریل میں رات کے (۸½) بجے سوار ہوجائیں گے۔ ٹریڈ کمشنر کے دفتر سے راجہ صاحب اور میں ہوٹل واپس ہوئے اور شام کے (۶½) بجے کرایہ کی موٹر کار لے کر ٹورنٹو شہر دیکھنے نکلے۔ یہ شہر صوبہ انٹوریو کا دارالخلافہ ہے۔ آبادی ساڑھے سات لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ یہ شہر انٹوریو جھیل پر ہے جسے ایک انٹوریو کہتے ہیں واقع ہے۔ جھیل کیا ہے سمندر ہے۔

اس کے بازو بازو ایک نہایت چوڑی سڑک جاتی ہے جس کے حاشیہ پر ہریالی کے میدان اوران کے پیچھے مختلف کارخانے ہیں اسی جھیل کے راستہ پر وہ خوبصورت گنبد دار عمارتیں ہیں جہاں ہرسال فیر یعنے میلہ منعقد ہوتا ہے۔ دوران جنگ میں ان عمارتوں کو فوجی اغراض کے لیئے استعمال کیا گیا تھا۔ شہر کافی بڑا ہے سب سے بڑی سڑک کو ینگ اسٹریٹ کہتے ہیں اس میں اچھی اچھی بڑی دکانیں ہیں۔ اس سڑک کے بازوؤں پر جو آڑے راستے ہیں وہ کافی کشادہ ہیں۔ شہر کے ایک طرف ٹورنٹو یونیورسٹی کا سینٹ ہال کالجوں کی عمارتیں اور طلباء کے رہائشی مکانات ہیں۔ یہ ساری بستی بہت خوبصورت معلوم ہوئی۔ اگرچہ کہ عمارتیں قدیم طرز کی اور چھوٹی ہیں مگر ان پر ایک خاص رونق ہے۔ یونیورسٹی سے قریب ہی ایک سبز گنبد والی بڑی عمارت اور چمن ہے جسے پارلیمنٹ ہوز کہتے ہیں۔ اس عمارت میں گورنمنٹ سکریٹریٹ ہے۔ یہاں سے تھوڑے فاصلہ پر ایک راوین نامی وادی واقع ہے۔ جس کے اوپر روزڈیل کا محلہ ہے ۱۹۲۹ء سے پہلے یہ یہاں کے امیر طبقہ کی رہائشی بستی تھی۔ اس حصہ میں بہت شاندار اور خوبصورت مکانات واقع ہیں۔ اب یہ کس میرسی کی حالت میں ہیں کہا جاتا ہے کہ اس بستی کے رہنے والوں کو ۱۹۲۹ء میں شیر مارکٹ کے بری طرح بیٹھ جانے سے سخت نقصانات آئے جس کی وجہ سے بہتوں نے خودکشی کرلی۔ اُس وقت سے یہ بستی غیر آباد اور بے رونق ہوگئی ہے۔ اس بستی کے اُجڑے ہوئے شہر کو

دیکھ کر مجھے بے اختیار خیال آیا کہ اسلام میں جُوتے اور سٹے کو اسی لئے منع کیا گیا ہے کہ اس کی تاراجیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ یہ ایک دودھاری تلوار ہے جو دونوں طرف کاٹتی ہے۔ جو شخص جیتتا ہے وہ اس لئے کھیلتا ہے کہ اور جیتے اور جو ہارتا ہے وہ اس لئے کھیلتا ہے کہ نقصان کی تلافی کرے۔ بالآخر دونوں تباہ ہوتے ہیں اور جُوا کھلانے والے کی بالآخر جیت ہوتی ہے۔ "جیتا سو ہارا اور ہارا سو مرا"۔ یونیورسٹی سے قریب کوئنیس پارک ہے۔ ہم نے اس مکان کو بھی دیکھا جو ایک وسیع کمپونڈ میں واقع ہے اور جس پر لوہے کے گیٹ لگے ہوئے ہیں۔ اس مکان میں پہلے گورنر رہتا تھا۔ اسمیں اب ملٹری ہاسپٹل ہے۔ یہاں کے گورنر کو کوئی اختیارات نہیں ہیں۔ بعض کارروائیوں کی محض رسمی توثیق کر دیتا ہے اور خاص خاص تقریبی موقعوں پر ان تقاریر کو پڑھ دیتا ہے جو اُسے لکھ کر دیدی جاتی ہیں۔ موجودہ گورنر مسٹر اہوجا ٹریڈ کمشنر فار انڈیا کہ مکان کے قریب فارسٹ ہل روڈ پر رہتا ہے۔ ٹورنٹو میں فارسٹ ہل کی بستی بہترین سمجھی جاتی ہے۔ شام کی گشت میں ہم نے یارک کلب کی عمارت کو بھی دیکھا جس میں پرنس آف ویلس نے قیام کیا تھا۔

شام کے ساڑھے سات بجے راجہ پنا لعل جی اور میں مسٹر اہوجا کے مکان پر گئے جہاں رات کے کھانے کی دعوت تھی۔ مسٹر اہوجا نے مسز اہوجا اور اپنی دو لڑکیوں اور فرزند سے ملایا۔ کھانے میں مسٹر ہینڈل بھی شریک تھے۔ مسٹر اور مسز اہوجا نے بے انتہا مدارات کی۔ خود

مسز اہوجا نے بعض کھانے۔ قیمہ۔ مٹر بھاجی کا ساگ۔ بھینڈی۔ پراٹھے اور دوسرے کھانے تیار کئے تھے۔ حیدرآباد سے نکلنے کے بعد آج ایسا اچھا دیسی کھانا نصیب ہوا۔ لیمو اور آم کا اچار اور گھر کا بنایا ہوا دہی لطف دے رہا تھا۔ خوب جی بھر کر ہم نے کھایا۔ اور مسز اہوجا کو دعائیں دیں۔ دوران گفتگو میں جب میں نے اپنی ڈائری کا ذکر کیا تو مسٹر اہوجا نے وعدہ لیا کہ انھیں ایک نسخہ دیا جائے گا۔ تقریباً آٹھ ماہ پہلے مسٹر اہوجا بلدہ آئے تھے اور میرے ہاں کھانا کھایا تھا جس کا انھوں نے بطور خاص تذکرہ کیا۔ میرے لڑکے اور بہو کی خیریت دریافت کی۔ میں نے کہا کہ اُس وقت اس کا تصور بھی میرے ذہن میں نہ تھا کہ میں کبھی کنیڈا پہنچ کر مسٹر اہوجا کے مکان میں ایسے کھانے جن کے لیئے تین ماہ سے دل ترستا تھا آج کھاؤں گا۔ یہ سب مقسوم کی باتیں ہیں جو وقت پر پوری ہو کر رہتی ہیں۔ کھانے کے بعد مسٹر اہوجا نے تفصیل سے مکان دکھلایا جو انھوں نے حکومت ہند کی جانب سے سوا لاکھ میں خریدا ہے یہ تین منزلہ عمارت ہے۔ نہایت خوبصورت ہے عمدہ لکڑی کا استر دیواروں میں لگا ہوا ہے مسٹر اہوجا نے بالاصرار کہا کہ حیدرآباد کو کسی قسم کی بھی امداد کی ضرورت ہو تو وہ ہر وقت دینے تیار ہیں۔ میں نے اس کے لیئے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ بوقت ضرورت اس کے حاصل کرنے میں کبھی دریغ نہ کیا جائے گا۔ رات کے (۹½) بجے یہ پُر لطف صحبت برخاست ہوئی اور ہم اپنے ہوٹل واپس ہوئے۔

پنجشنبہ ۱۹ استمبر | ناشتہ کے بعد راجہ پنالعل جی اور میں شہر دیکھنے گئے. بعض اسٹور یہاں کے کافی بڑے ہیں بالخصوص ینگ اینڈ رچمنڈ کا اسٹور بہت بڑا اور کئی منزلہ ہے جہاں ہر قسم کا سامان ملتا ہے اسمیں بجلی سے چلنے والی سیڑھیاں بھی ہیں ۔ ٹورنٹو صنعتی اور تجارتی شہر ہے یہی وجہ ہے کہ ٹریڈ کمشنر فار انڈیا کا دفتر یہاں قائم کیا گیا ساڑھے گیارہ بجے مسٹر ہین رائٹ مشیر صنعت حکومت کنیڈا ملاقات کے لیئے آنے والے تھے اس لیئے ہم وقت پر ہوٹل واپس آئے ۔ کنگ ایڈ ورڈ ہوٹل کے متعلق یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اسمیں میں نے ہر وقت آدمیوں کی آمد و رفت اور جو چہل پہل دیکھی کسی اور ہوٹل میں نہیں دیکھی. بیسیوں مسافر نیچے کے وسطی ہال میں ہر لمحہ اپنے کام سے آتے جاتے دکھائی دیتے ہیں ہوٹل کا عملہ بھی بے انتہاء مصروف رہتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی پوسٹ آفس یا مصروف مرکز میں آگئے ہیں ۔ مسٹر ہین رائٹ سے کنیڈا کی صنعتوں اور تجارت سے متعلق تفصیلی گفتگو رہی ۔ ساڑھے بارہ بجے موصوف کے ساتھ راجہ پنالعل جی اور میں اس لنچ میں گئے جو کنیڈین بنک آف کامرس کی طرف سے بنک کی عمارت میں مقرر تھا ۔ یہ عمارت (۳۲) منزلہ ہے ۔ اور سلطنت برطانیہ کے ممالک میں سب سے اونچی عمارت سمجھی جاتی ہے۔ اس کا کمان والا باب الداخلہ نہایت بلند اور شاندار ہے ۔ اندر جانے کے بعد سب سے پہلے ایک سنہری وسیع ہال ملتا ہے جس کی چھت بہت بلند اور مرصع ہے ۔ عمارت کے دوسرے حصے بھی بہت شاندار ہیں ۔ مسٹر

یس۔ ایچ۔ لوگن صدر نشین مجلس ڈائرکٹران اور دوسرے ڈائرکٹر موجود تھے مختلف مسائل پر گفتگو اور تبادلہ خیال رہا۔ پونے دو بجے کھانا ختم ہوا جس کے بعد بنک کی عمارت کی سب سے اوپر کی چھت پر لفٹ کے توریعہ چڑھ کر ہم نے شہر کا منظر دیکھا ایک غیر معمولی چیز جو نظر آئی وہ یہ تھی کہ ایک چھ سات منزلہ عمارت کی چھت پر بہت ساری موٹر کاریں کھڑی تھیں۔ نیچے کی منزلیں بھی موٹر کاروں سے بھری ہوئی تھیں۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ لوگ دن میں یا رات میں ان چھتوں پر اپنی موٹر کاریں کھڑی کر دیتے ہیں اور ضرورت پر لے جاتے ہیں۔ جن راستوں سے چلا کر موٹر کاروں کو چھتوں پر لے جاتے ہیں انہیں رامپ کہتے ہیں۔ راجہ پنا لعل جی نے کہا کہ انھوں نے نیویارک میں بھی اس قسم کے موٹر خانے دیکھے تھے۔ ڈہائی بجے ہم مسٹر ہین رائٹ کی موٹر کار میں اپنا سامان رکھ کر نیاگرا واٹر فال یعنے آبشار دیکھنے کیلئے روانہ ہوئے جو ٹورنٹو سے (۸۰) میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ یہ سارا راستہ کنیڈا کے ایک ایسے حصہ ملک سے گزرتا ہے جو نہایت شاداب اور دلفریب ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرتی باغ میں سے گزر رہے ہیں۔ دیہاتی بستیاں بہت سلیقہ سے بسائی گئی ہیں۔ لکڑی کے خوبصورت مکانات بھی نظر آئے۔ سینٹ کیترین نامی بستی راستہ میں ملتی ہے۔ ایسی خوبصورت بستی میں نے یوروپ میں یا امریکہ میں بہت شاذ دیکھی۔ بستی سے باہر فاکسٹر و ہیلر کمپنی کا کارخانہ واقع ہے۔ اس کے منیجر مسٹر جارج میاکنسی سے مسٹر ہین رائٹ نے ملایا۔ یہاں سے روانہ ہو کر ہم نے آسٹورس کے

کاغذ کے کارخانہ کا معائنہ کیا جہاں نرم لکڑی کے گودے سے کاغذ بنایا جاتا ہے۔ مسٹر کامٹ منیجر اخلاق سے ملے اور تفصیل سے سب چیزیں سمجھا کر دکھلائیں۔ نیاگرا واٹر فال کا راستہ اس مقام سے نہایت ہی دلچسپ مناظر میں سے گزرتا ہے۔ لیک انٹوریو یعنے انٹوریو جھیل جو دوسو میل طویل ہے یہاں سے اس کے دو شق ہو گئے ہیں اور بیچ میں سے زمین کی ایک لانبی پٹی تقریباً تین چار میل تک چلی گئی ہے سیدھے جانب کے حصہ کو ہیا ملٹن بے اور بائیں جانب کے حصہ کو لیک انٹوریو کہتے ہیں درمیان کے خشک حصہ میں چوڑی سڑک کے دونوں جانب نہایت خوبصورت بنگلے اور چمن ہیں۔ جن میں باہر سے سیر بین آکر ٹھیرتے ہیں۔ یہ سب سے بہتر منظر ہے جو میں نے اس وقت تک یوروپ اور امریکہ میں دیکھا۔ دو چار میل آگے جانے کے بعد ہم کنیڈا کی آخری سرحد پر پہنچ گئے جہاں ایک بستی نیاگرا فال ٹون کے نام سے عین نیاگرا ندی کے کنارے واقع ہے اس بستی میں متعدد ہوٹلیں اور بڑے بڑے چمن ہیں جہاں سے آبشار کا بہت صاف نظارہ بالکل سامنے دکھائی دیتا ہے اس شہر کو ہنی مون ٹاؤن (شادی منانے کا شہر بھی کہتے ہیں۔ نیاگرا ندی کا پاٹ اس بستی میں سے سیدھا آتے ہوئے تقریباً ایک میل تک نظر آتا ہے آخری سرے پر اس کی تقسیم دو حصوں میں ہو کر بیچ میں ٹاپو بن گیا ہے سیدھے جانب کا آبشار جو دو ڈھائی سو فیٹ چوڑا اور غالباً (۲۵) فیٹ گہرا ہوگا۔ ایک چٹان پر سے جو بالکل سیدھی ہے گرتا ہے۔ اس آبشار کے سیدھے جانب ایک پل ہے جو کنیڈا اور نیویارک

کی سرحدوں کو ملاتا ہے ٹاپو کے بائیں جانب ایک گھوڑے کی نال کی شکل کا آبشار کنیڈا کے علاقہ میں گرتا ہے۔ اس کا طول نیویارک کے آبشار سے تقریباً چار یا پانچ گنا ہوگا۔ یہ بھی سیدھی چٹان پر سے گرتا ہے۔ ان دونوں آبشاروں سے پانی کے گرنے کی آواز بہت شدت سے آتی ہے چونکہ بہت بڑی مقدار میں پانی گرتا ہے اس لیئے اس کے تصادم سے پانی کے باریک باریک ذرّے آٹے کے طور پر فضاء میں سفید دھوئیں کی شکل میں بلند ہو کر ایک یا ڈیڑھ میل کے رقبہ میں پھیلتے ہیں یہ منظر قابل دید ہے۔ پانی کی چادریں جیسے جیسے دن کی روشنی میں فرق ہوتا جاتا ہے مختلف رنگ اختیار کرتے رہتے ہیں۔ کبھی سبز کبھی سفید اور کبھی گلابی رنگ کے نظر آتے ہیں۔ رات میں ان آبشاروں پر رنگ برنگ کی برقی روشنی کے شعاع ڈالے جاتے ہیں ان مناظر کے رنگین پوسٹ کارڈ بھی چھاپے گئے ہیں جو بہت ہی دلکش ہیں۔ چونکہ ہمیں رات کی ٹرین سے بفیلو اسٹیشن سے جو نیاگرا فال سے (۴۰) میل ہے نیویارک جانا تھا اس لیئے ہم روشنی کے مناظر کو دیکھنے کے لیئے ٹھیر نہ سکے ان آبشاروں کو دیکھنے کے لیئے بعض خاص خاص نقاط یعنے ویو پائنٹ ہیں۔ ہر پائنٹ سے ایک خاص منظر ملتا ہے۔ جس مقام سے یہ دیکھے جاتے ہیں وہ بلند ہیں علاوہ آبشاروں کے خود ندی کا پاٹ میلوں تک گرنے سے پہلے دکھائی دیتا ہے نیویارک کے طرف کا پاٹ صاف بہتا ہے۔ کنیڈا کی جانب کا پاٹ پتھر کی چٹانوں پر سے اُبلتا ہوا آتا ہے۔ خدا کی قدرت یہاں پانی کے لباس میں نظر آتی ہے۔ انسان اگر پانی کا معمولی بند

بنالیتا ہے یا کوئی شخص ایک مختصر سا پانی کا حوض اور فوارے اپنے گھر میں لگالیتا ہے تو ان کے لیئے کیا کیا اہتمام کرتا رہتا ہے اور انہیں اچھی حالت میں رکھنے کے لیئے ہمیشہ تردد کرتا ہے اس کے برخلاف قدرت کے اس کام کو دیکھئے کہ ابتدائے آفرینش سے یہ آبشار گر رہے ہیں اور لامحدود قوت ان میں پوشیدہ ہے مگر اس کے چلانے کے لیئے سوائے اللہ کے پوشیدہ ہاتھ کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ واللہ علی کل شئی قدیر۔ یہ تو وہ چیزیں ہیں جنہیں ہماری آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور جو ہیں دکھائی گئی ہیں جو چیزیں ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں اور جنہیں ہم آنکھیں بند ہونے کے بعد ہی دیکھ سکیں گے ان کا تصور ہماری عقل و ادراک سے بالا ہے دیکھئے انسان کی بیکسی اور عاجزی۔ نیاگرا فال سے آگے جس سڑک سے ہم بفیلو اسٹیشن گئے وہ نیاگرا ندی کے کنارے کنارے جاتی ہے اس سڑک پر بھی مسلسل بنگلے اور چمن بنے ہوئے ہیں ایک مقام پر چھوٹا سا ہوائی اڈہ بھی ہے جس میں چند طیارے رکھے گئے ہیں تا کہ لوگ ہوائیں اڑکر ان آبشاروں کو دیکھ سکیں۔ ایک پل سے گول چکر کاٹ کر ہم شام کے (۸) بجے بفیلو شہر پہنچے جو نیو یارک کی سرحدی بستی ہے۔ مجھے اس بستی کو دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ایک سرحدی مقام پر اتنی شاندار بستی موجود ہے۔ راستے اور عمارات بجلی کی روشنی سے منور تھے۔ بڑی سڑک پر رنگ برنگ کی روشنی بہت جاذب نظر تھی۔ ایک منارہ پر سفید روشنی اس طریقہ پر کی گئی تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اینٹ چونے کا بنا ہوا نہیں ہے

بلکہ روشنی کے مسالہ سے ڈھالا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ بفیلو شہر میں بجلی کے سامان کے بہت بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ رات کے کھانے کیلئے ہم سیدھے ایک ہوٹل گئے۔ ایسے عالیشان ہوٹل ہندوستان میں صرف کلکتہ اور بمبئی میں دو ایک ہی ہوں گے۔ لوگ کثرت سے بھرے ہوئے تھے جگہ کے لیئے پندرہ منٹ انتظار کرنا پڑا۔ کھانے کے کمرے میں آرکسٹرا بج رہا تھا جو لوگ ناچنا چاہتے تھے ناچ رہے تھے شب کے (۹½) بجے ہم ریلوے اسٹیشن گئے جو ہوٹل سے تین میل دور ہے۔ اسٹیشن کو دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ایسا بڑا اور خوبصورت اسٹیشن اس سرحدی مقام پر بنایا گیا ہے۔ (۲۴) پلاٹ فارم ہیں ہر پانچ منٹ کو ایک گاڑی آتی تھی اور جاتی تھی۔ ہر گاڑی کی آمد سے پہلے اور جاتے وقت مکبر الصوت کے ذریعہ اعلان ہوتا تھا کہ کون گاڑی کس مقام پر آرہی ہے اور کن کن اسٹیشنوں کو جائے گی۔ ہماری گاڑی رات کے (۱۱) بجے آنے والی تھی اس لیئے ہم ایک وسیع ہال میں بینچ پر بیٹھ گئے۔ وقت پر گاڑی آئی اور ہم سوار ہو کر اپنی اپنی مقررہ جگہ پر چلے گئے۔ گاڑی میں سونے کے برتھ بہت تکلیف دہ تھے۔ بیچ میں آمد و رفت کی گلیاری تھی اور دونوں طرف دو منزلہ سوفے تھے جس کے سامنے کیانوس کے پردے لگے تھے اندر جانے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک قبر میں لیٹے ہوئے ہیں۔

جمعہ ۲۰ ستمبر

بڑی معیبت سے رات گزری اور صبح کے (۹) بجے نیویارک پہنچے۔ مقامی گھڑیوں کے لحاظ سے (۸) بجے

تھے اس لئے گھڑی کو درست کرنا پڑا ۔ اس دفعہ سیمور ہوٹل میں (۱۰۰) نمبر کا کمرہ ملا ہے۔ نیو یارک میں سب سے بڑا ہوٹل والڈ لارف اسٹوریا ہے۔ ہوٹل پہنچ کر غسل کیا اور کپڑے پہن رہا تھا کہ مسٹر عبدالرزاق کا ٹیلیفون آیا انھوں نے کہا کہ کئی روز سے نیو یارک ۔ واشنگٹن ۔ کنیڈا ۔ شکاگو کے دفاتر خارجہ ۔ ایجنٹ جنرل اور ٹریڈ کمشنر کے دفاتر سے ذریعہ ٹیلیفون میرا پتہ دریافت کرتے رہے ۔ ہر جگہ سے روانہ ہو جانے کی اطلاع ملی اور آج نیو یارک واپس ہونے کا پتہ چلا ۔ یہ صاحب مدراس کے رہنے والے ہیں ۔ (۲۵) سال سے امریکہ میں بس گئے ہیں ۔ بڑے تجربہ کار انڈسٹریل انجنیر ہیں ۔ اور بہت بڑے بڑے صنعتی منصوبوں کے کام امریکا اور یوروپ میں انجام دے چکے ہیں ۔ حکومت امریکہ کی ملازمت میں بھی تھے ۔ اب ان کا تقرر تین سال کے لئے حیدر آباد میں مشیر خاص سررشتہ صنعت و حرفت کی خدمت پر ہوا ہے ۔ جس وقت سے میں امریکہ آیا ان سے ملنے کی کوشش میں تھا مگر صحیح پتہ نہ مل سکا ۔ گیارہ بجے یہ سیمور ہوٹل آئے اور کہا کہ اگر ٹیلیفون کی کتاب میں دیکھ لیا جاتا تو ان کا پتہ مل جاتا ۔ میں ان سے دو ایک دفعہ نواب زاہد جنگ بہادر کے ہاں حیدر آباد میں مل چکا تھا ۔ بڑے خاموش اور ملنسار طبیعت کے انسان ہیں ۔ یہ کام کرنا جانتے ہیں باتیں بنانا نہیں آتا ۔ اس لئے پہلی نظر میں یہ آنکھوں میں نہیں بھرتے مگر جیسے جیسے ارتباط بڑھتا ہے ان کے لئے دل میں جگہ بنتی جاتی ہے ۔ انھوں نے شام کے کھانے کی دعوت مجھے ، راجہ پنا لعل جی ، نواب

احسن یار جنگ بہادر، مسٹر جاویری کو دی۔ راجہ صاحب اور مسٹر جاویری
دوسری مصروفیت کی وجہ سے قبول نہ کر سکے شام کے ساڑھے چار بجے
ان کے ساتھ نیو یارک میں پھرنے کی قرار داد ہوئی ایک بجے ہم ویسٹنگ ہاؤز کمپنی
کے لنچ کی دعوت میں شرکت کے لیئے روانہ ہوئے۔ ویسٹنگ ہاؤز امریکہ کا
سب سے بڑا پاور پلانٹ یعنے قوت برقی کی مشین بنانے کا کارخانہ ہے
تمام دنیا کو اس کا سامان سربراہ ہوتا ہے۔ اس کارخانے کے ڈائرکٹران
اور ان کے صدر نشین مسٹر ناکس موجود تھے بہت پُر لطف صحبت رہی۔
کھانے کے بعد ہم امریکن کونسل کے دفتر نمبر (۱۷) ایسٹ اسٹریٹ نمبر (۴۲)
گئے تاکہ امریکہ سے واپس جانے کا اجازت نامہ عدم ادائی انکم ٹکس سے
متعلق حاصل کریں۔ تقریباً (۲۵) اشخاص پہلے سے انتظار کر رہے تھے۔
ہم بھی انتظاری قطار میں شریک ہو گئے۔ ایک صاحب نے کہا کہ وہ ساڑھے چار
گھنٹوں سے انتظار کر رہے ہیں ہم خوش قسمت تھے کہ ایسے وقت پہنچے کہ
مجمع چھٹ چکا تھا۔ تقریباً پون گھنٹہ کے انتظار کے بعد ہماری باری آئی
اور اجازت نامہ ملا۔ ساڑھے چار بجے ہوٹل واپس ہو کر نواب احسن یار جنگ بہادر
اور میں لفٹ میں چڑھ رہے تھے کہ مسٹر عبدالرزاق بھی آ گئے۔ چائے پی
نیچے آئے تاکہ عبدالرزاق صاحب کے ساتھ بعض مقامات کو دیکھنے جائیں
تقریباً نصف گھنٹہ ٹکسی موٹر کار کی تلاش میں گزرا مگر کامیاب نہ ہو سکے
اور بالآخر ایک موٹر بس میں سوار ہو گئے۔ نیو یارک میں جمعہ کی شام کو لوگ
کثرت سے سیر و تفریح کیلئے نکلتے ہیں۔ راستے آدمیوں اور

موٹر کاروں سے پٹے رہتے ہیں یہ صورت حال اس لئے ہے کہ ہفتہ میں دو دن شنبہ اور یکشنبہ کو یہاں تعطیل رہتی ہے اور بقیہ پانچ دنوں میں ــــ (۴۲) گھنٹے کام کرنے کے بعد جمعہ کی شام ہی سے لوگ تعطیل منانا شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے اس سے پہلے نیویارک کے باشندوں کی سرد مہری کا ذکر کیا ہے آج اس کی توثیق عبدالرزاق صاحب سے بھی ہوئی جو رُبع صدی سے یہاں رہتے ہیں ان کا بیان تھا کہ اپنے اپنے کاروبار میں لوگ ایسے منہمک رہتے ہیں کہ اگر راستہ پر شدید سے شدید حادثہ ہو جائے تو اس کو پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے میں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ امریکی دماغ اور ہاتھ پیر سے کام لیتے ہیں دل نہیں رکھتے اس قوم کا صحیح خاکہ اس طرح کھینچا جا سکتا ہے کہ وہ دو پیروں کی مشین ہیں۔ ساتھ ہی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ امریکیوں کے دولت مند طبقہ نے بڑے بڑے رفاہ عام کے کاموں کے ٹرسٹ دنیا بھر میں قائم کئے ہیں۔ جس موٹر بس میں ہم سوار ہوئے وہ عبدالرزاق صاحب کے مکان کو واشنگٹن اسکوایر کی طرف جا رہی تھی۔ ہم اوپر کی منزل پر کھلی چاندنی پر بیٹھ گئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ میں کھلی ہوئی موٹر بس پر بیٹھا۔ بہت لطف آیا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا تخت رواں پر جا رہے ہیں تمام راستہ عبدالرزاق صاحب نے مشہور عمارتوں کو دکھلایا۔ سرخ اینٹوں کی ایک کئی منزلہ عمارت پانچویں ایونیو پر واقع ہے۔ جس میں عورت قیدیوں کو رکھا جاتا ہے قید خانہ کے رہائشی حالات نہیں ہیں بلکہ ایک ہوٹل کے طور پر ہر قیدی عورت

کے لیئے خواب گاہ کا کمرہ اور اس کے ساتھ غسل خانہ اور کھانے کے کمرے وغیرہ مہیا کئے گئے ہیں۔ منشاء یہ ہے کہ سزا یافتہ عورتوں کی ذہنیت کو درست کیا جائے تاکہ رہا ہونے کے بعد ان میں یہ احساس نہ ہو کہ کسی قید خانہ سے چھوٹے ہیں اور سوسائٹی میں ان کے لیئے آئندہ کوئی مقام نہیں ہے۔

واشنگٹن اسکوائر سے قریب ہی نیویارک کی یونیورسٹی واقع ہے۔ آج ہم پھر اس مقام پر سے گزرے جہاں میں نے پچھلی دفعہ بہت سارے ہاتھ سے کھینچے ہوئے تصاویر راستہ کے بازو دیکھے تھے۔ عبدالرزاق صاحب نے کہا کہ اس مقام پر کھلے میدان میں بیٹھ کر مصور تصویریں بنا کر اپنے کمائی کو دکھلاتے ہیں۔ اور تصاویر کو فروخت کے لیئے آویزاں کر دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض مصوروں کو ہم نے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ایزل پر کام کرتے دیکھا۔ عبدالرزاق صاحب نے اپنے گھر لے جا کر بیوی سے ملایا جو سویڈن کی ہیں امریکہ میں بس گئی ہیں۔ انھوں نے چائے پلائی اور ہمارے ساتھ ہو گئیں۔ عبدالرزاق صاحب نے اپنی موٹر کار نکلوائی جس میں نواب احسن یار جنگ بہادر عبدالرزاق صاحب ان کی بیوی اور میں روانہ ہوئے۔ مسٹر راما ڈاکٹر اگھورناتھ کے پوتے نے موٹر چلائی جو عبدالرزاق صاحب کے ہاں مقیم ہیں۔ پہلے سنٹرل پارک گئے تاکہ کلوپیٹرا کی سوئی کو دیکھیں۔ جسے خدیو مصر نے کئی سو سال پہلے تحفتاً امریکہ بھیجا تھا۔ اسے کلوپیٹراز نیڈل کہتے ہیں۔ پارک کئی مربع میل پر محیط ہے۔ باوجود تلاش کے ہم اس تاریخی یادگار کو نہ دیکھ سکے رات کا کھانا عبدالرزاق صاحب اور ان کی بیوی نے ایک رسٹورانٹ میں

کھلایا۔ کھانے کے بعد ہم لنکن ٹنیل یعنے بھنیار سے میں سے جو ہڈسن ندی
کے نیچے سے ڈالی گئی ہے جیرسی اسٹیٹ گئے جو ندی کے دوسرے
جانب واقع ہے۔ ٹنیل تقریباً ڈیڑھ میل لمبا اور کافی چوڑا ہے جس میں سے
بوقت واحد دو موٹر جاتے اور دو موٹر کار آتے ہیں۔ چھت کے دونوں
بازو قریب قریب برقی روشنی کے ڈبے نصب ہیں جو بہت خوبصورت
معلوم ہوئے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے پولیس کے جوان کھڑے
تھے۔ باہر نکلنے پر چنگی ادا کرنا پڑتا ہے جو (۲۵) سینٹ ہے۔ جیرسی اسٹیٹ
میں داخل ہوتے ہوئے جو راستہ ندی کے کنارے کنارے جاتا ہے
وہاں سے نیویارک شہر کا بے نظیر نظارہ ملتا ہے۔ سب سے نمایاں
امپائر اسٹیٹ بلڈنگ کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ جیرسی اسٹیٹ کے
شہر میں گھوم کر ہم جارج واشنگٹن برج پر سے واپس ہوئے۔ رات میں
اس پل پر جو روشنی کی جاتی ہے اس کا منظر بھی عجیب وغریب ہوتا ہے
پل کے دونوں سرے پر تقریباً ڈیڑھ سو فیٹ اونچے کماندار لوہے کے
ستون ہیں جن پر پل لٹکا ہوا ہے۔ ان کی چوٹیوں پر سرچ لائٹ کے طور پر
چاروں طرف گھومنے والی سُرخ روشنی ہے روشنی کی ایک شعاع آسمان
کی طرف سیدھی جاتی ہے۔ دونوں کمانوں پر سے گجرے کے طرز پر
بجلی کی روشنی کے گولے لٹکائے گئے ہیں جو بہت دور تک نظر آتے
رہتے ہیں۔ بجلی کی روشنی امریکہ میں جس بڑے پیمانہ پر مکانوں۔ راستوں
اور نمایاں عمارات پر کی جاتی ہے وہ دنیا کے کسی شہر میں نہیں کی جاتی

ہو گی۔ اول تو یہاں بجلی کی قوت کے دام بہت کم ہیں کیونکہ برقابی قوت کی تولید بہ کثرت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں کے لوگ اس درجہ دولت مند ہیں کہ اگر روشنی پر کچھ زاید روپیہ صرف ہو جائے تو اس کی اُنہیں پرواہ نہیں ہے۔ امریکین جہاں روپیہ کمانا جانتے ہیں وہاں اُسے صرف کرنا بھی جانتے ہیں۔ دنیا کے کئی ممالک محض امریکین سیاح اور سیر کرنے والوں سے کافی آمدنی حاصل کرتے ہیں۔ محض کنیڈا میں امریکین تفریح کرنے والوں سے سالانہ تیس ملین ڈالر (ایک کرڑوڑ روپیہ) سالانہ کی آمدنی ہوتی ہے۔ چنانچہ ٹورنٹو سے نیاگرا کے آبشار کو جاتے ہوئے سینٹ کیھترین کی بستی اور اس سے آگے جہاں ندی کا دلفریب نظارہ ہے مسلسل خوبصورت بنگلے بنے ہوئے ہیں اور ہر بنگلہ پر سیاحوں کے لیئے کرے خالی رہنے کی تختیاں لگی ہوئی ہیں۔

آج کے مقامی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ ۲۰ ستمبر کی صبح کو (۱۱) بجے امریکہ کی طرف کے آبشار میں ایک غار پڑ گیا اور اس شدت کا دھماکہ ہوا کہ متصلہ شہر ہل گیا۔ بیان کیا گیا ہے کہ غار (۱۲۰) فیٹ لمبا اور چار فیٹ گہرا ہے۔ سیکڑوں ٹن کی پتھر کی چٹانیں ڈھیر ہو گئیں ہیں۔ اور یہ سیکڑوں شادی منانے والوں اور دوسرے تماش بینوں نے اس حادثہ کو دیکھا۔ آخری مرتبہ جو غار پڑا تھا وہ سنہ ۱۹۴۲ء میں تھا۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے ۱۹۔ ستمبر کی شام کو ہم نے آبشار کو سابقہ حالت میں دیکھا اور اس کے دوسرے ہی روز یہ حادثہ ہوا۔ ایک صاحب کہتے تھے کہ آبشار کو اپنی حالت پر قائم

رکھنے کے لیئے امریکہ اور کنیڈا کی حکومتیں بہت بڑا اہتمام کرتی ہیں اور انکی دیکھ بھال اور استحکام کا انتظام بہ صرفہ کثیر کیا گیا ہے میں پوچھتا ہوں کہ انسان اس حالیہ حادثہ کو کیوں روک نہ سکے۔

عاجز انسان اس پر بھی لاف زنی کرے تو اسے بدبختی نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔

شنبہ ۱۲ ستمبر صبح دس بجے عبدالرزاق صاحب آئے ان کے ہمراہ نواب کاظم یار جنگ بہادر صدرالمہام پیشی خسروی کے فرزند قادر حسین صاحب بھی آئے جنہیں ہمارے امریکہ آنے کی اطلاع مسٹر عبدالرزاق نے ٹیلیفون سے کی تھی۔ یہ نیویارک سے قریب ریلوے کا عملی کام سیکھ رہے ہیں۔ میں نے پہلی نظر میں ان کو نہیں پہچانا کیونکہ یہ ماشاءاللہ کافی موٹے ہو گئے ہیں۔ امریکہ آنے کے بعد ان کے وزن میں دس پونڈ کا اضافہ ہو گیا ہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ان کے چھوٹے بھائی مصطفٰی کمال صاحب کے وزن میں بھی تین پونڈ کا اضافہ ہوا ہے۔ جو امریکہ میں کسی دور کے مقام پر تعلیم پا رہے ہیں۔ نواب احسن یار جنگ بہادر۔ عبدالرزاق صاحب۔ قادر حسین صاحب اور میں گیارہ بجے میسی اسٹور گئے جو دنیا کا سب سے بڑا اسٹور کہا جاتا ہے۔ اس کی دس منزلوں میں ہمہ قسم کا سامان ہے اور اس کے بعد چار منزلوں میں کمپنی کا دفتر ہے۔ متعدد بجلی سے چلنے والی سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں اور کئی لفٹ بھی ہیں۔ ہزارہا آدمی صبح سے شام تک اس میں سامان خریدنے کے لیئے آتے رہتے ہیں۔ یہاں سے

سوا بارہ بجے عبد الرزاق صاحب اور میں پلانیٹریم (یعنے ستارہ گھر) دیکھنے کے لیئے نیچرل ہسٹری میوزیم کی عمارت کو گئے۔ یہ میوزیم قابل دید ہے اسمیں نیویارک کے جملہ قسم کی چڑیوں۔ مچھلیوں اور جانوروں کے ڈھانچے۔ جنگل کے مصنوعی مناظر اور برف باری کے زمانے کی حالت نیز اس زمانہ کی حالت جب کہ ڈچ لوگ قابض تھے۔ اور ریڈ انڈین یعنے سرخ ہندوستانی اقوام یہاں بستی تھیں تبلائی گئیں ہیں۔ اس میوزیم کی اشیاء کو دیکھنے سے سیری نہیں ہوتی بلکہ بار بار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ نیویارک میں تیس میوزیم ہیں۔ پلانیٹریم گھنٹہ گھنٹہ کے وقفہ سے کھلتا ہے۔ (۱۲) بجے بند ہو چکا تھا اور ایک بجے کھلنے والا تھا اس وقفہ میں ہم نے دوپہر کا کھانا میوزیم ہی کے رسٹوران میں کھایا اور میوزیم دیکھتے رہے۔ سوا بجے (۵۰) سینٹ کا ٹکٹ لے کر پلانیٹریم میں داخل ہوئے۔ ہمارے ساتھ تقریباً چار سو آدمی ہوں گے سب سے پہلے ہم سب کو ایک بڑے گول ہال میں کرسیوں پر بٹھلایا گیا۔ ہال کے وسط میں ایک گول چھت میں۔ آفتاب۔ زمین۔ چاند۔ مریخ۔ زہرہ۔ مشتری۔ زحل وغیرہ بالکل اسی طرح اور اسی رفتار سے چکر لگا رہے تھے جیسے کہ فضا میں چکر لگا رہے ہیں۔ لوڈ اسپیکر کے ذریعہ ایک مقرر نے حالات بیان کیئے اس کے بعد سیر بین اوپر کی منزل میں ایک نہایت ہی بڑے مدور ہال میں جمع ہوئے۔ جس کے وسط میں ایک نہایت ہی خوبصورت مشین جسے پروجکٹر کہتے ہیں رکھا ہوا تھا۔ جس کی قیمت کئی لاکھ ڈالر بیان کی جاتی ہے۔ اس مشین کے اطراف قطار در قطار لوگوں کے بیٹھنے کے سیٹ تھے۔ مجمع اس قدر زیادہ

ہو گیا تھا کہ تل بھر جگہ باقی نہ تھی۔ تقریباً ایک ہزار تعداد ہو گی۔ ہال کی روشنی میں بتدریج سہ پہر۔ شام اور بالآخر رات کا سماں پیدا کر کے تاروں بھری رات دکھلائی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ درحقیقت ہم اصلی آسمان کے نیچے ہیں۔ پھر چاند اور آفتاب کا طلوع ہونا، ستاروں کا نظر آنا، اور غائب ہونا بالکل اصلی کیفیت میں دکھلایا گیا۔ ایک گھنٹہ تک ایک مقرر نے نہایت وضاحت سے سیاروں اور ستاروں سے متعلق عملی طور پر ان کو چلا کر سمجھایا۔ بڑے بڑے علم ہیئت کے ماہرین کی تحقیق کے بموجب کروڑ ہا برس کے بعد دنیا کس طرح ختم ہو جائے گی۔ اور کس طرح زمین سے دوسرے سیاروں کا تصادم ہو گا آسمان پر عملاً دکھلایا۔ دیکھنے والے دم بخود تھے۔

عالم افلاک کی اس مصنوعی سیر کے بعد ہم نیچے آ کر عمارت کے دوسرے شعبے دیکھے۔ عمارت کے بازوؤں میں بڑے بڑے شہاب ثاقب رکھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک تیس ٹن وزنی ہے۔ اور ایک بڑے بیٹھے ہوئے گھوڑے کی جسامت کا ہے جو دنیا میں سب سے بڑا شہاب ثاقب سمجھا جاتا ہے جو زمین پر گرا۔ یہاں سے واپسی ہوتے ہوئے سنٹرل پارک میں کلوپیٹرا کی سوئی کو دیکھا جسے کلیوپیٹرا ز نیڈل اور اوبلکس کہا جاتا ہے۔ یہ ایک سرخ پتھر کا چوکنی ستون ہے جو تقریباً (۱۰۰) فیٹ اونچا ہے اس کے پہلوؤں پر مصری قدیم زبان میں کچھ تحریرات ہیں۔ چاروں پہلو اوپر جا کر ایک نقطہ کی شکل میں بنائے گئے ہیں۔ خدیو مصر نے اسے تحفتاً بھیجا تھا۔ اسی قسم کا ایک اور ستون خدیو مصر نے لندن بھیجا تھا جو ٹیمس ندی کے کنارے نصب

کیا گیا ہے۔ شام کے پانچ بجے مسٹر عبدالرزاق کے گھر گیا جہاں ان کی بیوی نے چائے پر مدعو کیا تھا بارش کا سلسلہ صبح سے برابر جاری ہے۔ نواب احسن یار جنگ بہادر اور قادر حسین صاحب بھی ساڑھے پانچ بجے کے قریب آ گئے شب کے ساڑھے سات بجے مسٹر اور مسز عبدالرزاق کے ساتھ بیرن وان کوہارن کے ہاں رات کے کھانے کی دعوت میں گیا۔ بیرن۔ ان کی بیوی اور دونوں لڑکے ہنری وان کوہارن، اور مسٹر رالف کوہارن نیز راجہ پنالعل جی نواب احسن یار جنگ بہادر اور مسٹر جاویری شریک طعام تھے۔ شب کے گیارہ بجے ہوٹل واپس ہوا۔ بیرن کوہارن کے مکان سے نیویارک کی بعض بلند عمارات کا منظر بہت ہی عجیب معلوم ہوا

یکشنبہ ۲۲ ستمبر | علی الصباح نماز کے بعد سامان درست کیا کیوں کہ دوپہر میں ہوائی جہاز سے لندن واپس جانا ہے۔ حیدرآباد سے آتے وقت یوروپ اور امریکہ کے سفر کے لیئے ضروری کپڑے موسمی حالات کے لحاظ سے ساتھ لایا تھا۔ کل خیال آیا کہ ہوائی جہاز میں مقررہ وزن سے زیادہ سامان لیجانے کی صورت میں بہت زیادہ رقم دینی پڑتی ہے لہذا تھوڑا تھوڑا سامان ہلکا کرنا مناسب ہوگا۔ کل مسز رزاق سے دوران گفتگو میں یہ معلوم ہونے پر کے انھوں نے امریکہ میں ہندوستانی ملاحوں کی ایک انجمن بنائی ہے اور وقتاً فوقتاً ان کی امداد کے لیئے اپنے صرفہ سے چائے پر معتبر لوگوں کو جمع کر کے غریب ملاحوں کی امداد مہیا کرتی رہتی ہیں میں نے ان سے اپنے خیال کا اظہار کیا جس کی انھوں نے پوری پوری

تائید کی چنانچہ آج سامان باندھتے وقت کچھ کپڑے جوتے وغیرہ علیحدہ رکھ دیئے تاکہ ہوائی اڈہ پر جانے سے پہلے اُسے عبدالرزاق صاحب کے حوالہ کردوں جو دس بجے آنے والے تھے۔

صبح سے مطلع صاف اور ہوا میں خنکی ہے۔ دس بجے عبدالرزاق صاحب اور قادر حسین صاحب وداعی ملاقات کے لیئے آئے۔ راجہ پنالعل جی اور میں بی۔ اے۔ او۔ سی کے ہوائی دفتر پر ساڑھے گیارہ بجے گئے جہاں سامان اور مسافروں کو تولا گیا اور ضروری امور کی تکمیل کے بعد کہا گیا کہ ڈیڑھ بجے کمپنی کی موٹر کوچ میں مسافروں کو لاگارڈا کے طیران گاہ پر لیجایا جائے گا۔ ایک گھنٹہ کا وقفہ تھا اس لیئے راجہ پنالعل جی۔ نواب احسن یار جنگ بہادر اور میں انڈیا رسٹوران گئے تاکہ دوپہر کا کھانا کھالیں۔ اس رسٹوران کو امریکن چلاتے ہیں مگر نام کی موزونیت کے لحاظ سے رسٹوران میں بدھا کا ایک چھوٹا سا مجسمہ رکھا گیا ہے۔ میزوں پر کے کپڑے ہندوستانی چھاپے کے اور دوسری چیزیں بھی اسی مذاق کی رکھی گئی ہیں۔ جو عورت میزوں پر کام کر رہی تھی اس نے بھی جامہ وار کے چھاپے کا کوٹ پہنا تھا۔ سالن پوریاں اور چاول ہندوستانی طریقہ سے پکائے گئے تھے اور اچھے تھے۔ سوا بجے ہم ہوائی دفتر واپس ہوئے اور ڈیڑھ بجے وہاں سے روانہ ہو کر (۲) بجے لاگارڈا طیران گاہ پہنچے۔ پاسپورٹ کی تنقیح کے بعد طیارہ میں ڈھائی بجے بیٹھنے کی اجازت دی گئی اور ٹھیک پونے تین بجے طیارہ نے پرواز کی۔ پرواز سے پہلے کپتان نے مسافروں کو ضروری ہدایات دیئے اور کہا کہ

سوا چار گھنٹے کے بعد طیارہ نیو فونڈلینڈ میں گیانڈر کے طیران گاہ پر پہنچیگا
بنام کے چھ بجے میں نے دیکھا کہ ایک لمبی کشتی سمندر میں جارہی ہے میں سوچ رہا
تھا کہ اتنے بڑے سمندر میں صرف ایک کشتی اور وہ بھی بندرگاہ سے دور
کس طرح آگئی ہے اس کے ایک سرے سے پانی ابل رہا تھا جس طرح دخانی
کشتی کے پیچھے اچھلتا ہے۔ یکایک کشتی پانی میں ڈوب گئی اور پھر اوپر آئی۔
تب میں نے سمجھا کہ وہیل مچھلی ہے۔ شام کے سوا سات بجے ہم نیو فونڈلینڈ
کے طیران گاہ گیانڈر پر اُترے۔ کپتان نے مسافروں کو اطلاع دی کہ
مقامی وقت کے لحاظ سے پونے نو بجے ہیں۔ سبھوں نے اپنی گھڑیاں
درست کرلیں۔ رات کے کھانے کے لیئے ایک گھنٹہ کی مہلت دی گئی کمپنی
کی طرف سے طیران گاہ کے طعام خانہ میں انتظام تھا۔ کھانے کے بعد رات
دس بجے طیارہ نے پرواز کی۔ پرواز سے پہلے کپتان نے مسافروں
کو مخاطب کرکے کہا کہ طیارہ کی پرواز ساڑھے 9 گھنٹے کی ہوگی اور کل
علی الصباح آئرلینڈ کے طیران گاہ شینان پر پہنچیں گے۔ طیارہ میں چالیس مسافروں
کی جگہ تھی مگر صرف پندرہ مسافر سفر کر رہے ہے۔ اس لیئے ہر مسافر کو دو دو کرسیاں
سونے کے لیئے دی گئیں اور بیچ کی گدی نکال دی گئی تاکہ آرام سے سوسکیں
انجن کی آواز کی وجہ سے مجھے نیند نہیں آئی اور رات بھر جاگتا رہا۔ کل کے اخبارات
میں یہ پڑھ کر تشویش ہوئی کہ اسکانڈی نیوین ایرویز کا ایک طیارہ شینان کے
قریب گر کر جل گیا اور سب مسافر اور چلانے والے مر گئے۔ رات کے
ساڑھے بارہ بجے طیارہ کے ملازم نے مسافروں سے کہا کہ شمالی روشنی

نظر آرہی ہے۔ بعض مسافر اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُسے دیکھنے لگے مگر میں آنکھیں بند کئے ہوئے پڑا رہا۔ راجہ پنا لعل جی نے جو میرے بازو کی کرسیوں پر تھے مجھے ہلایا اور کہا کہ شمالی روشنی لائق دید ہے۔ میں اُٹھ کر راجہ صاحب کے طرف کی کھڑکی میں جا کر دیکھا۔ شمال کی طرف آسمان کے آخری حصہ میں جسے انگریزی میں ہورائیزن کہتے ہیں باریک جھاڑو کی کاڑیوں کی شکل میں مدھم روشنی کی شعائیں آسمان کی طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ نہ تو آفتاب کی کرنوں کی طرح روشن تھیں اور نہ چاند کی روشنی سے مشابہ تھیں۔ ان کی وجہ سے شمالی اُفق کا ایک حصہ صبح کاذب کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ روشن کاڑیوں کے درمیان میں بالکل اندھیری رات کی سیاہی تھی عجیب سُہانہ منظر تھا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کی روشنی کو جو قطب شمالی کے پاس نمودار ہوتی ہے انگریزی میں ارورا بوریالس کہتے ہیں۔

قطب شمالی میں سال میں چھ مہینے دن اور رات آفتاب نکلا ہوا رہتا ہے اور افق کے اطراف چکر لگاتا ہے بقیہ چھ مہینے چوبیس گھنٹے رات رہتی ہے آج کل وہاں چوبیس گھنٹے دن رہتا ہے۔ وہاں کے دن کی روشنی کا عکس تھا جو ہم نے دیکھا۔ نیو فونڈ لینڈ سے چونکہ قطب شمالی قریب ہے اور ہمارا طیارہ اس وقت اس مقام سے گزر رہا تھا جہاں دن اور رات ملتے ہیں اس لئے یہ منظر دکھائی دیا۔ میں تقریباً نصف گھنٹہ تک اس روشنی کو دیکھتا رہا اور جب وہ غائب ہوگئی تو اپنی جگہ پر جا کر لیٹ گیا اور گھنٹوں خدا کی قدرت کے ان بے شمار مظاہروں پر غور کرتا رہا کہ ان نشانیوں کو دیکھتے ہوئے بھی

کس طرح بعض انسان خدا کے منکر ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں پر قرآن پاک کی آیت۔ صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ۔ صادق آتی ہے۔

دوشنبہ ۲۳ ستمبر | صبح کے (۶) بجے کے قریب کچھ آنکھ لگی تھی کہ طیارہ کے ملازم نے جگا کر مجھے چائے اور میوہ کی کشتی دی ساڑھے سات بجے ہمارا طیارہ جو تمام رات اٹلانٹک یعنے بحراوقیانوس پر سے اُڑتا رہا ائرلینڈ کے طیران گاہ شینان پر اُترا۔ کپتان نے اُترنے سے پہلے مسافروں سے کہا کہ مقامی وقت کے لحاظ سے ساڑھے نو بجے ہیں اور ایک گھنٹہ کے وقفہ کے بعد طیارہ انگلینڈ کے لئے پرواز کرے گا۔ مسافروں کے بریکفاسٹ کا انتظام طیران گاہ کے طعام خانہ میں تھا جہاں سبھوں نے ناشتہ کیا اور ساڑھے دس بجے روانہ ہوئے۔ ڈیڑھ گھنٹے میں لندن کے طیران گاہ ہیت رو پر سلامتی کے ساتھ ہم اترے پاسپورٹ کی تنقیح کے وقت مجھ سے افسر متعلقہ نے دریافت کیا کہ میرے ساتھ دس پونڈ سے زاید انگریزی رقم تو نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ دس پونڈ سے بہت زیادہ رقم میرے ساتھ ہے مگر یاد نہیں ہے گن کر بتا سکتا ہوں چنانچہ میں نے نوٹوں کو گن کر کہا کہ ساٹھ پونڈ ہیں اس نے کہا کہ قواعد کے لحاظ سے دس پونڈ سے زاید رقم باہر نہیں لیجائی جا سکتی وہ زاید رقم کو ضبط کرنے کا مجاز ہے مگر میرے ساتھ یہ عمل کرنا پسند نہیں کرتا بشرطیکہ میں وعدہ کروں کہ آیندہ ایسا نہ ہوگا میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور

کہا کہ دو ہفتوں کے اندر میں ہندوستان واپس جا رہا ہوں آئندہ شاید ہی میں انگلستان آؤں اور خلاف ورزی کا مرتکب ہو سکوں ۔ اس مرحلہ کے بعد کسٹم کی جھڑتی کے کمرہ میں گیا تو وہاں کے افسر نے مجھے ایک کاغذ کے مقوے پر چھپے ہوئے قواعد دیئے اور کہا کہ پہلے اُسے پڑھ لوں ۔ اسی اثناء میں وہ ایک انگریز کے سامان کی جھڑتی لینے لگا۔ اور اس کے اور کوٹ کے جیبوں میں ہاتھ ڈال کر تلاشی لی۔ میں نے اس افسر سے کہا امریکہ سے فلاں فلاں سامان اپنے استعمال کے لئے خرید کر لایا ہوں ۔ اس پر اُس نے بلا کسی جھڑتی کے میرے سامان پر جھڑتی کا نشان کر کے مجھے جانے کی اجازت دیدی۔ اس سے پہلے بھی انگلینڈ اور یورپ میں میں نے دیکھا کہ ہندوستانیوں کے ساتھ کسٹم کی جھڑتی سرسری طور پر کی جاتی ہے۔ یوروپین اصحاب کے ساتھ سختی کی جاتی ہے ۔ انگریز افسروں کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی کہ وہ بلا وجہ کسی کو زحمت نہیں دیتے ۔ (۲) بجے کے قریب سیوائے ہوٹل پہنچا اس دفعہ مجھے (۴۸۰) نمبر کا کمرہ ملا۔ صبح سے نواب احسن یار جنگ بہادر میرے ہی ساتھ ہیں کیونکہ ان کے لئے شام تک کمرہ دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ شام کی چائے کمرہ ہی میں پی کر نواب احسن یار جنگ بہادر اور میں نیچے گئے اور رات کا کھانا ڈائننگ ہال میں کھایا۔ گذشتہ رات کو جاگتے رہنے کی وجہ سے کھانے کی میز پر مجھ پر نیند کا اس قدر غلبہ رہا کہ کئی دفعہ اُونگھی آئی جلد کھانا ختم کر کے کمرہ میں آیا۔ لندن میں موسم گرما ختم ہو کر سردی کا

موسم آغاز ہونے سے شام ہی سے سردی محسوس ہونے لگی۔ شب کے (۱۰) بجے سو گیا۔

سہ شنبہ ۲۴۔ ستمبر | صبح آنکھ کھلی تو دن کافی چڑھ گیا تھا۔ گھڑی دیکھی تو (۹) نو بج چکے تھے۔ یہ پہلی دفعہ ہے کہ میں مسلسل گیارہ گھنٹے سویا۔ نواب احسن یار جنگ بہادر (۱۰) بجے آئے اور ہم دونوں یکساتھ کمرے ہی میں ناشتہ کر کے ہندوستان واپس جانے سے متعلق ضروری انتظامات کرنے کے لیئے باہر نکلے۔ ایک مشکل یہ آن پڑی ہے کہ بی۔او۔اے۔سی کے طیارہ سے ۲۶۔ ستمبر کو جگہ ملی ہے مگر زرد بخار کا ٹیکہ لینا لازمی ہے اور شرط یہ ہے کہ ٹیکہ دس دن پہلے لیا گیا ہو جس کے بغیر طیارہ میں سوار ہونے نہیں دیا جاتا۔ ہم کوشش کر رہے ہیں کہ کسی دوسرے طیارہ میں ہمیں جگہ مل جائے۔ امریکہ سے واپس آنے کے بعد لندن کچھ دوسرا ہی شہر معلوم ہونے لگا ہے۔ نیو یارک کی چہل پہل کے مقابلہ میں لندن ایک پس ماندہ شہر نظر آرہا ہے۔

تین بجے کھانے کے کمرے سے واپس ہو کر وضو کر رہا تھا کہ ویٹر نے دروازہ کھٹکھٹایا اور دریافت پر کہا کہ (۶۷۰) نمبر میں رہنے والے صاحب آج پانچ بجے لندن سے واپس جا رہے ہیں اور کہلوایا ہے کہ میں بھی اپنا سامان باندھ کر تیار ہو جاؤں۔ راجہ پنا لعل جی اس کمرے میں مقیم ہیں اور وہ اور میں مل کر ہندوستان واپس جانے والے تھے۔ اس لیئے میں نے اُن سے فوراً ٹیلیفون ملا کر دریافت کیا کہ آیا دوسرے

ہوائی جہاز میں جگہ مل گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ مسٹر سوشیل جاویری کی کوشش سے سی پلین یعنے دریائی ہوائی جہاز میں چار نشستیں مل گئی ہیں اور یہ کہ شام کے ساڑھے پانچ بجے ہم کو ہوائی اسٹیشن پر رہنا چاہیئے جہاں سے مسافروں کو کمپنی کی موٹر کوچ میں پول کے ہوائی اڈہ پر لیجایا جائے گا۔ اور علی الصباح (۷) بجے وہاں سے سنڈرلینڈ طیارہ پرواز کرے گا۔ میں نے فوراً اپنا اسباب باندھنا شروع کیا۔ صبح میں مسز سلاٹر نے ذریعہ ٹیلیفون کل شام کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کیا تھا اور میں نے اس دعوت کو قبول کر لیا تھا۔ اُن سے ٹیلیفون ملا کر معذرت کرنا چاہتا تھا مگر وہ گھر پر موجود نہ تھیں۔ ساڑھے چار بجے پھر ٹیلیفون ملایا اور یکایک روانگی کی اطلاع دی انھوں نے کہا کہ وہ خدا حافظ کہنے کے لیئے فوراً آنا چاہتی ہیں کرنل سلاٹر کو بھی ٹیلیفون سے اطلاع دینے کا وعدہ کیا۔ پندرہ منٹ میں یہ دونوں سیوائے ہوٹل آئے اور بہت پُر خلوص طریقہ پر مجھے لندن سے رخصت کیا جس کے لیئے میں اُن کا بیحد ممنون ہوں۔ روانگی سے پہلے نواب زین یار جنگ بہادر سے بھی رخصت ہوا۔ وکٹوریہ کے ہوائی اسٹیشن سے پول کی بستی نو دمیل ہے۔ وکٹوریہ ایر ٹرمینس پر بس میں سوار ہوتے ہی ایوننگ اسٹانڈرڈ کے آج کی تاریخ کا اخبار خرید کر مسافر پڑھنے لگے اور فوراً مسافروں میں ایک قسم کی ہراسانی پیدا ہو گئی جب کہ اخبار کی اس سُرخی پر نظر پڑی جس میں لکھا تھا کہ گیانڈر کے ہوائی اڈہ پر اترتے ہی ایک طیارہ کو کل سہ پہر میں صدمہ پہنچا اور کئی اشخاص مجروح ہو گئے۔

راستہ میں شب کے آٹھ بجے ایک رسٹوران میں مسافروں کو رات کا کھانا کھلایا گیا۔ ساڑھے دس بجے ہم پول پہنچے شب باشی کا انتظام بی۔ او۔ اے۔ سی کمپنی کے ایک ہوٹل میں تھا۔ نواب احسن یار جنگ بہادر اور میں ایک کمرے میں ٹھیرے۔

چہار شنبہ ۲۵ ستمبر | صبح کے پانچ بجے ویٹر نے دروازہ کھٹکھٹا کر اطلاع دی کہ چھ بجے مسافروں کو نیچے آجانا چاہیئے جہاں سے کسٹم اور پاسپورٹ کی تنقیح کے بعد طیارہ میں سوار کرایا جائے گا۔ چنانچہ ان امور کی تکمیل کے بعد ساڑھے سات بجے مسافروں کو طیارہ میں سوار کر دیا گیا اور آٹھ بجے طیارہ نے پرواز کی۔ آج پہلی دفعہ میں دریائی طیارہ یعنی سی پلین میں بیٹھا۔ اس طیارہ کو پہیئے نہیں ہوتے بلکہ پانی پر تیرنے والے دو بڑے بڑے ترنڈے یعنے فلوٹ ہوتے ہیں اور خود طیارے کا درمیانی جسم بھی پانی پر تیرتا رہتا ہے۔ اندر بیٹھنے اور سونے کا بہت بہتر انتظام ہے۔ چار چار پانچ پانچ مسافروں کے لیئے علحدہ علحدہ کیابن ہیں جن میں آرام دہ گدیدار کرسیاں اور ان کے بیچ میں میز ہے سونے کے لیئے تہ ہونے والے برتھ ہیں۔ پانی پر یہ طیارہ اسی طرح دوڑ کر (جس طرح معمولی طیارہ زمین پر دوڑتا ہے) ہوا میں بلند ہوجاتا ہے اور فضاء میں اڑتا چلا جاتا ہے یہ زمین پر نہیں اتر سکتا بلکہ پانی ہی پر اترتا ہے۔ چلنے میں اس کی رفتار سست مگر نہایت آرام دہ ہے۔ بہت کم جھکولے کھاتا ہے۔ اور نہایت ہی آسانی سے نیچے اترتا ہے۔

ہر لحاظ سے میں اس طیارہ میں ہوائی سفر کو ترجیح دوں گا۔ ساڑھے تین گھنٹے پرواز کرنے کے بعد پہلا ورود ساڑھے گیارہ بجے مارسیلز پر ہوا ناشتہ کے لیئے ایک گھنٹہ کا وقفہ دے کر طیارہ نے ساڑھے بارہ بجے پرواز کی اور شام کے پانچ بجے اگسٹا نامی طیران گاہ پر جو سسلی کے جزیرہ پر واقع ہے اترا۔ راستہ میں بعض کوہ آتش فشاں نظر آئے جن کی چوٹیوں کے قریب اطراف میں سفید اور سیاہ مادہ حلقہ کی شکل میں نظر آیا یہ پہاڑ ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ کارسیکا سارڈینیا اور سسلی کی سرزمین نہایت ہی ویران نظر آئی کہیں کہیں چھوٹی بستیاں بھی دکھائی دیں معلوم ہوا کہ اس علاقہ میں یا تو چونا ہے یا فاسفورس۔ بعض مقامات میں نمک کے کارخانے اور ان کے میدان نظر آئے۔ اگسٹا کے طیران گاہ سے ملی ہوئی جو چھوٹی سی بستی ہے وہ بعینہٖ ایسی ہے جیسی کہ ہندوستان کی دیہاتی بستیاں ہیں۔ قدیم وضع کے مٹی پتھر کے مکان۔ دو چار بنگلے اور بستی کے باہر کنارے پر چیل سینڈھو کی جھاڑی۔ مکانات کے پچھواڑے میں چار دیواری اور اس میں ایک بند دروازہ دیکھ کر ہندوستان کے دیہات یاد آ گئے۔ بعض سانولے رنگ کے اٹالین باشندے بھی دیکھے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اٹلی کا نظم و نسق ترقی پسند نہیں ہے۔ اور معیار زندگی بھی پست ہے۔ شام کے چھ بجے یہاں سے روانہ ہو کر رات کے بارہ بجے قاہرہ میں دریائے نیل پر جو بالکل بستی سے مل کر بہتی ہے ہمارا طیارہ اُترا۔ (۴) بجے صبح تک کمپنی کے ہوز بوٹ یعنے کشتی گھر میں مسافروں کو ٹھیرایا گیا۔ شدت کی

گرمی ہو رہی تھی۔ پچھلی شب پول کے ہوٹل میں مطلق نیند نہیں آئی تھی اور
دن بھر طیارہ میں بیٹھے بیٹھے طبیعت اکتا گئی تھی اس لیئے ٹھنڈے پانی سے
غسل کر کے سو گیا۔

پنجشنبہ ۲۶ ستمبر

تین بجے نواب احسن یار جنگ بہادر نے جگایا کیونکہ طیارہ پر
جانے کا وقت ہو چکا تھا۔ باہر آنے پر معلوم ہوا کہ پرواز
میں ابھی کچھ عرصہ ہے۔ چار بجے کشتی کے ذریعہ مسافروں کو طیارہ تک
پہنچایا گیا۔ ساڑھے چار بجے طیارہ نے بصرہ کے لیئے پرواز کی یہ پرواز
خشکی پر سے ہوئی۔ مسلسل چھ گھنٹوں تک طیارہ سہارا کے لق و دق ریگستان
پر سے گزرتا رہا۔ علی الصبح صحرا کا منظر قابل دید تھا۔ ایک دفعہ ایسا معلوم
ہوا کہ سفید برف کے پہاڑ چمک رہے ہیں۔ یہ سما اس وقت دکھائی دیا جبکہ
آفتاب کی کرنیں صحرا کے ایک حصہ پر پڑ رہی تھیں اور بعض حصے سایہ میں تھے
تھوڑی دیر کے بعد سارے ریگستان پر دھوپ چمکنے لگی۔ بارش جو جھولوں
میں سے بہہ کر ریتی میں جذب ہو گئی ہے اس کے نالیوں کے نشان اوپر سے
ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے بڑے بڑے درختوں کی پیڑ اور ٹہنیاں
زمین پر بچھا دی گئی ہیں یعنی جنگل کا ایک چپٹا نقشہ معلوم ہوتا ہے اور دوسرے
رنگ کے دھبے بھی جا بجا دکھائی دیئیے۔ بعض حصوں میں پٹرول کے
پائپ لائن نظر آئے۔ صحرا کا منظر بھی عجیب ہوتا ہے کہ جہاں تک نظر کام
کرتی ہے سوائے ریت کے کوئی اور چیز حتی کہ پرند بھی دکھائی نہیں
دیتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات بالکل بے جان اور بے زبان ہے۔

عجیب شان کبریائی ہے۔ ایسے لق و دق ریگستان کی تخلیق میں کیا مصلحت ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ تقریباً چھ گھنٹہ تک طیارہ اس خاموش سرزمین پر سے جس کی بے زبانی میں بھی ایک گویائی کا دفتر مضمر تھا اُڑتا رہا۔ دوران پرواز میں طیارہ کا کپتان مسافروں کی اطلاع کے لیئے ایک نوٹ ہر گھنٹے دو گھنٹے کو گشت کراتا رہا جس میں رفتار پرواز۔ وقت اور مقام جس پر سے طیارہ گزر رہا ہے زمین پر پارہ کتنے درجہ ہے۔ آنے والے مقام پر کس وقت طیارہ اُترے گا۔ مقررہ وقت سے آیا طیارہ آگے ہے یا پیچھے تبلایا گیا تھا۔ کپتان کے نوٹ سے معلوم ہوا کہ سہارا کے ریگستان کے بعد ہم تھوڑی دیر تک ٹرانس جارڈینیہ یعنے شرق اردون کے ملک پر سے اُڑ رہے ہیں اور یہ کہ سعودی عرب کا علاقہ ہمارے قریب سیدھے جانب ہے اس نوٹ کو دیکھتے ہی مجھے رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ مرحوم سابق صدر اعظم مملکت آصفیہ کا وہ واقعہ یاد آیا جب کہ مرحوم اور ان کی مرحومہ بیوی گول میز کانفرنس لندن کو جاتے ہوئے دُخانی جہاز کے کپتان سے یہ معلوم کر کے ان کا جہاز کس وقت مدینہ منورہ کے قریب ترین نقطہ پر سے گزرے گا رات کے دو بجے جہاز کے عرشہ پر قبلہ رُخ ہو کر آہ و زاری کی تھی۔ میں فوراً قبلہ رُخ کھڑا ہو گیا اور بارگاہ ایزدی میں اعزہ و احباب کے لیئے دُعا کی اور دربار نبوی میں معروضہ کیا کہ قدوم مبارک کے پاس حاضر ہونے کی اجازت عطا ہو۔ تھوڑی دور آگے بڑھنے پر فراط یعنے یوفریٹس اور دجلہ یعنے ٹائگریس ندیاں دکھائی دیں بصرہ سے

قریب یہ دونوں ندیاں ملجاتی ہیں۔ جسے شطل العرب کہا جاتا ہے۔ فرات ندی کے کنارے کنارے بصرہ کے شہر تک کثرت سے کھجور کے باغ دکھائی دئیے۔ جو میلوں چلے گئے ہیں ان میں نہر کے ذریعہ پانی دوڑایا گیا ہے عراق کے جس حصہ پر سے ہم گزرے وہ بہت کم آباد معلوم ہوا۔ دن کے ساڑھے گیارہ بجے ہمارا طیارہ بصرہ کے شہر سے قریب شطل العرب ندی پر اُترا۔ مسافروں کو کمپنی کی ہوٹل میں دوپہر کے کھانے کے لئے ذریعۂ کشتی پہنچایا گیا۔ اور کہا گیا کہ ایک گھنٹے کے بعد طیارہ بحرین کے لئے پرواز کریگا بصرہ میں اس وقت حرارت (۱۰۶) درجے تھی اور باوجودیکہ ہوٹل میں برقی پنکھے چل رہے تھے پسینہ میں سب لوگ شرابور ہو گئے طیران گاہ سے بصرہ کا شہر (۱۷) میل دور بیان کیا گیا تنگی وقت کی وجہ سے مجھے اس کا افسوس ہوا کہ میں اس مقدس شہر کو دیکھ نہ سکوں گا۔ ہم کھانا کھاکر اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ بلاوے پر کشتی میں سوار ہو جائیں، کہ طیارہ کے کپتان نے آکر کہا کہ انجن کی خرابی کی وجہ سے مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ بعد پرواز ہوگی۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر کپتان نے آن کر کہا کہ انجن کی خرابی کو درست کرنے کی پوری کوششیں کی گئیں مگر کل صبح سے پہلے طیارہ کا انجن درست نہیں ہو سکتا جس کا افسوس ہے۔ ساتھ ہی یہ اعلان ہوا کہ مسافروں کا سامان ہوٹل کے کمروں میں بھجوا دیا جائے گا تاکہ مسافر رات آرام سے گزار سکیں۔ اس اطلاع کے سننے سے بہت سارے مسافروں کو مایوسی ہوئی کیونکہ ہر شخص کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اپنے منزل مقصود کو

جلد سے جلد پہنچ جائے۔ میرے دل میں ایک اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور خیال آیا کہ بصرہ کی سرزمین پر قدیم الایام میں بڑے بڑے اولیاء گزرے ہیں اور قدیم عرب تہذیب کا یہ گہوارہ ہے خدا کو شاید یہ منظور تھا کہ مجھ جیسا عامی بھی یہاں ایک شب گزار کر کیا عجب ہے کہ یہاں کے تاثرات سے بہرہ اندوز ہو۔ میں نے سب سے پہلے یہ دریافت کیا کہ بصرہ میں یا اس سے قریب کون کون سے مقدس مقامات ہیں۔ معلوم ہوا کہ بصرہ کے شہر سے متصل اعشار نامی بستی میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درگاہ شریف ہے اور تقریباً سو میل دور حضرت زبیر کا مزار مبارک ہے۔ بغداد شریف دو سو میل دور ہے۔ خیال ہوا کہ وقت ملے تو طیارہ کے ذریعہ بغداد شریف میں حاضری دے کر آجاؤں۔ معلوم ہوا کہ ایک طیارہ شام میں بغداد جاتا ہے اور تقریباً اُسی وقت بغداد سے طیارہ بصرہ واپس آتا ہے اور یہ کہ واپسی کے لیئے کل صبح سے پہلے کوئی طیارہ نہ ملے گا۔ اس سے بڑی مایوسی ہوئی۔ بہرکیف میں نے طے کر لیا کہ بصرہ کے شہر اور اعشار کی بستی کو جاؤں گا۔ چنانچہ مسٹر شوشل جادیری سے جو ہمارے سفر میں شروع سے ساتھ ہیں اور بہت خوبی سے وقت پر جملہ انتظامات کر دیتے ہیں کہا کہ کرایہ کی موٹر کار کا بندوبست کر دیں۔ انھوں نے اپنی مہربانی سے فوراً ہی ایک موٹر کار والے سے بات چیت کر لی اور طے پایا کہ دوپہر کا کھانا کھا کر تین یا چار بجے روانہ ہوں گے۔ کھانا کھا کر اوپر کمروں میں گئے تو دیکھا کہ طیارہ سے ابھی سامان منتقل نہیں ہوا ہے۔

ایک گھنٹہ کے انتظار کے بعد سامان آیا۔ نواب احسن یار جنگ بہادر اور مسٹر جاویری کی رائے ہوئی کہ دھوپ شدت کی ہے اس لیئے شام کے پانچ بجے نکلنا چاہیئے۔ چنانچہ نماز ظہر اور عصر پڑھنے کے بعد ہم تینوں شام کے ساڑھے چھ بجے ہوٹل سے روانہ ہوئے۔ طیران گاہ سے ایک طویل سڑک بصرہ کی بستی کو جاتی ہے جسے طریق الطیران کہتے ہیں۔ دو چار میل جانے کے بعد دو طرفہ مکانات شروع ہوتے ہیں۔ پولس کا اسٹیشن ہوز۔ طیران گاہ سے متعلق دفاتر، اور فوجی بارکس سڑک کے دونوں جانب ملتے ہیں۔ مکانات معمولی قسم کے ہیں البتہ ہر مکان کے آگے کافی صحن ہے جس میں کھجور کے اور پھولوں کے درخت ہیں۔ کچھ آگے چل کر غریب اشخاص کے رہائشی مکانات۔ دکانیں اور چائے خانے ملتے ہیں۔ یہ سب مٹی اور ٹٹیوں کی دیواروں کے ہیں۔ بعض پختہ اور بعض خس پوشس ہیں۔ جن کے آگے اور پیچھے مختصر سا بند صحن ہے بالکل دیہاتی قسم کے مکان ہیں۔ چائے خانوں کے سامنے کے صحن میں معمولی ٹوٹے پھوٹے کرسیوں اور لکڑی کے بینچوں پر لوگ چائے یا قہوہ پیتے ہوئے دیکھے گئے۔ بعض چائے خانوں میں ریڈیو بج رہا تھا جس میں عربی گانے سنائے جارہے تھے۔ راستہ کے بازو زمین پر مٹی کے تیل کے چراغ بلا چمنی کے جلا کر ترکاری اور میوہ فروشس بیٹھے تھے۔ ایک عورت بازار میں سے ایک بڑے گدھے پر کچھ سامان کے ساتھ بیٹھی ہوئی جارہی تھی۔ آگے چل کر جہاں سے شہر کی اصلی بستی شروع ہوتی ہے بڑے بڑے

رسٹوران واقع ہیں۔ یہ ایک قسم کے بڑے دالان ہیں جن کے آگے
تھوڑا سا صحن ہے اگر کہیں صحن نہیں ہے تو راستہ کے ایک حصہ میں لکڑی
کے بینچ ڈال دیئے گئے ہیں جہاں لوگ بیٹھ کر قہوہ پیتے یا کھانا کھاتے
ہیں۔ یہ بڑے رسٹوران بھی ناصاف ہیں۔ جتنے لوگ موجود تھے وہ سب
میلے کچیلے لباس میں تھے جس سے یہاں کے لوگوں کی غربت کا اندازہ
ہوتا ہے۔ بصرہ کے طیران گاہ پر جو عرب ملازم کھانا کھلانے اور دوسرے
ادنیٰ کاموں پر مامور ہیں انھوں نے کوٹ اور جیاکٹ اختیار کر لیا ہے۔
سب کے سب ننگے سر ڈاڑھی موچھ منڈھے ہیں۔ شہر میں بھی بعض لوگ
کوٹ اور پتلون میں دکھائی دیئے۔ مجھے اکثر عربوں کو خواہ وہ کوٹ پتلون میں
ہوں یا عربی لباس میں ڈاڑھی منڈھے ہوئے دیکھ کر ذرا تعجب ہوا
کیونکہ حیدرآباد اور ہندوستان میں عربوں کو میں نے بالعموم ڈاڑھی رکھے ہوئے
اور ڈاڑھی منڈھوں کو بطور استثناء کے دیکھا تھا۔ بصرے میں اس کے
برعکس صورت حال میرے لیئے ضرور استعجاب کا باعث ہوئی۔ بڑے
چوراہے کے سیدھے جانب بصرہ کی بستی کو راستہ جاتا ہے اور بائیں
جانب اعشار بستی کو سڑک جاتی ہے۔ میں پہلے اعشار بستی کو گیا۔ تاکہ
حضرت امیرالمومنین کی زیارت گاہ سے پہلے مشرف ہو جاؤں۔ بڑے چوراہا
کے بعد سے تمام سڑکوں پر برقی روشنی ہے مگر دور دور۔ پولس انگریزی
ہلمٹ پہنتی ہے جو ناموزوں معلوم ہوتی ہے۔ جو سڑک اعشار بستی میں سے
گزرتی ہے اس کے ایک جانب فراط ندی کی نہر بہتی ہے جو پختہ ہے

اس نہر پر مسلسل دو منزلہ قدیم وضع کے بنگلے ہیں جن کا عکس نہر میں پڑ رہا تھا۔ سڑک کے دوسرے جانب معمولی چھوٹی چھوٹی دکانیں حجامت خانے وغیرہ ہیں۔ لوگوں کی چہل پہل کافی تھی مرد عربی لباس میں اور عورتیں سیاہ اوڑنی پہنے ہوئے اور بعض مغربی لباس میں آتے جاتے دیکھے گئے
اعشار کی ایک گلی میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے منسوب درگاہ واقع ہے۔ راستہ کے سرے پر کچھ فقیر مرد عورت بیٹھے تھے۔
درگاہ کے حجرے سے لگی ہوئی بائیں جانب ایک مسجد ہے جس کے اندر چونے کی استرکاری نہیں ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت سے بنی ہے اسی ناتمام حالت میں ہے کیونکہ اینٹیں میلی ہو گئی ہیں۔ میں جس وقت پہنچا ہوں عشاء کی نماز ہو رہی تھی۔ اس مسجد سے متعلق یہ واقعہ ذکر طلب ہے کہ اس کے نصف حصہ میں شیعہ اور نصف میں سُنّی نماز پڑھتے ہیں۔
درگاہ کے حجرے کا دروازہ مقفل تھا ایک شخص دروازے کے دونوں جانب باہر موم تبیاں روشن کر رہا تھا۔ تین تین موم تبیاں ایک ایک جانب تھیں میں نے ٹوٹی پھوٹی عربی میں دریافت کیا کہ آیا میں سیڑھیوں پر چڑھ کر دروازہ کی جالی میں سے اندر دیکھ سکتا ہوں۔ اس نے کہا کوئی ہرج نہیں ہے۔ میں نے فاتحہ پڑھی اور جالی میں سے دیکھا تو کوئی قبر نظر نہیں آئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ حضرت کا چلہ ہے یہاں سے قریب جنگ جمل ہوئی تھی اس وقت اس حجرۂ مبارک میں حضرت کی تشریف فرمائی ہوئی تھی
اعشار کی بستی دیکھتے ہوئے ہم بصرہ کی عین آبادی میں گئے۔ یہ بستی

اعشار کی بستی کے مقابلہ میں چھوٹی ہے۔ مکانات اور گلیاں بھی تنگ و تاریک ہیں۔ قدیم سے جس حالت میں یہ بستی بسی تھی اب بھی اسی کیفیت میں ہے۔ آبادی کی توسیع اعشار کی جانب ہوئی ہے۔ مسٹر سوشل جاویری بصرہ کا کھانا اور یہاں کا ناچ گانا دیکھنے کے خواہشمند تھے اس لیے پھر ہم اعشار گئے اور ایک رسٹوران میں کھانا کھایا۔ بمبئی کے ایک شخص عبدالقادر نامی نے یہ رسٹوران (۱۲) برس ہوئے کھولا ہے۔ سموسے اور بریانی وغیرہ اچھے تیار کرتا ہے۔ کھانے کے بعد موٹر ڈرائیور ہمیں ایک تھیٹر کو لے گیا۔ دروازے پر ایک شخص ٹکٹ فروخت کر رہا تھا۔ ہم کو دیکھ کر کہا کہ اندر جا کر بیٹھ جائیں وہاں ٹکٹ بھجوا دے گا چنانچہ موٹر ڈرائیور کے ساتھ ہم اندر گئے۔ مکان کے پچھلے صحن میں جو کافی وسیع تھا ایک طرف لکڑی کا اونچا چبوترہ ہے جس کے عقب میں ایک پرانا رنگین پردہ ہے۔ پردہ سے متصل چار اشخاص کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں وایولین۔ دوسرے کے ہاتھ میں ایک خاص وضع کا ستار۔ تیسرے کے پاس دف اور چوتھے کے ہاتھ میں طبلہ تھا ایک باجا تھا۔ تماشبین لکڑی کی کرسیوں پر یا تو قطار در قطار بیٹھے تھے یا بازو میں کپڑے کی کرسیوں پر دو دو تین تین مل کر بیٹھے تھے درمیان میں میزیں تھیں جن پر مشروبات۔ سگریٹ اور خشک میوہ تھا۔ یہاں بھی اکثریت ڈاڑھی منڈھوں کی تھی۔ صحن کے ایک گوشہ میں مکان کی کھلی چھت پر بھی کچھ کرسیاں اور میز بچھے ہوئے تھے جن پر بعض لوگ بیٹھے تھے۔ دو چار عورتیں مغربی لباس میں پھر رہی تھیں لباس اور رنگ سے بالکل یوروپین معلوم

ہو تی تھیں۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض مسلمان ہیں اور بعض یہودی۔ ناچ گانے سے پہلے اور اس کے درمیان جوتوں کو پالش کرنے والے اور سگریٹ فروش برابر صدا لگا رہے تھے۔ کچھ دیر تک چاروں بجانے والوں نے کچھ گت بجائے جو بالکل عربی طرز کے تھے جیسے میں نے ریڈیو پر سنا تھا تھوڑی دیر کے بعد مغربی لباس میں یکے بعد دیگرے دو لڑکیوں نے اسٹیج پر آکر گایا اور ناچا۔

جس وقت یہ مناظر میری نظر سے گزر رہے تھے میرا دل رو رہا تھا اور ایک موقع پر میرے آنسو ٹپک پڑے جب خیال آیا کہ یہ سب کچھ میں اس سرزمین پر دیکھ رہا ہوں جہاں خدا کے برگزیدہ بندے دنیا میں خدا کا پیام لے کر آئے تھے۔ اور نہایت پاکیزہ زندگی بسر کی تھی عراق اور بصرہ کی سرزمین کو دیکھنے کے بعد ہر شخص کو حیرت ہوتی ہے کہ ایسے ملک میں جہاں تیل جیسی دنیا کی قیمتی چیز اُبلتی ہو لوگوں میں انتہاء درجہ کا افلاس کیوں ہے جب کہ مغربی ممالک میں یا امریکہ میں جہاں تیل کے چشمے ہیں وہاں دولت اُبلتی ہے اور لوگ مالا مال ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ عربوں نے جو شعار زندگی اختیار کر رکھا ہے یہ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ان کا ملک مقہور ہو گیا ہے۔ مگر ایک مسلمان کی حیثیت سے میں مایوس نہیں ہوں یہاں کے مسلمان اگر اپنے اعمال سے توبہ کریں اور خدا سے استعانت طلب کریں تو اس کی قدرت سے بعید نہیں ہے کہ اپنے کسی بندے کو کھڑا کر دے گا۔ اور "مردے از غیب بروں آید و کارے بکند" کا

مصداق ہوگا۔ انشاءاللہ المستعان۔

مقامی وقت کے لحاظ سے دس بجے ہم ہوٹل واپس ہوئے۔ نماز عشاء کے بعد سامان درست کیا کیونکہ کپتان نے اطلاع دی ہے کہ صبح کے ساڑھے پانچ بجے سامان طیارہ میں چڑھایا جائے گا۔ اور چھ بجے جہاز کی پرواز عمل میں آئے گی۔

جمعہ ۲۷ ستمبر رات میں نیند اچھی آئی اور پچھلی رات جاگتے رہنے کی وجہ سے جو کسلمندی تھی رفع ہو گئی۔ نماز فجر کے بعد نواب احسن یار جنگ بہادر اور میں جو کمرہ نمبر (۲۲) میں ایک ساتھ تھے سامان ملازم کے حوالہ کرکے چائے پینے کے لئے نیچے اترے۔ دوسرے اکثر مسافر کھانے کے کمرے میں پہلے سے موجود تھے چاء پی کر ہوٹل سے باہر شطل العرب ندی کے کنارے میں نے چہل قدمی کی۔ اس وقت آفتاب طلوع ہو رہا تھا فضاء میں خفیف سی خنکی تھی۔ بہت سارے مرد اور عورت مزدور اپنے کاموں پر ندی کے پل پر سے جار ہے تھے بعض مرد کوٹ پتلون میں اور اکثر عربی لباس میں تھے مگر سب کے لباس میلے اور پھٹے ہوئے تھے۔ عورتیں اوپر سے سیاہ کپڑے کی اوڑنی پہنی ہوئی تھیں۔ جو ٹخنوں تک لانبی تھی۔ ان کے لباس سے بھی افلاس ٹپکتا تھا۔ چھ بجے طیارہ نے پرواز کی۔ ہوا میں سے بصرہ کے علاقہ میں تھوڑی دور تک کھجور کے باغ اور مکانات نظر آتے رہے۔ کاشتکاروں کے مکان معمولی اور خس پوش دکھائی دیئے۔ اس کے بعد پھر بنجر میدانوں کا

سلسلہ شروع ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد ہم کویت کے علاقہ پر سے گزر کر خلیج فارس یعنے پرشین گلف کے سرے پر پہنچے اس حصہ سفر میں خلیج فارس کے بعض حصوں میں پانی کا رنگ عجیب وغریب تھا گہرے سبز پانی کے درمیان فیروزی رنگ کے پانی کے مختلف شکلوں کے جزیرے دکھائی دیتے تھے۔ یعنے سمندر کا کچھ حصہ سبز اور کچھ فیروزی رنگ کا مختلف شکلوں کا تھا۔

دو گھنٹوں کی پرواز کے بعد صبح کے آٹھ بجے طیارہ بحرین پر اترا۔ اوپر سے جزیرہ بحرین کے دو حصے جس میں بڑی آبادیاں ہیں دکھائی دے رہے تھے۔ اور شہر کافی بڑا اور خوبصورت نظر آرہا تھا۔ ان دو جزیروں کے درمیان بہت ہی طویل اور سیدھا راستہ جسے کازوے کہتے ہیں عین سمندر میں ڈالا گیا ہے اس پر سے موٹر کاریں گزر رہی تھیں۔ سمندر کا یہ خشکی کا راستہ ایک جانب ایران کے ساحل سے اور دوسری جانب سعودی ملک عرب سے جاکر ملتا ہے۔ مقامی وقت کے لحاظ سے ساڑھے نو بجے تھے اس لیئے میں نے اپنی گھڑی درست کرلی۔ بحرین پر ایک گھنٹہ کا وقفہ دیا گیا تھا۔ میں نے ایک ٹکسی موٹر کار والے سے گفتگو کرکے آدھ گھنٹے میں بستی میں پھر اکر واپس لانے کی بات چیت کرلی تھی اور نواب احسن یار جنگ بہادر کو ساتھ لے کر موٹر کار میں بیٹھ چکا تھا کہ بندرگاہ کے ایک ملازم نے مجھ سے کہا کہ شہر میں بلا اجازت نامہ کے نہیں جاسکتے اور یہ کہ پاسپورٹ کی تنقیح کرکے اجازت نامہ جاری کرنے تک ہوائی جہاز چلا جائے گا۔ مجبوراً ہم اتر پڑے اسی ملازم نے مجھے بندرگاہ کی عمارت کے اوپر لیجا کر بحرین کے مختلف

جزیروں کو دکھلا کر حالات سمجھائے۔ جس جزیرہ پر ہم اُترے تھے اس کا نام منومال ہے۔ اور یہیں بحرین کے حاکم شیخ بحرین کا محل ہے جس پر ایک جھنڈا لہراتا ہوا اوپر سے دکھائی دے رہا تھا۔ اس جزیرہ سے بہت دور ایک پہاڑی سلسلہ کو دکھلا کر کہا گیا کہ موسم گرما میں بحرین کا شیخ وہاں قیام کرتا ہے۔ منومال کے محاذی کچھ فاصلہ پر ایک جزیرہ میں عمارات متعدد چمنیاں اور اونچے اونچے لوہے کے کھمبے دکھائی دے رہے تھے یہ وہ مقام ہے جہاں پٹرول کے تیل کے چشمے ہیں اور تیل نکالا جاتا ہے دوسری چھوٹی بستیاں جو علیحدہ علیحدہ جزیروں پر آباد ہیں ان کے نام محرب۔ ہود۔ ارادا اور غالب ہیں۔

بحرین میں داخل ہوتے ہی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے علاقہ میں آگئے ہیں درجہ حرارت تقریباً (۱۰۰) درجہ تھا پسینہ جاری ہوگیا سیاہ فام عرب بالکل ہندوستانی معلوم ہوتے تھے۔ بعض کوٹ پتلون میں تھے مگر سر پر عربی لباس تھا۔ ادنی ملازمین کوٹ اور نیکر پہنتے ہوئے ننگے پیر ہوٹل سے باہر کام کر رہے تھے آبادی میں مساجد کے مینار دکھائی دے رہے تھے من حیثیت المجموع بحرین کے جزائر کا مجموعہ کافی دلکش معلوم ہوا۔ یہاں سے سعودی عربستان کی سرحد بارہ یا چودہ میل ہے وہاں کے تیل کے چشموں کی چمنیوں کا دھواں اگر فضاء صاف ہو تو یہاں سے نظر آتا ہے۔

ساڑھے دس بجے مسافروں کو کشتی میں لے جا کر طیارہ میں سوار

کرایا گیا اور کراچی کے لیئے طیارہ نے پرواز کی۔ دیڑھ گھنٹے تک خلیج فارس پر سے پرواز کرنے کے بعد خشکی کا علاقہ ملتا ہے۔ زیادہ تر غیر مزروع زمین دکھائی دی جو نہ تو بالکل ریگستان معلوم ہوتی ہے اور نہ زراعتی زمین زردی مائل۔ بھورا رنگ معلوم ہوا۔ کچھ آگے جانے کے بعد بلند پہاڑوں کے علاقہ پر سے ہمارا گزر ہوا یہاں طیارہ بتدریج بہت زیادہ بلند ہوتا گیا اور جھکولے بھی کھایا۔ یہ پہاڑی علاقہ سعودی عربستان کا انتہائی شمالی حصہ ہے۔ اس قسم کے پہاڑ میں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھے ان کا رنگ سرمئی ہے ایک دوسرے سے بالکل پیوست میلوں پھیلے ہوئے ہیں کہیں گھاس کا تنکا تک نظر نہیں آتا۔ اپنی نورانیت میں یکتا معلوم ہوئے۔ میرے قلب پران کے جلال اور عظمت کا خاص اثر ہوا کیوں نہ ہو یہ وہ سرزمین ہے جہاں دنیا کی عظیم ترین ہستی کا نزول اجلال ہوا تھا۔ میں اپنی خوش بختی پر جس قدر ناز کروں کم ہے کہ اگر قدوم مبارک تک حاضری کی عزت اور سعادت ابھی حاصل نہیں ہوئی تو یہ کیا کم عزت ہے کہ عربستان کے اس علاقہ کی سرزمین کو دیکھنے کی عزت ملی جہاں مسلمان کا کعبہ ہے۔ جہاں اُس کے ہادی برحق نے ابدی حیات پائی اور جو دنیا کے مسلمانوں کا سرچشمۂ حیات و ممات ہے۔ الحمد اللہ علی احسانہ۔

خلیج فارس سے گزر کر ہمارا طیارہ کچھ عرصہ تک بلوچستان کے علاقہ پر سے گزرتا رہا۔ ایک ندی کا نظارہ جو میلوں دور سے آکر خلیج فارس میں گرتی ہے بہت دلچسپ تھا۔ اس حصہ پر زمین کا رنگ راکھ کا سا ہے۔ مختلف

اسمات سے ہلکے نیلگوں رنگ کے نالے خلیج فارس میں جو فیروزے رنگ کا ہے گرتے ہوئے بے انتہا، خوبصورت دکھائی دئیے۔ بحرین سے کراچی جاتے ہوئے خلیج اومان میں دو بڑے دخانی جہاز دور سے جاتے ہوئے دکھائی دئیے۔ عین ہمارے طیارہ کے نیچے سمندر میں ایک سیدھی لکیر جہاں تک نظر کام کرتی تھی دیکھ کر پہلے خیال ہوا کہ یہ بحری تاروں کی لائن ہوگی جو سطح سمندر پر سے ڈالی گئی ہے۔ بعد میں جب اس کا کچھ حصہ غائب ہونے لگا تو معلوم ہوا کہ یہ نشان کسی بڑے جہاز کے گزرنے کا ہے جو کہا جاتا ہے ایک عرصہ تک باقی رہتا ہے۔ کراچی کے علاقہ میں داخل ہونے سے پہلے بلوچستان کا علاقہ ملتا ہے۔ اس علاقہ کی زمین چٹیل زرد رنگ کی ہے اور جہاں تک نظر جاتی ہے کوئی سبزی دکھائی نہیں دیتی دو ایک مختصر سی بستیاں دکھائی دیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں گندھک دستیاب ہوئی ہے۔ اور تیل کی تلاش جاری ہے۔ زمینی حالات عراق اور عربستان کے ان خطوں سے مشابہ ہیں جہاں تیل کے چشمے ہیں۔ شام کے پانچ بجے ہمارا طیارہ کورنگی کریک کی سطح آب پر اترا۔ میں کسٹم ہال میں سامان کی تنقیح کرانے کے لئے جارہا تھا کہ رائٹر خبر رسان ایجنسی کے ایک نمایندے نے مجھ سے بیان دینے کی خواہش کی۔ میں نے کہا کہ کسٹم اور پاسپورٹ کے معائنہ میں عرصہ لگے گا اس لئے کل صبح مجھ سے وہ ہوٹل میں ملیں تو مناسب ہوگا۔ انھوں نے پھر خواہش کی کہ کسٹم کی جھڑتی میں میری باری آنے تک بیان دیدوں تو شام ہی کو وہ تمام اخبارات میں بذریعہ تار بر

بھیجدیں گے۔ ان کے اصرار پر میں نے ان کے سوالات کے جوابات دیئے
کسٹم کے عہدہ داروں سے راجہ پنا لعل جی کے دوست سیٹھ پر لادرائے
جو راجہ صاحب کی شائعت کے لیئے کراچی کے طیران گاہ پر آئے تھے۔
میرا تعارف کرایا جس کی وجہ سے انھوں نے بہت جلد سامان کی تنقیح کر کے
جانے کی اجازت دیدی۔ راجہ پنا لعل صاحب اپنے دوست کے ہاں
چلے گئے! اور میں پالیس ہوٹل گیا جہاں میرے قیام کا انتظام تھا۔ رات کے
کھانے کی دعوت سیٹھ پر لادرائے صاحب کے ہاں تھی۔ ساڑھے تین مہینے
کے بعد ہندوستانی کھانا سامنے آیا تو طبیعت پر قابو نہ رہ سکا اور میں نے
جی بھر کر کھایا۔ رات کے دس بجے ہوٹل واپس ہوا چونکہ دن بھر کا تھکا ہوا
تھا اس لیئے فوراً گہری نیند آگئی۔

شنبہ ۲۸ ستمبر	آج بذریعہ طیارہ کراچی سے بمبئی جانے کا قصد تھا مگر صرف دو ٹکٹ دستیاب ہونے کی وجہ سے راجہ پنا لعل جی

اور مسٹر جاویری جا سکے۔ اور نواب احسن یار جنگ بہادر اور میں مجبوراً ٹھیر گئے۔
نواب صاحب کی طبیعت شب میں کسلمند ہوگئی اس لیئے ایک دن کا آرام مناسب
ہی ہوا۔ لندن جاتے ہوئے شہر کراچی کو دیکھنے کا موقع نہ ملا تھا اس لیئے
آج دن میں سیر کے لیئے نکلا۔ یہ شہر نہ اس قدر گنجان ہے جیسا کہ بمبئی اور
نہ بہت چھوٹا ہے۔ چوڑے راستے اور کھلے میدان جابجا ہیں۔ ہوا بہت
صاف ہے۔ ایک چوراہے پر مسٹر گاندھی کا مجسمہ نصب کیا گیا ہے۔ شہر کی
سب سے بڑی جو سڑک ہے اس کے نصف حصہ کو گاندھی روڈ اور دوسرے

نصف حصہ کو جناح روڈ کہا جاتا ہے۔ ہندو مسلم ملاپ کی یہ اچھی نشانی ہے
میں نے سنا کہ کراچی میں فرقہ واری فسادات بالکل نہیں ہوئے اور ہندو
مسلمان برادرانہ طریقہ پر رہتے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ صورت حال ہندوستان
کے دوسرے شہروں میں بھی پیدا ہو جائے۔ رات کا کھانا میں نے سیٹھ صاحب
کے مکان پر کھایا۔ جب سے آیا ہوں سیٹھ پرلادرائے صاحب مجھے کہیں اور
کھانے نہیں دیتے۔ بڑے محبت والے آدمی ہیں۔ رات آرام سے سویا۔

یکشنبہ ۲۹ ستمبر | آج دن کے ڈیڑھ بجے کے ہوائی جہاز کا ٹکٹ کل مل گیا
تھا۔ اس لیئے ناشتہ کے بعد سامان وغیرہ باندھ کر سوا گیارہ
بجے ہوائی اسٹیشن کے دفتر پر گیا جہاں مسافروں اور اسباب کا وزن
کرنے کے بعد ہر مسافر کو ایک ٹکٹ دوپہر کے کھانے کا دیا گیا۔ بارہ بجے
کمپنی کی موٹر کوچ میں مسافروں کو ڈرگ ایروڈروم پر پہنچایا گیا جو شہر سے
تقریباً سات میل ہے۔ ایروڈرم میں کچھ تعمیر کے کام جاری تھے۔
بیچ کے گول ہال کا نقشہ نیویارک کے ایروڈرم کی وضع کا بنایا گیا ہے مگر
چھوٹا ہے۔ رائٹر کے کرسپانڈنٹ مسٹر سندرشم نے پھر مجھے ہوائی جہاز
میں سوار ہونے سے پہلے فوٹوکشی کے لیئے مجبور کیا۔ کل کے مقامی اخبار
ڈیلی گزیٹ میں میرا پچھلا بیان جو شائع ہوا ہے اسمیں ایک اہم غلطی کی
جانب میں نے ان کو توجہ دلائی جس کی اصلاح کا انھوں نے وعدہ کیا۔
اس دفعہ کے کراچی کے قیام میں میں نے دیکھا کہ گدھوں کو چھوٹی اور بڑی
بنڈیوں میں جوت کر باربرداری کا کام لیا جاتا ہے۔ ایک گدھے کی بنڈی میں

میں نے دیکھا کہ کچھ سامان کے علاوہ پانچ آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور گدھا چھوٹے ٹٹو کی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ بعض ہنڈیوں میں دو گدھے بھی جوتے جاتے ہیں۔ اونٹ گاڑیاں بھی یہاں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں ایک سکھ ڈاکٹر نے دوران گفتگو میں مجھ سے کہا کہ تھوڑی سی مشق کرانے کے بعد گدھے ہنڈی میں اچھی طرح چلتے ہیں ان کو غذا بھی اچھی دیجاتی ہے جب میں نے بعض احباب سے ایک عرصہ پہلے حیدرآباد میں خیال ظاہر کیا تھا کہ اس کم خوراک جانور سے ہندوستان میں کام نہیں لیا جاتا اور بڑی بے رحمی سے دھوبی اس کی پیٹھ پر کپڑے لادتے ہیں جس کی وجہ سے اس جانور کے پچھلے پیر ٹیڑھے ہو جاتے ہیں۔ اُسے گھوڑا پر چھوڑ دیا جاتا ہے جہاں گرے پڑے چرنے پر اسکی زندگی بسر ہوتی ہے تو میرے اس خیال کا مضحکہ اُڑایا گیا تھا۔ خیر گدھے کا کیا ذکر ہے ہندوستان میں انسان تک صحیح طریقہ پر کام پر نہیں لگائے جاتے اور گدھوں سے بد تر زندگی بسر کرتے ہیں۔

ڈیڑھ بجے ہمارا طیارہ روانہ ہوا اور پونے چار بجے احمدآباد کے طیران گاہ پر آدھ گھنٹہ کے لیئے اُترا جہاں کمپنی کی جانب سے مسافروں کو رستوران میں چائے پلائی گئی۔ سوا چار بجے پھر یہاں سے اُڑکر ہم شام کے سوا چھ بجے سنتا کروز کے طیران گاہ بمبئی پر اُترے۔ یہ حسن اتفاق ہے کہ اسی طیارہ میں جو نشست مجھے جاتے ہوئے سب سے آگے کی صف میں ملی تھی اسی نشست پر میں اسی طیارہ میں واپسی کے

سفر میں بیٹھا تھا۔ ۱۳۔ جون کو اسی سنٹا کرز کے ہوائی اڈہ سے روانہ ہوا تھا اور آج تین مہینے سولہ دن بعد پھر اُسی ہوائی اڈہ پر بہ خیر و خوبی اُترا ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔ اُترتے وقت میرے دل میں وہی جذبات تشکر موجزن تھے جو ۱۵۔ جون کو لندن کے ہوائی اڈہ پر اترتے وقت تھے۔ تقریباً پون دنیا کا چکر لگا کر اُسی نکتہ پر واپس آیا جہاں سے نکلا تھا۔ یہی حال انسان کا ہے کہ دنیا میں آکر زندگی بسر کرتا ہے اور بالآخر اسی نکتہ پر عود کرتا ہے جہاں سے آیا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جس طرح مجھے انگلستان۔ یورپ اور امریکہ کا سفر آج ختم ہونے پر ایک خواب معلوم ہوتا ہے اُسی طرح انسان جب اس عارضی زندگی کو چھوڑ کر ابدی زندگی کے عالم میں جائے گا تو یہ زندگی بھی خواب و خیال ہو کر رہ جائے گی۔ اس اٹل قانون الہٰی کو رات دن دیکھتے ہوئے انسان دنیا میں اپنی زندگی کس طرح گراں خوابی سے گزارتا ہے اور دوسری ابدی زندگی کا اسے مطلق خیال نہیں آتا ایک معمہ ہے۔

طیارہ سے اُترتے ہی راجہ پنا لعل جی کے فرستادہ پھولوں کے ہار اور گلدستے لیئے ہوئے ملے اور راجہ صاحب کی طرف سے جو کل کراچی سے بمبئی آئے تھے پھولوں کے ہار نواب احسن یار جنگ بہادر کو اور مجھے پہنائے۔ راجہ صاحب نے اپنی موٹر کار بھی ہمارے لیئے روانہ فرمائی تھی سلیمان صدیق صاحب ایجنٹ نظام ہیالیس نے بھی کار روانہ کی تھی اور خط بھیجا تھا کہ وہ پونہ میں ہیں واپسی پر مجھ سے ملیں گے۔ راجہ پنا لعل جی نے جس محبت اور خلوص کا اظہار کیا اس کا گہرا اثر میرے دل پر ہوا۔ اس ضمن میں یہ لکھنا بے محل نہ ہوگا کہ

پچھلے تین ماہ سے زاید عرصہ تک لندن۔ یورپ اور امریکہ میں راجہ صاحب اور مسٹر شوشیل جاویری کے ساتھ یکجائی رہی۔ سفر میں اور قیام میں ہم تینوں ایک ہی جگہ رہے الحمد للہ اس عرصہ مدت میں ذرا بھی اختلاف نہیں پیدا ہوا۔ میرا محترم راجہ صاحب اور مسٹر شوشیل جاویری صاحب نے اسی طرح کیا جس طرح کوئی خرد اپنے بزرگ کا احترام کرتا ہے۔ یہ ان کی اعلیٰ ظرفی ہے۔

انگلینڈ یورپ اور امریکہ اور وہاں کے لوگوں کو دیکھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مغربی ممالک اور امریکہ کا طرز زندگی کم و بیش یکساں ہے معیار زندگی میں البتہ فرق ہے۔ ان سب ممالک کے باشندوں کا لباس یکساں ہے۔ کھانے کا طریقہ اور کھانوں کے اقسام معیاری ہیں۔ رہائشی مکانات میں کم و بیش یکسانیت ہے البتہ ہر آزاد ملک کی زبان اور سکہ علیحدہ ہے۔ امریکہ میں انگریزی بولی جاتی ہے۔ ہر ملک میں قوم پرستی کا جذبہ موجزن ہے۔ تجارت و حرفت میں ایک دوسرے پر مسابقت لیجانے کی کوشش ہے۔ جنگ سے بیزاری ہر جگہ ظاہر کی جاتی ہے مگر حقیقی صلح اور آشتی کے طرف متفقہ قدم نہیں بڑھایا جاتا کیونکہ وہی قومی جذبہ کے تحت پہلے اپنے مفاد کی دیکھ بھال ضروری خیال کی جاتی ہے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو بے اعتمادی کی نظر سے دیکھتا ہے۔ مشرق وسطیٰ کے ممالک کی حالت نہایت زبون ہے۔ معیار زندگی بہت انتہا گرا ہوا ہے۔ ان کا سارا ملک بمقابلہ یورپ ویرانہ معلوم ہوتا ہے معاشی تعلیمی صنعتی شعور ابھی پیدا نہیں ہوا ہے۔ تھوڑی بہت سیاسی نیم بیداری اس جنگ کے بعد ضرور ہوئی ہے۔ ہندوستان کی حالت یہ ہے کہ ہندو مسلمان ایک

دوسرے سے دست و گریبان ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے لوگ مجھ سے ہر موقع پر تعجب کے ساتھ دریافت کرتے تھے کہ آخر ہندوستان میں یہ دو فرقے کیوں ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہیں۔ ایک امریکن نے کہا کہ کرستانوں میں بھی رومن کیتھولک و پروٹسٹنٹ وغیرہ ہیں مگر ملکی معاملات میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں رکھتے مذہب کو ملکی سیاست سے کیا واسطہ ہے میں نے ان سے کہا کہ کرستانوں میں مذہبی مسلک جدا ہونے کا اثر ان کی معاشرت پر نہیں پڑا ہے اسکے برعکس مختلف مذاہب کے پیرو ہندوستان میں ایک دوسرے کے ساتھ معاشرتی امور میں بھی اختلاف برتتے ہیں اور یہی معاشرتی خلیج ایک دوسرے کو علیحدہ کر رہی ہے دنیا کا کوئی مذہب یہ تعلیم نہیں دیتا کہ اپنے پڑوسی کو اذیت دو ہر مذہب انسان کو دنیا میں اچھی زندگی بسر کرنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کی تعلیم دیتا ہے، میرا خیال ہے کہ چاہے اقوام ہوں یا فرد ان میں سے جو بھی زیادہ طاقتور ہوں فراخ دلی سے کام لے کر کمزور کی امداد اور رعایت مروت سے کام لیں تو یقیناً کمزور اقوام ہوں یا فرد آج نہیں تو کل ان میں جذبات احسان مندی ضرور پیدا ہوں گے۔ موجودہ بے اعتمادی دور ہو جائے گی۔ اور دنیا کے بسنے والے انسان آرام اور چین سے زندگی بسر کر سکیں گے۔

شب کے کھانے کی دعوت راجہ بنا لعل جی کے بڑے بھائی راجہ بہادر گوشٹ لعل جی نے برابورن کرکٹ کلب میں دی تھی۔ راجہ بنا لعل جی بھی موجود تھے۔ تقریباً تیس ہزار میل کا سفر ہوائی جہاز میں کرتے کرتے تھک گیا ہوں اسلیئے بمبئی سے حیدرآباد جانے کے لیئے ڈبہ محفوظ کرانے کی کوشش میں ہوں کیونکہ آج کل

ریل میں جگہ مشکل سے ملتی ہے۔ کل سے کوشش میں ہوں کہ مکان ٹیلیفون ملا کر اپنے خیریت سے بمبئی پہنچنے کی اطلاع دوں مگر جواب ملا کہ لائن میں کچھ خرابی ہے۔

دوشنبہ ۳۰۔ستمبر | آج پھر ٹرنک ٹیلیفون کے ذریعہ مکان سے بات کرنا چاہا معلوم ہوا کہ شولاپور سے لائن خراب ہوگئی ہے۔ ریلوے سے ڈبہ محفوظ کئے جانے کی اطلاع آج وصول ہوئی۔ ٹیلیگرام گھر روانہ کیا کہ چہارشنبہ کی سہ پہر میں بیگم پیٹھ اسٹیشن پر پہنچونگا۔

سفر کی تکان باقی ہے اس لئے آج تمام دن آرام لیتا رہا۔ مسٹر شوشیل جاویری نے اپنے والد کی طرف سے آج شام کھانے کی دعوت دی جسے میں نے قبول کر لیا۔ بمبئی میں فرقہ واری فساد جاری ہے اس لئے مسٹر جاویری خود موٹر لے کر آئے اُن کے ہمراہ شب کے آٹھ بجے ان کے مکان پر گیا۔ جہاں ان کے والد۔ والدہ۔ ہمشیرہ اور بھائی بہت تپاک سے ملے کھانا کھا کر دس بجے کے بعد واپس ہوا۔

سہ شنبہ یکم۔اکٹوبر | انگلینڈ یوروپ اور امریکہ کا سفر چونکہ زیادہ تر ہوائی جہاز کے ذریعہ ہوا تھا اور چالیس پچاس پاؤنڈ سے زیادہ سامان ساتھ لیجانا مشکل تھا اس لئے ان ممالک سے زیادہ تحائف نہ خرید سکا آج بمبئی کے بازار سے کچھ سامان خریدا۔ شام میں اول وقت ریلوے اسٹیشن گیا کیونکہ کرفیو آرڈر نافذ تھا رات کا کھانا ریلوے کے طعام خانہ میں کھا کر شب کے نو بجے کی گاڑی سے حیدرآباد روانہ ہوا۔ اسٹیشن پر مسافروں کی بدنظمی۔ دھکم دھکی۔ چیخ پکار، بھولا ہوا سبق یاد دلا رہی تھی کہ یہ ہندوستان ہے۔

چہارشنبہ ۲۔ اکٹوبر | دن بھر ریل کا سفر جاری رہا۔ ہر اسٹیشن پر پان بیڑی سگریٹ اور دوسرے جلد سامان فروشوں کی صدائیں آتی رہیں۔ سہ پہر میں گاڑی حیدرآباد کے بیگم پیٹھ اسٹیشن پر پہنچی۔ جہاں دوست احباب اور عزیز اقربا، تشریف لائے تھے۔ ان سب سے مصافحہ اور معانقہ کر کے گھر پہنچا اور بارگاہ ایزدی میں بخیر و عافیت واپسی پر سجدۂ شکر بجالایا۔ اَلحَمدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحسَانِہٖ۔

عاصی

لیاقت جنگ

چہارشنبہ ۲۔ اکٹوبر | دن بھر ریل کا سفر جاری رہا۔ ہر اسٹیشن پر پان بیڑی سگریٹ اور دوسرے چلر سامان فروشوں کی صدائیں آتی رہیں۔ سہ پہر میں گاڑی حیدرآباد کے بیگم پیٹھ اسٹیشن پر پہنچی۔ جہاں دوست احباب اور عزیز اقربا تشریف لائے تھے۔ ان سب سے مصافحہ اور معانقہ کر کے گھر پہنچا اور بارگاہ ایزدی میں بخیر و عافیت واپسی پر سجدۂ شکر بجالایا۔ الحمدُ للہِ علیٰ احسانہٖ۔

عاصی

لیاقت جنگ

کے مخالف ہیں۔

میں نے اس کا سرورق بدلا نئی تمہید لکھی خوبصورت جلد بند ہوائی اور ہندوستان اور پاکستان کے تاجران کتب تک اس کی اطلاعیں بھیجنے کا انتظام کیا اور حیدرآباد شہر اور اضلاع اور قصبات اور دیہات میں بھی اس کے اشتہارات تقسیم کرائے۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ حیدرآباد ملک کے باشندے اپنے ملک کی کتابیں اور اخبار خریدیں اور پڑھیں جس انقلاب سے بعض لوگوں میں افسردگی پیدا ہوگئی ہے وہ بھی اگر مذکورہ کتابیں پڑھیں گے تو ان کے خیالات میں اور ہمتوں میں تغیر پیدا ہوگا۔ اور اپنی اس خداداد قابلیت سے فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ ہوجائیں گے جو ان کو حقیقی معنوں میں حیدرآباد کا سپوت فرزند بنا دے گی۔ چونکہ جب میں نے اس سفر نامے کی جلد بندی کرائی تو مسلسل بیمار رہا۔ اس واسطے مضامین کی وہ فہرست شروع میں نہ لگا سکا جو میں نے پہلے سے تیار کر لی تھی۔ تاہم یہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ اس سفر نامے میں یورپ اور امریکہ کی دکانداری کے برتاؤ اور صنعت گری کے طریقوں اور باہر کے مسافروں سے میل جول کے طریق کا فکر اس قابل ہے کہ خاص توجہ سے وہ مقامات پڑھے جائیں۔ جہاں ان باتوں کا تذکرہ ہو۔

ایشیا اور یورپ کی دکانداری میں بڑا فرق ہے یورپ اور امریکہ کے دکاندار اپنے گاہک کے دوست بن جاتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ ان کا گاہک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گاہک بن جائے۔ اور ایشیا کے دکاندار دشمن بن کر گاہک سے معاملہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آج ہی جو کچھ فائدہ اٹھایا جا سکے گاہک سے اٹھا لینا چاہیئے حالانکہ یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ نئی دنیا کی خوشحالی اور ترقی کا راز تجارت اور صنعت و حرفت میں ہے اور ان دونوں کے لئے ایمانداری اور محنت اور سلیقہ مندی ضروری ہوتی ہے۔ نواب لیاقت جنگ بہادر نے اس سفر نامے کی تحریر کے وقت

جن ہندو مسلمان رفیقوں کا ذکر لکھا ہے اس کے اندر بھی ایک بڑے سفر کے تجربے مخفی ہیں اور
پھر یورپ اور امریکہ کے جن جن مقامات پر ان کا قیام ہوا اور جن جن لوگوں سے ان کا سابقہ پڑا
ان کے حالات بیان کرنے میں بھی انہوں نے اپنے نام اور اپنے کام کی لیاقت کو بہت خوبی سے ظاہر
کیا ہے جس زمانے میں یہ سفرنامہ لکھا گیا تھا حیدرآباد انگریزی برتری کے ماتحت تھا اور نواب
لیاقت جنگ حیدرآبادی حکومت کے ایک عہدے دار تھے مگر انہوں نے انگریزوں کے حالات بیان
کرنے میں پوری آزادی اور جرأت سے کام لیا ہے۔ جہاں انگریزوں کی خوبیاں نظر آئیں ان کو بھی
لکھا اور جہاں کچھ خامیاں نظر آئیں ان کو بھی موزوں اور شائستہ الفاظ میں ظاہر کیا۔ میرے
خیال میں بڑی خوبی اس سفرنامے کی یہ ہے کہ نواب لیاقت جنگ نے اپنی مشرقیت اور اسلامیت
کو انگلستان اور یورپ کی بناوٹی چکا چوند سے مرعوب نہیں ہونے دیا۔ اور جو بات بے باکی
سے لکھنے کے قابل تھی اپنے ناظرین اور اپنے ہم وطن لوگوں کو صفائی سے بتا دی اور اس کا
خیال نہیں کیا کہ انگریزوں کی برتر حکومت ایک ماتحت حکومت کے افسر کی آزادانہ تحریر سے
ناراض ہوگی۔

میں باشندگان حیدرآباد سے اس کتاب کا تعارف اس وقت کراتا ہوں جب کہ حیدرآباد
میں انقلاب ہو گیا ہے اور ہندیونین کے مختلف صوبوں کے اہل کار حیدرآبادی محکموں میں کام
کر رہے ہیں اس لئے میں ان نئے عہدے داروں کو بھی اور پرانے عہدے داروں کو بھی اور
ہندو مسلم رعایا کو بھی اس کتاب کے مضامین کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس کے ذریعے
اپنے ملک کے عروج اور فروغ اور ترقی کے وسائل حاصل کریں۔ اور یورپ اور امریکہ
کی ترقیوں سے سبق لیں۔

حسن نظامی دہلوی

مئی سنہ ۱۹۴۹ء مقام حیدرآباد